صحیفۂ ٹیپو سلطان

محمود بنگلوری

صحیفۂ ٹیپو سلطان

از

محمود خاں محمود بنگلوری

مشتمل

تاریخ سلطنت خداداد [illegible]

فیصلہ کن جنگیں، انقلابات [illegible]

ناشر

گوشۂ ادب لاہور

136101

سنہ ۱۹۳۶ء

قیمت چار روپے

بار اول

فہرست مضامین

بقیہ مکاتیب سلطانی حصہ اول	۷
خاتمۃ المکاتیب	۱۳۹
اعلان جہاد	۱۴۱
احکام سلطانی	۱۶۳
سلطان کے تجارتی احکام	۱۶۵
بحری فوج کے متعلق سلطان کے احکام	۲۰۱
بری فوج کے متعلق سلطان کے احکام	۲۱۴

اسلام کی اشاعت ثانیہ کے لئے سلطان کی جدوجہد قاضیوں کے نام حکم نامہ	۲۳۱
اسلام کے متعلق سلطان کا حکم نامہ ..	۲۴۲
کتاب فتح المجاہدین	۲۴۸
ضمیمے	۲۵۷
ترکی اور فرانس کی سفارتوں کو سلطانی ہدایات	۲۵۹
فتح نگر اور منگلور کے حالات۔ سلطانی تحریر کا ترجمہ	۲۶۳
شاہنور کے پٹھان خاندان کی تاریخ ..	۲۰۷
کرنول کے پٹھان خاندان کی تاریخ ..	۲۵۹
کڑپہ کے پٹھان خاندان کی تاریخ ..	۳۰۰
میر صادق	۳۰۷
نظم اور سلطنت خداداد	۳۲۹
خاتمہ اور نتائج	۳۴۹
[illegible]	۳۷۷
سرنگاپٹم میں آثار سلطانی	۳۸۱

نقشہ سلطنت خداداد میسور ولکس کی تاریخ سے لیا گیا ہے۔ اور نہایت مستند ہے
اسے کرنل میکنزی نے جو سرویئر جنرل تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکم سے تیار کیا تھا۔

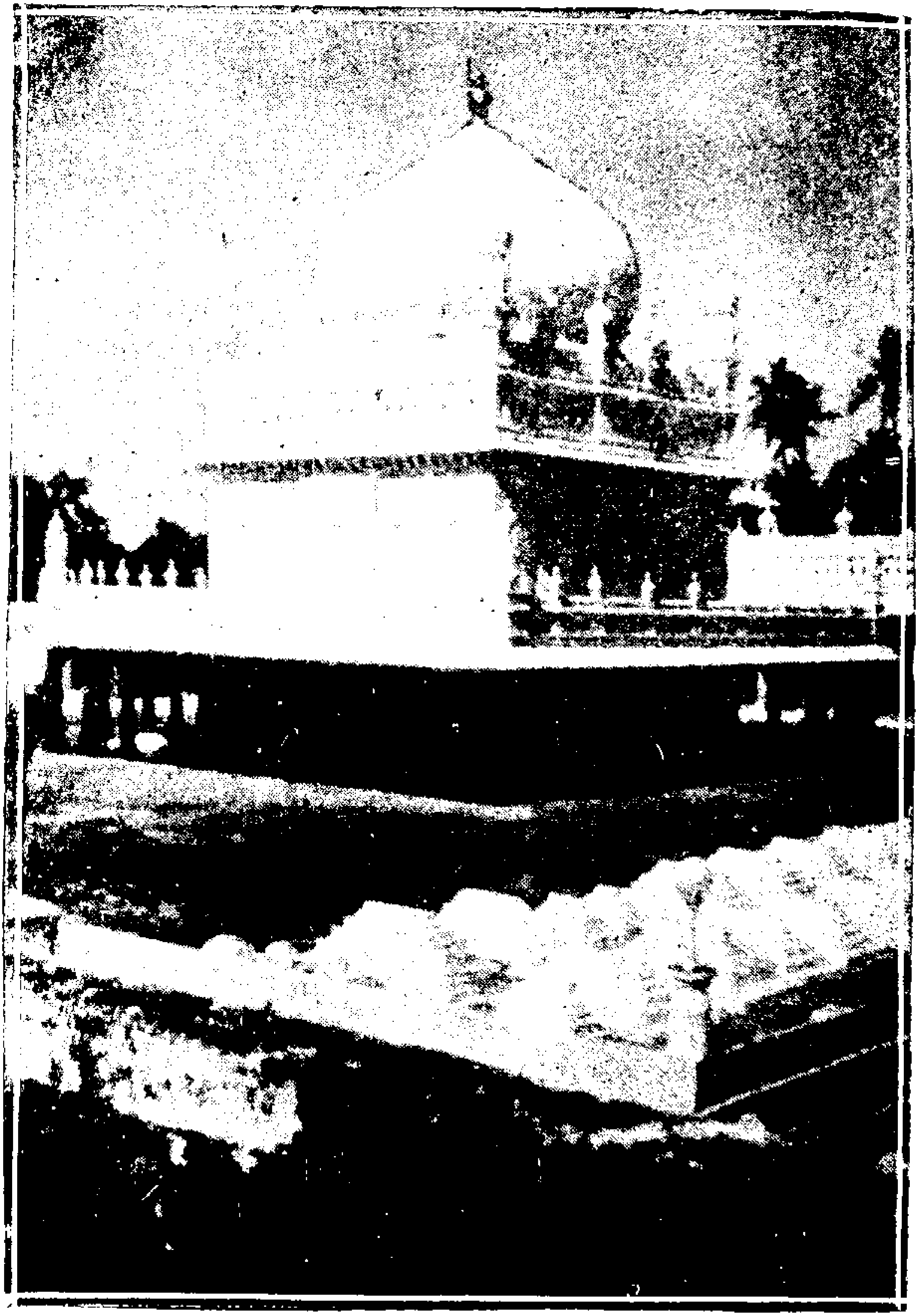

سرنگا پٹم ۔ گنبد اور مسجد اقصیٰ

خط نمبر ۱۳۳

بنام مولچند و بچن رائے   ریکیم ہاشمی = ۱۲ر اگست ۱۷۸۶ء

نوٹ:- کرک پیٹرک نے بجائے پورا خط بھیجنے کے اس کے حسب ذیل اقتباسات دئے ہیں۔ (محمود)

تمہارے دونوں خط بذریعہ ہوماجی (Homaji) تولارام اور دیگر ہرکاروں کے ملے۔ شاہ عالم کے حضور میں جو عرضداشت بھیجی گئی تھی۔ اس کے جواب میں شاہ عالم نے بذریعہ شاہ نظام الدین اطلاع دی ہے کہ ان سکوں پر شاہ عالم کا نام نہیں ہے۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے نئے سکے تیار کرکے بھیجے جاتے ہیں۔ ان کی نذر دیتے ہوئے تم کو بادشاہ کے حضور یہاں کے تمام حالات سنانے چاہئیں کہ کس طرح ہم نصرانیوں کی سرکوبی میں مصروف تھے۔

اور اب بھی ان رئیسوں کی سرزنش کر رہے ہیں۔ جو اسلام کی ترقی کے مانع ہیں۔ تم کو چاہئے۔ کہ شاہ صاحب کے ذریعہ بادشاہ شاہ عالم کو آمادہ کرو۔ کہ وہ نواب نظام الدولہ اور دوسرے مسلمان رئیسوں کو لکھیں۔ کہ اسلام کی ترقی کے لئے سب متحد ہو جائیں

.. ..

.. ..

.. ..

محمد بیگ خاں ہمدانی۔ بدل بیگ خاں۔ اور شاہ نظام الدین کے لئے دو سو روپے لاگت کی ایک ایک خلعت اور قاسم خاں اور صدیق بیگ خاں کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو کی دو خلعتیں بنواؤ۔

.. ..

.. ..

ان لوگوں کو خلعتیں پیش کرنے کے بعد ان کے ذریعہ بادشاہ کی خدمت میں یہ گزارش گزار کراؤ کہ "اس وقت نظام الدولہ مرہٹوں کا ساتھ دے کر ہم سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور چونکہ ان کا یہ فعل اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ لہذا ظل سبحانی کو بہ حیثیت پیشوائے دین ہونے کے لازم ہے کہ ایسے طریقے اختیار کریں۔ جن سے دین محمدی کو تقویت حاصل ہو"

تبصرہ

ایک بزرگ اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

معلوم نہیں۔ کہ شاہ عالم نے ٹیپو کی تجویز پر عمل کیا یا نہیں کیونکہ وہ اس وقت مرہٹوں کی سرپرستی میں تھا۔ محمد بیگ خاں ہمدانی نجف خاں کا سب سے بڑا کمانڈر تھا۔ اور اس کی وفات کے بعد بہت بارسوخ ہو گیا تھا۔ سیندھیا سے اس کو سخت مخالفت تھی۔ اور آخر میں ایک جنگ میں جو سیندھیا اور مغلوں کی فوج کے مابین ہوئی، مارا گیا۔ بدل بیگ خاں۔ قاسم خاں اور صدیق بیگ خاں یہ تینوں، نجف خاں کے عہد وزارت میں بڑے بڑے عہدوں پر تھے۔ اور شاہ نظام الدین ایک صوفی درویش تھے۔

؎ مذکورہ بالا خط میں دو جگہ عبارت چھوٹ گئی ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کرک پیٹرک نے عمداً حذف کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں خط نمبر ۳۶۳ بھی دیکھا جائے کہ کس طرح سلطان نے شاہ عالم سے درخواست کی تھی۔ کہ ملک کے مفاد کے لئے اس میں اور مرہٹوں میں اتحاد کرائے۔"

خط نمبر ۳۳۲

بنام محمد بیگ خاں ہمدانی — ایکم ہاشمی ۔ ۷ اگست ۱۷۸۶ء

اگرچہ آپ کے اور ہمارے درمیان اب تک کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔ تاہم بالکن ... اس کے ذریعہ آپ کے اوصاف حمیدہ، خوش اخلاقی، جوانمردی اور سیاسی بصیرت معلوم کر کے نہایت خوشی ہوئی۔ لہٰذا اس قول پاک کے مطابق کہ "تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں" آپ سے دوستانہ تعلقات بڑھانے

کی خواہش سے یہ خط لکھا جاتا ہے:-

آپ نے سنا ہوگا کہ آپ کے اس دوست نے کس طرح حال میں بے دین نصرانیوں کی سرکوبی کی ہے۔ شک نہیں کہ اس کی تفصیلات آپ تک پہنچ گئی ہونگی اب فی الوقت میں بعض مسلمان رئیسوں کی سرزنش کر رہا ہوں، جو شریعت اسلام کے خلاف کافروں کے ساتھ اتحاد کر چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے میں نے حال میں خدا کے احکام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قلم بند کر کے، تمام ملک میں بطور پمفلٹ تقسیم کئے ہیں، جن کی ایک نقل آپ کے ملاحظہ کے لئے بھی ارسال ہے۔

ہمارے اپنے دین پاک کی مدد کے لئے ضروری ہے۔ کہ تمام مسلمان متحد ہو جائیں۔ اور کافروں کی سرکوبی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھیں۔ تاکہ دین محمدی دن بدن ترقی پذیر ہو۔

مسلمانوں پر جو بُرا وقت آیا ہے، اس کا بڑا سبب سلطنت ہندوستان (دہلی) کی کمزوری ہے۔ اگر مسلمان اب بھی متحد ہو جائیں۔ تو اگلی شان و شوکت پھر آسکتی ہے اور اس وقت ان کافروں کو کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ لہذا امیران اسلام کو ایسی کارروائی کرنا چاہیئے۔ کہ روز فردا ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار ہوں۔

آپ کی دوستی کی قدر کرتے ہوئے، مولچند اور سجن رائے کے ذریعہ خدمت میں خلعت بھیجی جاتی ہے، جو امید ہے کہ قبول کی جائیگی۔ خیریت ناموں سے ہمیشہ ممنون فرمائیں

لہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان کو گمان تھا۔ کہ مرہٹوں اور نظام کو انگریزوں نے اس کے خلاف آمادہ کیا تھا۔

تبصرہ

اس خط میں جن مسلمان ریاستوں کے متعلق کہا گیا ہے ۔ وہ نظام علی خاں نظام دکن اور ارکاٹ کے والا جاہ محمد علی وغیرہ کے متعلق اشارہ ہے اور پمفلٹ سے مراد اعلان جہاد اور فتح المجاہدین کے پہلے تین ابواب ہیں نصرانیوں اور کافروں سے مراد انگریز ہیں جن کو میسور کی دوسری جنگ میں سخت شکستیں اٹھانی پڑیں۔ اور معاہدہ منگلور (۱۷۸۴ء) مرتب ہوا۔

کرک پیٹرک کا اعتراض ہے کہ سلطان نے ہمیشہ انگریزوں اور پرتگالیوں کو نہ صرف نصرانی ہی لکھا بلکہ بے دین بھی۔ لفظ نصرانی کے متعلق وہ خود لکھتا ہے کہ یہ لفظ فلسطین کے شہر ناصرت سے مشتق ہے، جس کے معنی عموماً عیسائی ہی کے ہیں۔ سلطان نے نصرانیوں کو جو بے دین لکھا کرتا تھا۔ اس کے متعلق کرک پیٹرک نے کوئی تشریح نہیں کی۔ سلطان ان عیسائیوں کو اس لئے بے دین کہتا تھا کہ اس کے خیال میں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ولکس کی تاریخ میسور کے صفحہ ۷ پر اس لفظ بے دین کے متعلق تشریح موجود ہے۔

سلطان نے ایڈمیرل (امیر البحر) گیسٹ جیمز جنرل میکلوڈ کو جو بعد اس کے دوبارہ منگلور پر چڑھائی کی۔ اور سلطان کو مبارکت کا خط لکھا تھا تو اس کے جواب میں سلطان نے لکھا:-

مستند کتابوں سے ظاہر ہے کہ آپ اپنے کو مسیح علیہ السلام

کا پیرو کہتے ہیں۔ تمہارا یہ دعوے جھوٹا ہے۔ کیونکہ اصلی انجیل میں تثلیث کی پرستش کی ہدایت نہیں ہے۔ یہ تو صرف مشرکین کا زدیہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے صرف ایک خدا کی پرستش کا حکم دیا تھا۔ اور تم نے انجیل کی تعلیم کے خلاف شراب پینے اور سؤر کا گوشت اور سود کھانا شروع کر دیا۔ اور ہر وہ کام جو صرف مذہب ہی نہیں بلکہ انسانیت نے ممنوع کر دیا ہے اختیار کر لیا ہے۔ اس لئے خدا، اور اُس کے پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام اور تمام برگزیدہ لوگ تم سے نفرت اور کراہت کرتے ہیں۔ اس لئے تم سے لڑنا (جہاد کرنا) ہم پر واجب ہے۔

.. ..

.. ..

اگر میں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے متعلق کچھ شک ہو۔ تو جس طرح تم نے لکھا ہے، جہازوں سے اُتر کر اپنی فوج کے ساتھ زمین (خشکی) پر آؤ۔ اور مجاہدینِ اسلام کی شمشیر زنی کا مزا چکھو، اس طرح کہ سپاہی سے سپاہی اور افسر سے افسر اپنے پسندیدہ ہتھیار لے کر لڑیں۔ تو فیصلہ ہو جائیگا۔ کہ خدا کے نزدیک کون بہتر ہے۔

مرد آدمی کی طرح اپنے دل سے خوف دور کرو
عورت کی طرح لے کا بہانے مت بناؤ

(تاریخ میسور از ولکس دیباچہ صفحہ ۱۱)

معلوم نہیں۔ کہ سلطان نے ایڈمرل کو دستاویز لکھا تھا جس کا

ترجمہ ولکس نے اس طرح دیا ہے۔ انگریزی میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔

Like a Man remove fear from
thy inagination,
Make no moe idle evasions lik
a woman,

خط نمبر ۳۳۳

بنام زین العابدین بخشی احتشام، (۴ ر ہاشمی = ۵ ر اگست ۱۷۸۶ء)

فرخ یاب حصار (ختیل ورگ)

تم نے لکھا ہے۔ کہ اگر احتشام کچہری کے دو دفتروں سے ایک دفتر، دیوان کچہری کو بدل دیا جائے۔ تو خوف ہے۔ کہ اس دفتر کے حساب کتاب کا کام ٹھیک نہ ہوگا بلکہ دفتر دیوانی کے کام پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔"

اس کے متعلق تم کو تحریری احکام پہلے ہی بھیج دیئے گئے تھے۔ ان کے مطابق کام کیا جائے۔

خط نمبر ۳۳۴

بنام شاہ فرانس (۵ ر ہاشمی = ۶ ر اگست ۱۷۸۶ء)

شہامت و عوالی مرتبت وابسالت و معلی منزلت

سرآمدگمہ انان یورپ!

خاطر معطر پر واضح ہو۔ کہ آپ کی خدمت میں دو خطوط بذریعہ موسیو سولیاک بھیجے گئے تھے۔ اس کے بعد غلام علی خاں اور دوسرے سرداروں کے ذریعہ

خطوط اور تحائف بذریعہ جہاز براہ قسطنطنیہ بھیجے گئے ہیں امید ہے کہ وہ پہنچ جائیں گے
اس وقت موسیو کامنگی سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس گورنر کو حکم دیا ہے
کہ سرکار خداداد کا حساب دیکھا جائے کہ اس سرکار کی جانب سے موسیو ڈ وچمن سفرن
اور بسی کی بابت فوجوں کی تنخواہ کے لئے کس قدر رقم دی گئی" اس سے ہمیں سخت
تعجب ہوا۔ ہم نے حضرت آپ کے اور اپنے درمیان دوستی بڑھانے کے خیال سے یہ
جنگ کی تھی۔ اور اس پانچ سال کے عرصہ میں کروڑوں روپیہ اور ہزارہا جانوں کا
نقصان برداشت کیا۔ اور آپ کی جو فوج مراشس سے آئی ہوئی تھی۔ اس کا
خرچ بھی صرف دوستی کے لحاظ سے اپنے ذمہ لیا تعجب ہے۔ کہ اب آپ نے
اس رقم کی ادائیگی کے لئے گورنر کو لکھا ہے۔ دوستی میں ایسا نہ ہونا چاہئے۔
آپ کو معلوم ہے۔ کہ سلطنت خداداد اس جنگ میں پانچ سال تک مصروف
رہی لیکن اس وقت جبکہ ہم عنقریب انگریزوں کو ملک بدر کرنے والے ہی تھے
تو بغیر ہماری اطلاع کے آپ کے کمانڈر بسی نے انگریزوں سے صلح کر لی۔ اگر ہم
چاہتے۔ تو اس سے پیشتر ہی جبکہ انگریزوں نے کئی بار صلح کی درخواست کی۔ تو ہم
نے ان درخواستوں کو صرف اس لئے رد کر دیا۔ کہ ہم ایک دوست کو مصیبت
کے وقت جنگ میں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا
ہے۔ کہ اس جنگ کا معاوضہ قبول کیا جائے۔

سلطنت خداداد کے کارخانہ کی بنی ہوئی ایک دو نالی بندوق اور ایک خلعت
ارسال خدمت ہیں چونکہ ہم کو صنعت و حرفت سے خاص شوق ہے۔ اس لئے امید
ہے۔ کہ آپ اس دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے، جو ہمارے درمیان ہے، چند صناع

دو کاریگروں کو یہاں بھیج دیں گے۔ یہ امر باعث ازدیاد محبت ہوگا۔
جن سرداروں کو آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ ان کے علاوہ، ہمارا ارادہ
اب ایک اور معتمد کو آپ کے پاس بھیجنے کا ہے۔ تاکہ تمام معاملات آپ کو سمجھا
سکے۔

تبصرہ

سلطان نے اس خط میں جس جنگ کا اشارہ کیا ہے۔ وہ میسور
کی دوسری جنگ ہے۔

سلطان ایک مسلمان اور مشرقی بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی دوستی
کا اسی طرز پہ اظہار کیا ہے۔ کہ دوست کو جب امداد دی جاتی ہے۔ تو
اس کا معاوضہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی لئے سلطان نے فرانس والوں
سے روپیہ لینا نہ چاہا۔ اور دوسرا یہ کہ، جب انگریز پیہم شکستیں اٹھا کر
اس سے علیحدہ صلح کرنا چاہتے تھے، تو اس نے فرانس والوں کو میدان
جنگ میں اکیلا چھوڑ کر صلح قبول کرنا پسند نہیں کیا۔ وہ یورپ کی
سیاست سے جس کو مکاری کہا جا سکتا ہے، ناواقف تھا۔ لیکن
فرانس والے چونکہ مغربی اور تاجر تھے۔ اس لئے انہوں نے تمام
معاملات اپنی سیاست اور تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھا۔ اور اس وقت
یورپ میں اہل فرانس اور انگریزوں میں صلح ہوگئی۔ تو وہ میدان جنگ
میں سلطان کو اکیلا چھوڑ کر چل دئے۔ اور بعد میں سلطان نے جو مدد دی تھی
اس کا روپیہ بھی دینا چاہا۔ تو اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے

قبول نہیں کیا۔

خط نمبر ۳۳۵

بنام موسیو کاسگنی۔ گورنر پانڈیچری (۴؍ہاشمی = ۱۵؍اگست ۱۷۸۶ء)

آپ نے پیری مزن کے ہاتھ جو خط بھیجا تھا، موصول ہوا۔ اس میں آپ نے اطلاع دی ہے کہ وکیل مذکور کو ہم وہ حساب بتائیں، جو گذشتہ جنگ میں فرانس والوں کے لئے ہم نے خرچ کیا تھا تاکہ یہ ادا کی جائے۔"

ہم نے مدت دراز سے شاہِ فرانس کی عزت کو اپنی عزت کے برابر سمجھا ہوا تھا۔ اسی لئے ہم نے گذشتہ پانچ سال کے عرصہ میں کروڑوں روپے اور ہزار ہا جانوں کا نقصان برداشت کیا۔ تاکہ ہمارے درمیان دوستی اور محبت اور زیادہ ترقی کرے۔ اور اب بھی اگر خدا نے چاہا۔ تو ہم اسی مقصد کے لئے کوشش کرنے کو تیار ہیں۔

آپ نے بطورِ نذر جو پانچسو بندوقیں بھیجی ہیں، انہیں ہم نے شاہِ فرانس کی دوستی اور آپ کی خیر خواہی کا مظاہرہ سمجھ کر قبول کیا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے ہم نے غلام علی خاں اور دوسرے افسروں کو شاہِ فرانس کی خدمت میں تحائف اور ہاتھی اور نقرئی عماری دے کر بھیجا تھا۔ وہ جدہ کی راہ سے قسطنطنیہ ہوتے ہوئے فرانس پہنچیں گے۔ ہم ایک اور وفد تحائف کے ساتھ عنقریب روانہ کرنے والے ہیں۔ ہمارے یہ وکیل جب پانڈیچری آئیں۔ تو آپ انہیں اپنے ایک جہاز پر فرانس بھیج دیں۔

آپ کی خواہش کے مطابق ہم نے کلی کٹ کے تعلقدار کو حکم دیا ہے کہ ماہی بندر کے مضافات کے باشندوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیں۔ اسی طرح ہم نے سیلم کے تعلقدار کو بھی حکم بھیجا ہے کہ جب پانڈی چری کے تاجر آپ کے دستخط سے تمل زبان میں پروانے لے کر آئیں تو کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے۔ ان پروانوں میں تاجروں کے نام کے ساتھ یہ بھی لکھا جائے کہ ہر تاجر کے ساتھ کتنے بیل سامان سے لدے ہوئے ہیں۔

ہم نے پیری مزن کو شاہِ فرانس سے چند خفیہ باتیں کہنے کے لئے بتائی ہیں، جو آپ کو بھی سنائی جائیں گی۔

آپ کی دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے ایک گھوڑا اور خلعت بھیجی جاتی ہے

خط نمبر ۳۳۶

بنام داروغۂ اجناس سرنگاپٹم (از کیمپ بیم ساگر) (۶ر ہاشمی ۔ ۷ اگست ۱۷۸۵ء)

حکم دیا جاتا ہے کہ کتاب "مفرح القلوب" کی دس نقلیں روانہ کی جائیں۔ ان میں پانچ نقلیں مفصل ہوں۔ ان کی جلد بندی کرتے ہوئے، اوپر طغرائی قفل لگائے جائیں۔ اور باقی پانچ نقلوں میں اس کتاب کا صرف اقتباس ہو۔ ان پر قفل لگانے کی ضرورت نہیں۔

تبصرہ

مفرح القلوب: یہ کتاب اسی نام کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ حسین علی، جو سلطان کا درباری شاعر اور ملک الشعراء تھا۔ اس کو دکھنی

زبان میں ترجمہ کیا۔ اور سلطان کے نام معنون کیا تھا۔

خط نمبر ۳۳۷

بنام برہان الدین   ۱۰ ہاشمی = ۱۱ اگست ۱۷۸۶ء

ہمارا خاص جلو "کرک ناتھ" پہنچ گیا ہے۔ اور اس وقت تنگ بھدرا پار کر رہا ہے تم چند آدمیوں کو دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے پر مامور کر دو۔ اور جو اطلاعات حاصل ہوں۔ ان سے ہمیں آگاہ کر دو۔

خط نمبر ۳۳۸

بنام شیخ عبداللہ صاحب۔ عالم علوم دین   ۱۰ ہاشمی = ۱۱ اگست ۱۷۸۶ء

ہمارا خاص جلو اس وقت مقام کرک ناتھ کے قریب ہے۔ اس لئے آپ کی ملاقات سے مشرف ہونے کے لئے، خدمت میں ایک پالکی بھیجی جاتی ہے امید ہے۔ کہ آپ تشریف لاکر باعث مسرت ہونگے۔

خط نمبر ۳۳۹

بنام احسان اللہ خاں   ۱۲ ہاشمی = ۱۳ اگست ۱۷۸۶ء

حکم دیا جاتا ہے۔ کہ شیخ علی کی تنخواہ کم کر دی جائے۔ اور سو روپے جو اس شخص کو سپاہی بھرتی کرنے کے لئے پیشگی دئیے گئے ہیں۔ واپس لے کر کسی دوسرے آدمی کو اس کام کے لئے دئیے جائیں۔

خط نمبر ۳۴۰

بنام بدرالزماں خان (۱۲ ہاشمی = ۱۳ اگست ۱۷۸۶ء)

آپ نے اطلاع دی ہے۔ کہ جیش کے رسالدار موسیٰ خان اور سوندہ کے قلعہ دار عبدالرحیم، جنہیں باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ باغیوں کے ایک مقام پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور باغی یہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔

دس سال ہوئے۔ کہ اس ضلع کے درختوں پر دس سے پندرہ ہزار آدمیوں کے سر لٹکائے گئے تھے۔ اس وقت سے لے کر اب تک، یہ درخت اور سر دوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس لئے آپ کو چاہئے۔ کہ باغیوں کے سرغنہ اگر گرفتار ہوں۔ تو انہیں ان درختوں پر سولی دی جائے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ:-

"سلطان نے اس خط میں دس سال پہلے کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ ۱۷۷۶ء کا واقعہ ہے۔ جبکہ نواب حیدر علی نے چند باغیوں کو اس جگہ پھانسی دی تھی۔ سلطان نے جو تعداد بتائی ہے وہ صرف دہشت بٹھانے کے لئے ہے۔ اور مبالغہ آمیز ہے۔"

خط نمبر ۳۴۱

بنام عبدالحکیم خاں۔ حاکم شاہنور (۱۴ ہاشمی = ۱۵ اگست ۱۷۸۶ء)

آپ کا نامۂ خیریت ملا۔ اور وہ دو کاغذات بھی جو ملفوف تھے۔

یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ لوازم دوستی کو بالائے طاق رکھ کر ہم آپ کے متعلق کوئی برا گمان کریں۔ اس لئے آں دوست کو چاہئے۔ کہ بالکل اطمینان رکھیں کہ ہمارے درمیان کوئی ایسی بات نہ ہوگی۔ جس سے ہماری دوستی پر کوئی برا اثر پڑ سکے۔

اگر خدا نے چاہا۔ تو ہم بہت جلد، دشمنوں کی سرزنش کے لئے، وہاں پہنچ جائیں گے۔

خط نمبر ۲۴۲

بنام بخشی احتشام۔ چیتل درگ (۱۲ / رہاشمی = ۱۴ / اگست ۱۷۸۶ء)

تم کو چاہئے۔ کہ ان عاملان سرکار کو جو پائین گھاٹ کے باشندے ہیں، حکم دو۔ کہ وہ اپنے اہل و عیال کو پائین گھاٹ سے ہماری سلطنت میں بلا لیں۔ ان لوگوں کے لئے چیتل درگ میں رہائش کا انتظام کیا جائے۔

تبصرہ

سلطنت خداداد کی آبادی بڑھانے کے لئے منجملہ دیگر انتظام کے یہ انتظام بھی کیا گیا تھا۔ خط سے صاف ظاہر ہے۔ کہ سلطان بلا تفریق مذہب و ملت آبادی بڑھانا چاہتا تھا۔

خط نمبر ۲۴۳

بنام میر فتح علی۔ تعلقدار چک بالاپور (۱۸ / رہاشمی = ۲۰ / اگست ۱۷۸۶ء)

. . . . ماتحت علاقہ سے لگان کی ایک بہت بڑی رقم وصول ہوئی

باقی ہے۔ اس رقم کو وصول کرکے "احمدیوں" کے لئے دوسرے علاقوں سے سامان رسد خرید کرکے فراہم کردو۔ اگر اس مقصد کے لئے رقم کافی اور جلد نہ مل سکے۔ تو راجہ رامچندر کو لکھا جائے۔ وہ تم کو مطلوبہ رقم بھیج دیں گے۔

تبصرہ

سلطان کو اس وقت اطلاع ملی تھی۔ کہ چک بالاپور کے علاقہ میں رسد کی قلت ہے۔ بقول کرک پیٹرک اس کو سب سے بڑھ کر (جیسا کہ اور خطوں سے معلوم ہوگا) ان نومسلموں کی فکر تھی جنہیں "احمدی" کہا جاتا تھا۔ اسی لئے اس نے میدان جنگ سے یہ حکم روانہ کیا تھا"

خط نمبر ۴۴

بنام میر جعفر، وغافانی (۱۴ ہاشمی = ۱۵ اگست ۱۷۸۶ء)

معلوم ہوا ہے۔ کہ باغی گنیش پھر داخل جہنم ہوا۔ اگر خدا کا فضل شامل حال رہا تو ہمارے دشمن اسی طرح تباہ ہوتے رہیں گے۔

خط نمبر ۴۵

بنام برہان الدین (۱۸ ہاشمی = ۱۹ اگست ۱۷۸۶ء)

تم کو جنگ شروع کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہئے۔ اگر دشمن تم پر حملہ آور ہو تو اس کی قرار واقعی سرزنش کرو۔ ہمارا خاص جلو عنقریب تنگ بھدرا پار کرکے تمہارے پاس پہنچ جائیگا عبدالصمد خاں (ابن عبدالحکیم خاں حاکم شاہنور) کو مع

اس کے اہل و عیال کے نظر بند کر کے، نگر بھیجدو۔"

خط نمبر ۳۴۶

بنام سید غفار سپہ دار (۱۸ ر ہاشمی ۱۹۰ ر اگست ۱۷۸۶ء)

تم نے دشمن کی سوار فوج کی جو سرزنش کی ہے۔ یہ ہماری خوشی کا موجب ہوئی ہم عنقریب دریائے تنگ بھدرا پار کر کے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس عرصہ میں تم دشمن کی تعداد کا صحیح پتہ لگاؤ۔ ہم نے چند دن پہلے جیش کے جوقسدار کو سزا دینے کے لئے برہان الدین کو لکھ دیا تھا۔

تبصرہ

کرک پیٹرک نے اس خط پر تبصرہ کیا ہے۔ کہ

سلطان نے دشمن کی صحیح تعداد کا پتہ لگانے کے لئے جو لکھا ہے۔

تو یہ بات کس طرح ممکن تھی؟"

اسی طرح کے لاطایل تبصرے اس نے بہت سے خطوں پر دئے ہیں۔ مذکورہ بالا خط دینے کے بعد اس نے لکھا ہے۔ کہ

"سلطان نے اسی تاریخ کو ایک اور خط داروغہ توشک خانہ کو لکھا تھا جس میں دانتوں کے لئے منجن کا نسخہ درج ہے لیکن انگریزی میں اشیاء کے نام معلوم نہ ہونے سے اس خط کی نقل نہیں دی گئی سلطان نے اس خط میں یہ بھی حکم دیا تھا۔ کہ منجن تیار کر کے شاہی حرم سرا میں دینے کے علاوہ اُس کو بھی تھوڑا سا روانہ کیا جائے۔"

136101

خط نمبر ۳۴

بنام برہان الدین (۲۳ ہاشمی ۔ ۲۴ اگست ۱۷۸۶ء)

خدا کے فضل سے ہم نے دریائے تنگ بھدرا پار کر لیا ہے ۔ اور دو تین دن میں نوشاپور (Nowshapoor) کے راستہ سے ہوتے ہوئے ہم تمہارے قریب پہنچیں گے ۔ اور تم کو شرف باریابی عطا فرمائیں گے ۔ اگر اس دوران میں ہلکر (Holkar) کی فوج کیساتھ اور زیادہ مرہٹہ فوج آپ پر حملہ کرنے کیلئے آجائے تو تم تین یا چار کوس جنگلوں کے اندرون میں پیچھے ہٹ جاؤ ۔ اگر زیادہ فوج نہ آئے اور صرف ہلکر کی فوج ہی ہو ۔ تو تم جس جگہ ہو ۔ وہیں ٹھہر کر دشمن کی نقل و حرکت کی اطلاعات حاصل کرتے رہو ۔

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے :۔

سلطان ادھونی چھوڑ کر، دھاڑ واڑ کے راستہ پر، برہان الدین سے ملنے کے لئے کوچ کر رہا تھا ۔ راستہ میں مرہٹہ فوجوں سے برابر جھڑپیں ہوتی رہیں ۔ کیونکہ مرہٹوں کا ارادہ تھا ۔ کہ سلطان کو برہان الدین سے نہ ملنے دیا جائے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ سلطانی فوج دریا کے کنارے کنارے سفر کر رہی تھی ۔ اور اسے عبور کرنے کے لئے کسی مناسب مقام کی تلاش میں تھی ۔ آخر جب وہ مقام ملا ۔ تو معلوم ہوا ۔ کہ اس کے مقابل دوسرے کنارے پر مرہٹوں کی فوج ایک بڑی تعداد میں موجود ہے ۔ خود سلطان نے ان حالات کو اپنی یادداشتوں میں اس طرح لکھا ہے :۔

ادھونی سے نکل کر میں دریائے تنگ بھدرا کے کنارے پہنچا ۔

بارش کا موسم تھا۔ اور دریا طغیانی پر تھا میں نے نگر سے کشتیاں پہلے ہی منگوالی تھیں۔ اور اب اپنے سپہ داروں سے دریا عبور کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ "دریا کو اس طرح اور اس جگہ عبور کرنا مناسب نہیں، کیونکہ مقابل میں ہری پنڈت پھڑکیہ اور نظام کی متحدہ فوجیں جو تعداد میں ایک لاکھ سوار اور بے شمار پیادوں پر مشتمل ہیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور وہ رکاوٹ ڈالنے پر آمادہ ہیں" اور یہ بھی کہا کہ "بارش زور سے ہو رہی ہے۔ دریا اپنے پورے جوش پر ہے۔ اور اس وقت ہم اگر کشتیوں میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اتریں گے۔ تو دشمن کی فوج ان ٹکڑیوں کو آسانی سے ختم کر کے رکھ دے گی" مجھے ان کی یہ رائے پسند نہ آئی۔ اس لئے میں نے ان کے مشورہ پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ یہاں پہنچنے کے دوسرے دن، تمام کشتیوں کو جمع کر کے، صبح ہی صبح دو پیادہ قشونوں کے ساتھ دریا کو عبور کر کے مقابل کے کنارے پر اپنا علم بلند کیا۔ شام تک میری باقی فوج۔ توپیں اور سامان رسد بھی آگیا۔ دوسرے دن کشتیاں سوار فوج کو دے دی گئیں۔ اس طرح چار دن کے اندر اندر ہم سب دریا پار ہو گئے۔ آیندہ جو لوگ بھی دریا عبور کرنا چاہیں۔ تو انہیں سب سے پہلے پیادہ فوج کو اتارنا چاہئے۔ اور اس کے بعد سوار فوج کو اور پھر دوسرے لوگوں کو۔

یہ دیکھ کر ہری پنڈت پھڑکیہ۔ اور دشمن کے دوسرے سپہ سالار ساحل سے چار کوس پیچھے ہٹ گئے۔ اور انہوں نے نزدیک کے

جنگل اور پہاڑیوں میں اپنا کیمپ ڈالا۔ اور تین چار دن کی تیاری کے بعد میرے مقابلہ پر آئے۔ اس وقت میں نے اپنے آٹھ قشونوں کو تیاری کا حکم دیا۔ اور بذاتِ خود ایک قشون اسدِ الٰہی اور ایک جیش کے ساتھ، ان کے مقابلہ میں بڑھا۔ اس وقت دشمن ہمارے ایک دستہ کو جو بالکل روبرو تھا، پیچھے دھکیل رہا تھا۔ میں عین اسی موقع پر وہاں پہنچا۔ اور دشمن پر بانون اور توپوں سے حملہ شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے وہ تتر بتر ہو گیا (رو بفرار مثل بنت النعش منو دند)"

ایک دن کا وقفہ دے کر، دوسرے دن دشمن پھر حملہ کے لئے آگے بڑھا۔ اور پھر اسدِ الٰہی فوج نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور دشمن بدستور فرار ہو گیا۔

اس کی دوسری رات کو میں نے تین قشون مہا مرزا خاں کے ماتحت دے کر شب خون مارنے کا حکم دیا۔ اور اس فوج کے ساتھ میں بھی گیا۔ آدھا راستہ طے کر کے میں صرف ایک توپ اور چند آدمیوں کو لے کر ٹھہر گیا۔ کہ سگنل (اشارہ دینے) کا کام انجام دوں۔ باقی فوج مہا مرزا خاں کے ماتحت آگے بڑھ گئی۔ دشمن کو اس کی خبر مل گئی تھی اس نے گولہ باری شروع کر دی۔ اور ادھر سے ہمارا توپ خانہ بھی جواب دے رہا تھا۔ میں سمجھ گیا۔ کہ اب ہمارا آگے بڑھنا اچھا نہیں اس لئے سگنل دے کر مہا مرزا خاں کی فوج کو واپس بلا لیا۔ اور صبح کو میں اپنے کیمپ میں واپس پہنچا"

اُس دن میں نے اپنی فوج کی ہمّت افزائی کے لئے ان تین قشونوں کے سپاہیوں کو (جو مہا مرزا خاں کے ماتحت تھے) نقد رقم اور سونے چاندی کے کڑے اور گھوڑے بطور انعام تقسیم کئے۔

اس کے دوسرے دن مرہٹے اپنا توپ خانہ لے کر فوج اسد الٰہی کے مقابلہ پر آئے۔ اور دو یا تین توپوں سے گولہ باری شروع کر دی۔ میری فوج کے سپاہیوں نے بھی تیار ہو کر آویزش شروع کر دی۔ اور اس موقع پر ایسی آوازیں بلند کیں۔ جیسے سوروں کو بھگانے کے لئے بلند کی جاتی ہیں۔ ان آوازوں کو سن کر، دشمن جس راستے سے آیا تھا۔ اسی راستے سے فرار ہو گیا اور اپنے کیمپ میں گھس گیا۔ ایک دن وہاں اور ٹھہرنے کے بعد، دوسرے دن صبح ہی صبح الوؤں کی طرح بھاگ کر وہ آٹھ یا دس کوس کے فاصلہ پر خیمہ انداز ہوا۔"

خط نمبر ۳۵

بنام بدر الزماں خاں (۲۹ رہاشمی = ۳۰ راگست ۱۷۸۶ء)

اُن باغیوں کے ناموں کی فہرست جو سوندہ اور دوسرے مقاموں پر قید ہوئے ہیں۔ ان قیدیوں کو نگر بھیجکر انہیں فوج اسد الٰہی میں داخل کیا جائے۔ اور ان لوگوں کو جن کی عورتیں نہیں ہیں، ان کی شادی اُن عورتوں سے کی جائے جو اس مہم میں گرفتار ہوئی ہیں۔ اور بغیر شوہر کے ہیں۔ یا نا کتخدا ہیں۔

آپ برہان الدین کے ساتھ مل کر مورچوں کو مستحکم کریں۔ اور پھر دشمن کی

سرزنش کے لئے مستعد ہو جائیں

نوٹ :- اس سلسلہ میں خط نمبر ۳۴۷ دیکھا جائے۔

خط نمبر ۳۴۹

بنام قلعہ دار پٹن (سرنگاپٹم) (۲۹ ہاشمی ۱۲۰۰ = ۲۴ اگست ۱۷۸۶ء)

کرک پیٹرک نے اس خط کی نقل بجنسہٖ نہیں دی ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ "اس خط میں سلطان نے پٹن کے قلعہ دار کو حکم دیا تھا کہ فوج اسد الہی کے "بینڈ" سے چار لڑکوں کا انتخاب کر کے، انہیں طفوننہ ترقی بخیتہ (قصیدہ) جس کا عنوان بھی کہتے ہیں سکھایا جائے۔ اور اس نظم کی نقلیں انہیں دی جائیں۔ اور رقاصاؤں کے تعلقدار (ناظم) عظیم الدین کو بھی ایک نقل دی جائے، تاکہ وہ رقاصاؤں کو سکھائے"۔

تبصرہ

یہ عجیب امر ہے۔ کہ کرک پیٹرک نے اس خط کی پوری نقل نہیں دی۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اقتباس بھی توڑ مروڑ کر اس طرح دیا ہے۔ کہ اپنے مفید مطلب ہو جائے۔ بہر طور جس نظم کا اس نے خط میں ذکر کیا ہے، اس کے چند ابیات اپنے تبصرے میں دیتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

نظم

(۱) جب بادشاہ رستمِ دل نے اپنے سمندِ غیظ کو گرم کیا۔ تو انگریزی شیروں[1] کے دل

---

[1] انگریزی علم پر چونکہ شیرِ ببر کا نشان ہے۔ شاید اسی لئے اس شعر میں انگریزوں کو انگریزی شیر کہا گیا ہے۔

خوف سے لرزنے لگے۔

(۲) اُس کی تلوار کی جھلک نے بیلی[1] کی فوج پر برق خاطف کا کام اور منرو[2] کی آنکھوں سے مثل ابرِ نو بہار کے تار اشک بندھ گیا۔

(۳) لیانگ[3] کا دل، لالہ کی طرح داغدار ہوگیا۔ اور اس مصیبت

---

[1] بیلی:- کرنل بیلی، مشہور انگریزی جرنل، جس نے میسور کی دوسری جنگ میں ۱۷۸۰ء میں میدان پالی لور میں سلطان کے ہاتھوں سخت شکست اٹھائی۔ اور مع فوج کے اسیر ہوگیا۔ پالی لور کی اس لڑائی کے متعلق انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ "ہندستان میں اس سے بڑھ کر مصیبت انہیں کبھی پیش نہ آئی" (کتاب حیدر علی ٹیپو سلطان از بورنگ صفحہ ۹۱)

[2] منرو:- سرہکٹر منرو۔ انگریزی جرنل جو میسور کی دوسری جنگ میں سپہ سالار اعلیٰ تھا۔ وہ فوج لے کر مدراس سے کنجی ورم آیا۔ یہاں جب بیلی کی شکست کی خبر ملی۔ تو مدراس فرار ہوگیا۔ (بورنگ صفحہ ۹۳)

[3] لیانگ - کرنل لیانگ:- انگریزوں نے سلطنت خداداد کے جنوبی علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے کرنل بریتھ ویٹ کو روانہ کیا تھا۔ یہ ابھی تنجاور تک ہی پہنچا تھا۔ کہ فروری ۱۷۸۲ء میں سلطان نے تین دن کی جنگ کے بعد اس کو شکست دے کر مع فوج کے گرفتار کرلیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے کرنل لیانگ کو روانہ کیا۔ جو کوئمبتور میں شکست کھا کر ترچناپلی کو فرار ہوگیا۔ (بورنگ صفحہ ۱۰۰)

پر کوٹ[1] اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا، جس طرح سنبل روتی ہے

(ان مذکورہ بالا تین ابیات دینے کے بعد کرک پیٹرک لکھتا ہے۔

کہ ان کے بعد کے ابیات میں جنرل میتھیوز[2] (Mathews) بسی[3]

اور للی[4] کا ذکر آیا ہے۔ مگر ان ابیات کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ اس

لئے ترک کر دئے گئے"

---

[1] کوٹ۔ سر ائر کوٹ۔ جب گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (Warren Haetings) کو معلوم ہوا کہ انگریز اس جنگ (میسور کی دوسری جنگ) میں متواتر شکستیں اٹھا کر مدراس میں پا بہ رکاب ہیں تو اس نے بنگالہ سے سر ائر کوٹ کو سپہ سالار اعلیٰ بنا کر بھیجا۔ اس کے متعلق بورنگ اپنی تاریخ کے صفحہ ۹۱ پر لکھتا ہے۔ کہ ویلور میں سخت شکست کھا کر مدراس واپس ہو گیا۔

[2] میتھیوز (Mathews) جنرل۔ مدراس کے علاقہ میں جب انگریزوں کو سخت ہزیمتیں اٹھانی پڑیں اور منرو اور کوٹ کی فراری کی خبریں بمبئی پہنچیں۔ تو سلطان کی توجہ بٹانے کے لئے جنرل میتھیوز کی ماتحت ایک فوج ساحل کنارا و ملیبار میں بمبئی کی انگریزی حکومت نے اتاری اور یہ فوج حیدر نگر پر شیخ ایاز کی غداری سے قابض ہو گئی۔ اس خبر کے ملنے پر سلطان خود حیدر نگر پر بڑھا۔ اور اس کو شکست دے کر جنرل میتھیوز اور اس کی فوج کو گرفتار کر لیا۔ اس جنگ کا مفصل حال سلطان نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے جو اسی کتاب میں کسی اور جگہ دیا گیا ہے۔ کرک پیٹرک نے صرف تین ہی نام دیئے ہیں ممکن ہے کہ ان ابیات میں جو کرک پیٹرک نے چھوڑ دیئے ہیں اور نام بھی ہوں مثلاً کرنل ہمبرٹن (Humberton) جس نے کنانور میں شکست پائی۔ کرنل ہارپر، بیلی، گوڈارڈ، فلرٹن، فلچر۔ انہوں نے کرناٹک میں شکستیں پائی تھیں کرنل کیمبل اور جنرل میکلیوڈ، ڈنگلو میں۔ یہ تمام نام ولکس کی تاریخ کے علاوہ بورنگ کی تاریخ کے صفحہ ۷۰ سے ۱۳۳ تک ملتے ہیں۔

[3] بسی۔ فرانسیسی جنرل جو پانڈیچری میں گورنر تھا۔ اس کے متعلق مورخین کو اتفاق ہے کہ نہایت بزدل تھا۔ اور اسی وجہ سے ہندوستان میں فرانسیسی اقتدار ختم ہو گیا۔

[4] لالی۔ کونٹ للی مشہور فرانسیسی سپہ سالار جس نے انگریزوں کو کئی شکستیں دیں۔ اس نے مدراس پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ دربار فرانس میں انگریزی سازشوں کی وجہ سے اس کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد حیدر علی کی ملازمت میں داخل ہوا۔ اور سلطان کی ملازمت میں بھی تھا۔

(۴) جب مرہٹے ہمارے بادشاہ کی فوجوں کو دیکھتے ہیں تو غزالانِ دشت کی مانند راہِ فرار لیتے ہیں۔

(۵) فرنگی اور نظام ہمارے بادشاہ کے خوف سے کانپتے ہیں۔ اور شب و روز یکجا بسر کرتے ہیں۔

(۶) بادشاہ کی سخاوت اور انصاف کی بدولت ملک خوشحال ہے۔ اور فوج میں ترقی ہو رہی ہے۔

(۷) حجّام[1] کی فوج تیرے خوف سے اس طرح فرار ہوتی ہے۔ کہ جس طرح شیرِ نیستاں کو دیکھ کر شکاری بھاگتا ہے۔

(۸) ہمارے بادشاہ کی ذکاوت کا خیال آتے ہی، نصرانی[2] ساحلِ سمندر پر اپنی تجاویز اور مشوروں کو بھول جاتے ہیں۔ اور کامیابی سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

(۹) جب مخلوقِ خدا ہمارے بادشاہ کی سخاوت و فیاضی کو دیکھتی ہے۔ تو یک زبان ہو کر پکار اٹھتی ہے۔ کہ حاتم[3] اس کے مقابلہ میں بالکل لئیم تھا۔

---

[1] حجام سے مراد نظام یعنی نظام علی خاں لی گئی ہے۔ اس زمانہ کی اکثر و بیشتر تحریروں میں اور نظموں میں شاعروں نے نظام علی خاں کو حجام علی خاں لکھا ہے۔

[2] نصرانی یعنی عیسائی مراد انگریز۔ اس لفظ کے علاوہ فرنگی کا لفظ بھی یورپین اقوام اور خصوصاً انگریزوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اور اب بھی رائج ہے۔

[3] حاتم۔ یمن کے قبیلۂ طے کا سردار جس کی سخاوت کی داستانیں مشہور اور زبان زدِ عوام ہیں۔

(۱۰) سقراط[1] و افلاطون[2] اور دنیا کے تمام حکماء اس کے آگے طفلِ مکتب ہیں۔

(۱۱) ہمارے بادشاہ کی شجاعت کے آگے مریخ ماند ہے۔ اور سام[3] نریمان اور رستم تو کسی حساب ہی میں نہیں۔

(۱۲) اس سلطان کے انصاف کی بدولت غزالانِ دشت، شیر اور تیندوے کے پہلو کو اپنا تکیہ اور چیتے اور شیر ببر کو اپنا بچھونا بناتے ہیں۔

تبصرہ

کرک پیٹرک نے تو خیر ایک خط کے سلسلے میں اس نظم کو لکھا ہے لیکن بورنگ اور ولکس بھی اپنی تاریخوں میں اس نظم کو درج کرتے ہیں[4]۔ یہ مغربی مصنفین و مورخین لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"سلطان کا غرور اس درجہ بڑھ گیا تھا۔ کہ اس نے نظام کو جو نظم لکھا ہے۔ اور اپنے آپ کو عقل میں سقراط و افلاطون سے سخاوت میں حاتم سے اور شجاعت میں رستم سے بڑھا دیا ہے۔ اور اپنے عدل و انصاف کے متعلق کہتا ہے۔ کہ ہرن بھی شیر اور چیتے کو اپنا تکیہ اور بستر بناتے ہیں۔ بھلا ایسا کہیں ہو سکتا ہے؟" (کرک پیٹرک)

---

[1] و [2] = حکمائے یونان جو عقل، علم و حکمت کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔

[3] ۔ سام، نریمان اور رستم۔ ایران کے پہلوانوں کے نام ہیں۔ جن کا ذکرہ فردوسی کے شاہنامہ میں آیا ہے۔

[4] بورنگ اور ولکس نے کرک پیٹرک کی کتاب ہی سے یہ نظم لی ہے۔

(۱) ان مغربیوں کی اس تنقید سے معلوم ہوتا ہے، کہ انہیں اس کا رنج نہیں ہے۔ کہ "انگریزدں کو کیا کہا گیا؟" لیکن رنج ہے۔ تو اس بات کا۔ کہ نظام کو حجام کیوں کہا گیا۔ اگر نظام کا لحاظ ان کی نظروں میں اس قدر تھا، جتنا وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ تو تعجب ہے۔ کہ انہوں نے اس نظم کو شہرت ہی کیوں دی؟

(۲) نظم میں جو اندازِ تخاطب ہے وہ صاف بتا رہا ہے۔ کہ نظم کسی شاعر کی فکرِ رسا کا نتیجہ ہے لیکن ان مغربی مورخوں نے اپنے اندھا دھند تعصب میں اس کو سلطان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

(۳) اب رہے وہ تعریفی الفاظ جو شاعر نے اپنے ممدوح کے لئے استعمال کئے ہیں۔ تو وہ صرف استعارے اور تشبیہیں ہیں اور مشرقی شاعری کا طرۂ امتیاز ہیں۔ یہ مغربی مورخین و مصنفین بھی جانتے ہیں لیکن صرف سلطان دشمن نے انہیں اندھا بنا دیا ہے۔

(۴) اس مذکورۂ بالا خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک نے سلطان کی جانب سے، یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اس نے حکم دیا تھا۔ کہ اس نظم کو بینڈ میں اوقاتِ مقررہ پر بجایا جائے۔ اور رقاصاؤں کو سکھائی جائے اول الذکر یعنی بینڈ کے لئے کتاب فتح المجاہدین میں سلطان نے اردو و فارسی ترانے دئے ہیں، جنہیں اوقاتِ مقررہ پر بجانے کا حکم تھا (یہ ترانے تاریخ سلطنت خدا داد میں دئے گئے ہیں) اور یہ تو سلطان پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ کہ اس نے رقاصاؤں کو اپنے دربار میں رکھا تھا۔

سلطان کے عادات و اطوار۔ اس کا مذہبی شغف اور اسلام کی
شریعت پناہی کی تعریف جب خود ان ہی مورخوں نے اپنی کتابوں میں
کی ہے۔ تو پھر یہ لکھنا کہ اس کے دربار میں رقاصائیں بھی تھیں کہاں
تک صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟۔

میرا اپنا تو یہ خیال ہے۔ کہ سلطان نے بینڈ کے لئے کوئی ترانہ [illegible]
ہوگا۔ اس کا ثبوت نظم کے عنوان سے ہی ملتا ہے۔ جو "ثنائے شہنشاہ" [illegible]
ہے۔ اور دوسرا ثبوت یہ ہے۔ کہ خط نمبر ۳۵۴ میں جو اس خط کے [illegible]
بعد لکھا جاتا ہے۔ اس میں ایک اور نظم کا ذکر ہے جس کا عنوان [illegible]
ہے۔ اور اس متعصب مورخ نے اس کو درج نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس [illegible]
کے تحت میں لکھتا ہے کہ "شاید یہ وہی نظم ہے جو خط نمبر ۴۹ میں [illegible]
لکھی گئی ہے" یہاں یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ جب سلطان کو نظم کے گانے
جانے کی اطلاع مل چکی تھی۔ تو پھر اس کو وہی نظم بھیجنے کی ضرورت کیا
تھی؟۔

(۵) "خط میں کرک پیٹرک نے یہ لکھ کر کہ "یہ نظم بھاٹ گاتے پھرتے تھے"
خود ہی اپنا پردہ فاش کر دیا ہے۔ اس سے بآسانی نتیجہ نکالا جا سکتا
ہے۔ کہ کرک پیٹرک نے بھاٹوں کی زبانی اس نظم کو سن کر اس کو
زبردستی سلطان کے نام چسپاں کر دیا ہے۔ مجھے نظم کے وجود سے
انکار نہیں۔ سرنگاپٹم کے عرسوں میں جانے والے اس سے واقف ہیں
کہ بھاٹ آجکل بھی ایسی بہت سی نظمیں سناتے ہیں۔ ان میں ایک نظم ایسی

ہے۔ جس میں پورنیا کی بیٹی اور ایک سپاہی کے عشق و محبت کی داستان ہے۔ اور ایک نظم میں میر صادق و پورنیا کی غداری بتائی گئی ہے۔

بہرکیف اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُس زمانہ میں سرنگاپٹم اور حیدرآباد میں ایسے شاعروں کی کمی نہیں تھی۔ جو اپنے اپنے ممدوحین کو بڑھاتے اور دشمنوں کے خلاف نظمیں لکھا کرتے تھے۔ اور شہرت کے لئے انہیں بھاٹوں کو دیا جاتا تھا۔

خط نمبر ۳۵۰

بنام برہان الدین (۲۴ رواسعی = ۲۲ ستمبر ۱۷۸۶ء)

تمہارا خط ملا۔ معلوم ہوا۔ کہ "نرگند کی مقیم جیش (فوج) کو دو ماہ کی تنخواہ بطور اڈوانس دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تم نے قلعہ دار کو حکم دیا ہے۔ کہ ایک اور مہینہ کی تنخواہ بھی دے دی جائے"۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ "احشام کے سپاہی بھی کچھ اڈوانس طلب کرتے ہیں"۔ "تم چاہتے ہو کہ" ہم بدرالزماں خاں کو اس کے متعلق حکم دیں۔ کیونکہ احشام کے یہ سپاہی نگر کے علاقہ کے ہیں"۔

اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ نرگند بھی نگر کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔ اس لئے احشام کے سپاہیوں کو بھی اسی طرح اڈوانس دیا جائے، جس طرح جیش والوں کو دیا گیا ہے۔

ہمارا خاص جلو دریائے تنگ بھدرا پار کر چکا ہے۔ اور بہت جلد تمہارے قریب پہنچ جائیگا"۔

خط نمبر ۳۵۱

بنام برہان الدین (۷، واسطی = ۶، ستمبر ۱۷۸۶ء)

آں نورِ چشم کے لئے ببری کپڑے کا ایک ٹکڑا ارسال ہے۔ تم اس سے ایک صدری بنالو۔

(اسی تاریخ کو میر معین الدین کو بھی ایک خط اور ببری کپڑا بھیجا گیا)

تبصرہ

ببری کپڑا سلطان کی خاص ایجاد ہے۔ کرک پیٹرک لکھتا ہے:۔

سلطان کو شیر سے خاص اُلفت تھی۔ اسی لئے اس نے اپنے لئے شیر کا رنگ پسند کیا تھا۔ ببری کپڑا شیر کے رنگ پر ہوتا تھا۔ اور اس پر ویسی ہی دھاریاں ہوتی تھیں، جیسی شیر کے چمڑے پر ہوتی ہیں سلطان کی اکثر و بیشتر چیزوں بلکہ کتابوں کی جلد پر بھی یہی نقش ہوتا تھا۔ چونکہ ان خطوط کے مجموعہ میں بیشمار خطوط، ببری کپڑے کی تقسیم کے لئے موجود ہیں، اس لئے یہ یقینی ہے۔ کہ سلطان کی باقاعدہ فوج کا لباس بھی اسی کپڑے سے بنایا جاتا تھا۔"

آج بھی یہ رنگ اور نقش و نگار (دھاریاں) گنبد اعلیٰ کی اندرونی دیوار پر بعینہٖ موجود ہیں۔ بکانن نے لکھا ہے۔ کہ سلطانی محل کے خاص کمروں اور دیوانِ عام و خاص کی دیواروں پر بھی یہی رنگ تھا۔ مسجدِ اعلیٰ کی اندرونی دیواروں پر بھی یہی رنگ ہے لیکن افسوس ہے۔ کہ چند

روپیوں کی بچت کے خیال سے اُن دیواروں پر چونا چڑھا دیا گیا ہے اور ہر سال چڑھایا جا رہا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف رنگ ہی چھپ گیا ہے۔ بلکہ گچ کاری سے بنے ہوئے نازک بیل بوٹے بھی جو چھت کی اندرونی جانب اور محرابوں پر ہیں، چونہ سے اٹ کر مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ مسجد اعلیٰ کا شمالی مینار بھی عرصہ سے شکستہ حالت میں کھڑا ہے۔ خوف ہے کہ مسجد ہی ضائع نہ ہو جائے۔

کیا اس تاریخی یادگار کو اپنی اصلی حالت میں لانے کی کوشش کی جائیگی۔

خط نمبر ۳۵۲

بنام غوث محمد خاں و محمد آقا۔ داروغۂ توشک خانہ (۷ رواسعی = ۸ ستمبر ۱۷۸۶ء)

حضوری میں اطلاع ملی ہے۔ کہ سدانند اور جواہر خانہ کے دوسرے متصدی اور دار وغہ اپنے کام پر باقاعدہ نہیں آ رہے ہیں۔ اور اس لئے ایک دن کا کام دس دن میں ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کو سخت تاکید کی جائے۔ کہ وہ کام پر روزانہ باقاعدہ حاضر ہوں۔ اور جن زیورات کے بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ جلد از جلد تیار ہو جائیں۔"

خط نمبر ۳۵۳

بنام موسیو کاسگنی۔ گورنر پانڈیچری (۸ رواسعی = ۹ ستمبر ۱۷۸۶ء)

اطلاع ملی ہے۔ کہ کچھ عرصہ سے مرہٹوں کا ایک وکیل، پانڈیچری میں مقیم ہے

چونکہ سرکار خداداد اور سرکار فرانس میں باہمی دوستی ہے۔ اس لئے آپ کو چاہیئے کہ اس وکیل کو وہاں سے رخصت کریں اور اس کو وہاں مزید قیام کی اجازت نہ دی جائے۔

خط نمبر ۳۵۴

بنام ملائم جنگ (۱۲ ر واسعی = ۱۱ ستمبر ۱۷۸۶ء)

تم نے لکھا ہے۔ کہ فوج اسد الٰہی کے پانچ لڑکوں کو نظم "ثنائے شہنشاہی" سکھلا دی گئی ہے۔ اب ایک اور ہدیہ نظم ارسال ہے۔ یہ بھی ان لڑکوں کو سکھا دی جائے

تبصرہ

اس خط کے نیچے دیئے ہوئے نوٹ میں کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ "یہ وہی نظم ہے جس کا ذکر خط نمبر ۳۴۹ میں کیا گیا ہے"

نظم کے متعلق میں خط نمبر ۳۴۹ کے نیچے تشریح کر چکا ہوں۔

نام ملائم جنگ کے متعلق کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ "سلطان نے کسی کو کوئی خطاب نہیں دیا۔ مگر اس خطاب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص کسی دوسری جگہ سے یہاں آیا ہوا تھا۔ اور یہ خطاب اس کو پہلے سے حاصل تھا۔

خط نمبر ۳۵۵

بنام برہان الدین (۱۱ ر واسعی = ۱۰ ستمبر ۱۷۸۶ء)

تم نے ارادہ ظاہر کیا ہے۔ کہ سپہ دار سید حمید اور سید غفار کے ماتحت

سپاہیوں میں جو مار پیٹ ہوئی تھی، اس کی سزا میں ان سپاہیوں کی ایک ماہ کی تنخواہ بطور جرمانہ ضبط کر لی جائے" تم نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ "جو جوقدار اس جھگڑے کا باعث ہوا تھا۔ اور جس کو تم نے پہرے میں رکھا تھا۔ وہ پہرہ والوں سے سازش کر کے اور ان کو ساتھ لے کر فرار ہو گیا ہے۔"

ان مفرورین کے اہل و عیال کا پتہ لگایا جائے۔ اور اس امر کی ہمیں اطلاع دو۔

فوج کا ایک مسٹر رول (فرد حسابات) جس میں بندوقیں۔ کارتوسوں، کارتوس بکسوں اور دوسرے سامان کا حساب ہو، جلد تیار کر کے بھیجو، اس کے متعلق چند دن پہلے بھی تم کو لکھا گیا تھا۔

خط نمبر ۳۵۶

بنام بدرالزماں خاں (۱۱ر واسعی ۱۰ ستمبر ۱۷۸۶ء)

آپ کا خط ملا۔ اس میں آپ نے عسکر کے سپاہیوں کے لئے چند بندوقیں طلب کی ہیں۔ برہان الدین کو ان کی ماتحت فوج کا مسٹر رول (فرد حسابات) تیار کر کے بھیجنے کے لئے لکھا جا چکا ہے۔ اس کے آنے کے بعد آپ کی درخواست منظور کی جائے گی۔ کیونکہ اس وقت جلو میں جو فوج ہے۔ اس کے پاس فاضل بندوقیں نہیں ہیں۔ اس عرصہ میں آپ کو نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے رہنا چاہئے

خط نمبر ۳۵۷

بنام راجہ رامچندر۔ دیوان بنگلور (۱۱ر واسطی ۱۰ ستمبر ۱۷۸۶ء)

تمہارے دونوں خطوط ملے۔ تم نے لکھا ہے۔ کہ چھوٹا بالاپور ہسکوٹہ Haskota

اور خان خان ہلی (Khan Khan Halli) کے احدیوں کو تم نے سامان رسد اور تنخواہ، بہ حساب فی ماہ تیس ھن ادا کر دی ہے۔ تم نے یہ بھی دریافت کیا ہے۔ کہ یوسف آباد کے عامل کو چونکہ نئے احکام ملے ہیں۔ آئندہ ان احکام پر عمل کیا جائے یا قدیم احکام پر؟"

تم کو اس کی ضرورت نہیں۔ کہ دوسرے علاقہ کے احکام پر عمل کرو۔ تم کو مختص طور پر جو احکام دیئے گئے ہیں۔ تم کو صرف انہیں پر عمل کرنا چاہیئے"

خط نمبر ۳۵۸

بنام محمد ابراہیم۔ عامل ناگ منگل
(۱۲ر واسعی ۰ ۱۱ر ستمبر ۱۷۸۶ء)

تم نے اطلاع دی ہے۔ کہ اس جگہ کا سررشتہ دار نمک حرام ہو گیا ہے۔ اور اس کی بدعنوانیوں کا یہی حال رہا۔ تو رعیت علاقہ چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔ تم کو چاہیئے۔ کہ اس کے متعلق مفصل حالات دیوانِ حضوری، پٹن کو لکھو۔ تاکہ تحقیقات کی جائے۔"

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے۔

"سلطان کا مقصد کسی قسم کا صریحی حکم دینے سے پیشتر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسے بعد تحقیقات مکمل رپورٹ مل جائے۔"

خط نمبر ۳۵۹

بنام برہان الدین (۱۲؍ واسعی = ۱۱؍ ستمبر ۱۷۸۶ء)

تمہارے خط سے خوشخبری ملی۔ کہ ہماری فوج کو فتح حاصل ہوئی۔ اور دشمن شکست کھاکر ایک فرسنگ (تین کوس) کے فاصلہ پر ہٹ گیا ہے۔ تم کو دشمن کی سرزنش اسی طرح کرتے رہنا چاہئیے۔ خدا کا فضل شامل حال ہو۔ تو باقی فوج بھی جو اب ہمارے مدِ مقابل ہے۔ اپنی بدکرداری کی یہی سزا پائے گی۔

خط نمبر ۳۶۰

بنام بدر الزمان خاں (۱۳؍ واسعی = ۱۲؍ ستمبر ۱۷۸۶ء)

آپ کے تینوں خطوط جن کے ساتھ علی راجہ بی بی اور قاضی نگر کے خطوط ملفوف ہیں ملے۔ آپ نے بلیال رائے درگ (Balyal Rayadrug) کا حساب آمد و خرچ بھی بھیجا ہے۔ آپ نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ کہ یہاں کا قلعہ دار دغاباز اور رعایا کو ستانے والا ہے۔ اگر ہمارا حکم ہو۔ تو اس کو معزول کر کے اس کی جگہ پر کریم خاں کو جو سدا شیو گڑھ میں قلعہ دار رہے ہیں بھیج دیا جائے گا۔

حکم دیا جاتا ہے۔ کہ کریم خاں کو بلیال رائے درگ کے قلعہ پر مامور کر دیں"

۱۳؍ کی شب کو ہم نے دو قشونوں کے ساتھ دشمن پر شبخون مارا۔ اور ایسی گولہ باری کی۔ کہ وہ تاب نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ خبر صرف آپ کی اطلاع کے لئے ہے۔

خط نمبر ۱۶۳

بنام قاضی بنگلور۔

آپ کے پاس جو حکمنامہ "متعلق فرائض قاضی" ہے۔ اس کی ایک خوشخط نقل روانہ کریں۔ تاکہ وہ ادھونی کے قاضی کو دی جائے۔ اس نقل میں کچہری اور قاضی کے نام کی جگہ خالی رکھیں۔ اور اس نقل کو جلد بندی کرا کے بھیجیں

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے:۔

سلطان نے ادھونی پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی جانب سے یہاں قاضی مقرر کیا تھا۔ اور حکم نامہ کی نقل اسی قاضی کو دینے کے لئے طلب کی تھی"۔ اور پھر یہ بے معنی ریمارک کرتا ہے۔ کہ سلطان کی تنظیمی قابلیت کو دیکھتے ہوئے جبکہ وہ ہر خط۔ ہر فرمان اور ہر تحریر کی باقاعدہ نقل اور رجسٹر رکھتا تھا۔ تو تعجب ہے۔ کہ فرائض قاضی کے متعلق حکم نامہ بنگلور کے قاضی سے طلب کرے" لیکن پھر نیچے لکھتا ہے۔ کہ "سلطان اس وقت میدان جنگ میں ادھونی کے پاس تھا۔ اور چونکہ رجسٹر وغیرہ پائے تخت میں تھے، شاید اسی لئے بنگلور کے قاضی سے حکم نامہ طلب کیا تھا۔ اس لئے کہ بنگلور بہ نسبت سرنگا پٹم کے نزدیک تھا۔

اس خط پر اس بے معنی تبصرے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن سلطان پر کچھ نہ کچھ اعتراض ضروری تھا۔ اپنی اس فطرت سے مجبور

ہو کرکرک پیٹرک نے تبصرہ کیا ہے۔ بجائے اس کے اگر وہ حکم نامہ کی نقل دے کر کچھ لکھتا تو اور بات تھی۔ یہ حکم نامہ ایک ضروری چیز تھی۔ اُس نے اسی کو چھوڑ دیا ہے۔ ایک ضروری اور تاریخی چیز ہونے کی وجہ سے میں نے اس حکم نامہ کی نقل اسی کتاب میں کسی اور جگہ دی ہے۔ وہاں دیکھا جائے۔

قضا کے لحاظ سے سلطان نے اپنی پوری سلطنت کو چار حصوں میں تقسیم کرکے چار سر قاضی سرنگاپٹم۔ بنگلور۔ نگر اور چیتل درگ میں مقرر کئے تھے۔ باقی شہروں اور گاؤں وغیرہ میں جو قاضی وغیرہ مقرر تھے وہ علاقہ کے لحاظ سے انہیں چار سر قاضیوں کے ماتحت تھے۔ اور یہ پورا محکمہ قاضی القضاۃ کے ماتحت تھا۔

بنگلور میں سر قاضی کا مستقر یہ مسجد تھی۔ جو قلعہ کے اندر شاہی محل کے قریب تھی۔ اس کو سقوطِ سلطنت کے بعد محل کے ساتھ ڈھا دیا گیا۔

خط نمبر ۳۶۲

بنام قلعہ دار پٹن (سرنگاپٹم) (۱۵ رواسعی = ۱۲ ستمبر ۱۷۸۵ء)

نوٹ :- افسوس ہے۔ کہ کرک پیٹرک نے یہ خط بجنسہ نہیں دیا ہے بلکہ اس کی بجائے ایک مختصر سا اقتباس دیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے :-

اس خط میں سلطان نے لکھا ہے۔ کہ فوج اسد الٰہی۔ احمدی اور سوار رسالوں میں مدارس کھولے جائیں۔ اور ان مدارس میں تعلیم کے لئے بہ یک وقت بیس

ایسے لڑکوں کا انتخاب کیا جائے جو نہایت ذہین مضبوط اور قابل ہوں۔ ان کو عربی فارسی اور حساب کے علاوہ فوجی تعلیم بھی دی جائے۔"

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے۔

"سلطان کے کاغذات میں ایک یادداشت (میمورنڈم) بھی پائی گئی۔ جس میں اُس نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے افسروں میں کس قسم کی قابلیت ہونی چاہئے۔ اور خصوصاً فوجی افسروں کے متعلق اس یادداشت میں بہت سی ہدایات ہیں۔ انہیں پر عمل کرنے کے لئے اُس نے ذہین اور قابل لڑکوں کا انتخاب کر کے مدارس جاری کرنے کا حکم دیا۔"

اور پھر لکھتا ہے۔ کہ

"میرے خیال میں سلطان کی تجویزوں میں یہ تجویز سب سے اچھی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلنے والا تھا کہ نہ صرف سول کے لئے بلکہ اس کی پوری فوج۔ سوار۔ احمدی اور اسدالہٰی کے لئے نہایت قابل افسر مل جاتے۔"

کرک پیٹرک کے اس مندرجۂ بالا ریمارک سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خط میں سول سروس کے لئے بھی علیحدہ مدارس کھولنے کا حکم تھا۔

مجھے معلوم نہیں۔ کہ یورپ یا انگلستان میں افسروں کی تعلیم کا سلسلہ کب سے شروع ہوا لیکن اتنا معلوم ہے۔ کہ انڈین سول سروس کے لئے لنڈن میں اور فوجی تعلیم کے لئے الڈرشاٹ میں مدرسہ ہے۔ ہندوستان میں باوجود ڈیڑھ سو سال کی حکومت کے ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کے لئے اس قسم کے مدرسے کہیں نہیں تھے۔ ہاں اب یعنی اس جنگ عظیم میں (۱۹۲۵ء۔ ۱۹۲۹ء) میں صرف

جنگی ضرورت سے مجبور ہو کر آفیسرز ٹریننگ سکول" کھولے گئے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے تو فوج میں ہندوستانیوں کو ذمہ وارعہدوں پر لیا ہی نہیں جاتا تھا"

خط نمبر ۳۶۳

بنام نبی شاہ۔ بنگلور
(۱۸ر واسعی = ۱۴ر ستمبر ۱۷۸۶ء)

تم نے لکھا ہے۔ کہ درگاہ کے روبرو جو پگوڈا تھا۔ اس کو گرا دیا گیا ہے۔ لیکن عامل یہ زمین تمہارے حوالے نہیں کرتا۔" عامل کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ زمین کو تمہارے حوالے کر دیا جائے۔

تم نے درخواست کی ہے۔ کہ درگاہ میں تم کو رسوم جاری کرنے اور نذرانے لینے کا حکم بھی دیا جائے۔ اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ اس معاملہ میں، ہم نے جو مناسب سمجھا تھا۔ وہ احکام پہلے ہی جاری کر دیئے ہیں۔ اب ان پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی

تبصرہ

نذرانوں کے متعلق سلطان نے امتناعی حکم دے دیا تھا۔ کہ درگاہوں میں نذرانے لئے جائیں۔ ان کے عوض سجادوں کو وظائف اور درگاہوں کے خرچ کے لئے زمین دی گئی تھی جس کا باقاعدہ حساب ہر سال حکومت کو دیا جاتا تھا۔ سلطنت خداداد کے زوال میں ان پیروں اور مشائخوں کا بھی حصہ ہے۔ جنہیں سلطان نے نذرانے لینے منع کر دیا تھا چنانچہ میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لارڈ کارنوالس کا میر منشی جو اس جنگ میں شریک تھا۔ اپنی تاریخ حمید خانی میں لکھتا ہے۔ کہ

جب ہماری (انگریزی) فوج موضع کرارئیں تھی۔ اس دن شام کو محرم کا چاند نظر آیا۔ اس لئے لارڈ کارنوالس نے عشرہ محرم کے احترام میں دس دن تک کیمپ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے سب سپاہی محرم کی دس تاریخ تک بالکل بے لحاظ ہوکر اُول فول بکتے۔ اور عوام الناس عشرہ کے دنوں میں روپ اور بھیس بدل کر سوانگ بھرتے ہیں۔ تعزیہ اور علم بنا کر دنگل وغیرہ قائم کرتے ہیں۔

اس قسم کی بہت سی رسومات سلطنت خداداد میں سلطان کے حکم سے ممنوع تھیں۔ لارڈ کارنوالس نے ہندوستانی سپاہیوں کو چھٹی دے دی۔ کہ محرم منائیں۔ لارڈ صاحب نے حکم دیا۔ کہ سوانگ بھرنے والے اُن کے خیمہ پر سے گزریں۔ کہ لارڈ صاحب کو اُن کے دیکھنے کا شوق ہے اور وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ساتویں محرم سے دسویں محرم تک علم اور تعزیئے اُٹھے۔ اور لوگ قسم قسم کے سوانگ بھر کر آئے۔ لارڈ صاحب خیمہ کے باہر کرسی پہ رونق افروز تھے۔ جب کبھی علم یا تعزیہ آتا۔ تو اُٹھ کر سر جھکا کر تعظیم کرتے۔ اور ادب سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جاتے۔ اور رخصتی کے وقت اپنے سکرٹری (جیری صاحب) کی معرفت چاندی کے طبق میں روپیہ رکھ کر نذر گزارتے۔ تین دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہ خبر اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ تو لوگوں میں مشہور ہوا۔ کہ انگریزی قوم جس کو اب تک کافر کہا جاتا تھا حسن اعتقاد میں مسلمان بادشاہ سے اچھی ہے۔"

انگریزوں کے متعلق عوام کے خلاف یہ اعتقاد پھیلانے والے یہی پیر و مشائخ تھے۔ کیونکہ یہ رسومات، جنہیں اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ان کی آمدنی کا ذریعہ تھیں۔ سلطان کے ان خطوط سے معلوم ہوگا۔ کہ اُس نے ان پیروں اور مشایخوں کو مسلمانوں کو مذہب کا پابند اور جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے لکھ رہا تھا۔ تو انہوں نے مسلمانوں کو جس قسم کی تعلیم دی، وہ تاریخ حمید خانی کے مندرجۂ بالا اقتباس سے ظاہر ہے۔

خط نمبر ۳۶۴

بنام نواب مشیر الملک۔ حیدر آباد (۱۹ ر واسعی د ۱۸ ستمبر ۱۷۸۶ء)

بعد سلام کے واضح ہو۔ کہ آپ کی اور نواب نظام الملک (نظام علی خاں) کی خیریت معلوم ہوئے عرصہ گزر چکا ہے۔ میں آپ کی اس خاموشی کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں لیتا۔ کہ یہ امر بھی بر بنائے اخلاص ہے۔

یہ امر تعجب انگیز اور حیرت افزا ہے۔ کہ اس وقت نواب نظام الملک میرے خلاف، حکامِ پونا (مرہٹوں) سے دوستی بڑھا رہے ہیں۔ یہ امر ان عہد ناموں کے خلاف ہے۔ جو میرے اور اُن کے درمیان ہو چکے ہیں۔ چند دن پہلے میں نے محمد افتخار خاں کو خاص اسی غرض سے روانہ کیا تھا۔ کہ مملکت خداداد اور مملکت نظام الملک کے درمیان باہمی الفت کو ترقی حاصل ہو۔ اور ساتھ ہی وہ ذرائع بھی اختیار کئے جائیں جن سے مرہٹے بھی اس اتحاد سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مجھے

یقین ہے۔ کہ خان مذکور، میری ہدایات پر عمل کرتے ہوئے، میرے دلی مقاصد کو نواب نظام الملک پر واضح کر دیں گے۔ اس لئے مجھے اُمید ہے۔ کہ نواب نظام الملک جو ایک مدبر سیاست دان اور لائق حکمران ہیں، میری اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے، کوشش کریں گے۔ کہ میرے اور مرہٹوں کے درمیان چند معاملات میں جو نفاق پیدا ہو گیا ہے۔ اس کو اپنے اثر و رسوخ سے دُور کرتے ہوئے تینوں ہمسایہ سلطنتوں کے اتحاد اور بہبودی کی کوشش فرمائیں گے[1]۔ تاکہ تینوں طاقتیں ایک دوسرے کی معاون ہو کر ترقی کر سکیں۔

ادھونی کے متعلق جو جھگڑا ہے، اس کے متعلق اختصاراً یہ ہے۔ کہ میں نے جہاں تک ادھونی کے حکام سے صلح و آشتی کی کوشش کی۔ انہوں نے (یعنی امرائے حیدر آباد نے) میری ان کوششوں کو میری کمزوری پر محمول کرتے ہوئے نہایت تلخ جوابات دیئے ہیں۔ جو نا قابلِ برداشت ہیں۔ ان معاملات کو خط سے واضح نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے میں نے متصدی لچھمن راؤ کو معاملات سمجھانے کی غرض سے روانہ کیا ہے۔ اس شخص سے حالات سننے کے بعد، نواب نظام الملک کی مرضی سے مطلع فرمائیں۔ اس شخص کو جلد واپس بھیج دیا جائے۔

اُس وقت کا لحاظ کرتے ہوئے جو آپ کی ہمارے دل میں ہے، اس موقع پر آپ کے لئے ایک مہتابی خلعت روانہ کی جاتی ہے۔ باقی یہی کہ آپ خوش و خرم رہیں۔

---

[1] اس تحریر سے اس کا صاف ثبوت ملتا ہے۔ کہ کس طرح سلطان ملکی طاقتوں سے لڑنا نہیں چاہتا تھا۔

تبصرہ

اس خط کو بہترین طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس وقت کے حالات اور سیاست پر ایک نظر ڈالی جائے۔ اس سلسلہ میں خط نمبر ۳ کے تحت نوٹ بھی دیکھا جائے۔

میسور کی دوسری جنگ جو انگریزوں اور سلطنتِ خداداد میں ہوئی، اُس کا خاتمہ بتاریخ ۱۱ مارچ ۱۷۸۴ء صلحنامۂ منگلور پر ہوا نظام علی خاں، والئے حیدرآباد اور مرہٹوں کو یقین تھا۔ کہ مسلسل چار سال کی جنگ کی وجہ سے سلطنتِ خداداد، باوجود فاتح ہونے کے، کمزور ہو گئی ہوگی تو اُن دونوں نے مل کر بہ مقامِ ایت گیر ۱۸ مارچ ۱۷۸۴ء میں ایک معاہدہ پر دستخط کئے (کتاب نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد۔ صفحہ ۱۳۴) اور مرہٹوں نے نرگند کے زمیندار کو سلطان کے خلاف اُبھارا۔ سلطان کو جب معلوم ہوا۔ کہ بلا وجہ نظام علی خاں، مرہٹوں کا ساتھ دے کر، اس کے خلاف ہو گیا۔ تو اس نے نظام علی خاں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اور کئی دفعہ حیدرآباد بھیجے اور مرہٹوں کو بھی اپنے سفیروں کے ذریعہ سمجھایا۔ جیسا کہ اسی کتاب کے مختلف خطوں سے ظاہر ہے۔) لیکن نظام علی خاں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور تینوں سلطنتوں میں جنگ چھڑ گئی۔ جس میں سلطان ایک طرف تھا۔ اور مرہٹے اور نظام علی خاں ایک طرف۔ اس وقت سلطان نے خیال کیا۔ کہ اگر ادھونی پر اچانک قبضہ کر لیا جائے۔ تو اپنے بھائی لبالت جنگ

کے حرم کا لحاظ کرتے ہوئے، نظام مرہٹوں کا ساتھ چھوڑ دے گا۔

اس کتاب کے مختلف خطوں سے ظاہر ہے۔ کہ سلطان نے ادھونی پر چڑھائی کرتے ہوئے اس کا محاصرہ بھی کر لیا۔ اور یہاں بیٹھ کر اس نے پھر نظام علی کو اپنی جانب ملانے کی کوشش کی۔ محاصرہ کے دوران میں جب نظام علی خاں کے داماد، مہابت جنگ نے اپنے دیوان اسد علی خاں کو حضورِ سلطانی میں بھیجا۔ تو سلطان نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:-

مجھے تم لوگوں سے کچھ دشمنی نہیں ہے۔ مگر چونکہ نواب نظام علی خاں نے بلا وجہ ہم سے چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔ اور مرہٹوں سے اتفاق کر کے اس سلطنت خداداد کی تباہی پر کمر باندھی ہے۔ اس لئے میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نظام الملک کو اسلام کا کچھ بھی پاس نہیں ہے۔ اس نے ہمیشہ اس اسلامی سلطنت کو مٹانے کے لئے اعدائے اسلام سے سازشیں کی ہیں۔ اور اس موقع پر بھی جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ مساجد اور اہلِ اسلام کے گھر دل کو بت پرستوں نے بے حرمت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ کہ نظام الملک ہم سے صلح صفائی کر لے۔ اور دونوں سلطنتوں کی فوجیں متفق و متحد ہو کر پونا پر چڑھائی کریں۔ مذہب و ملت کی لاج رکھتے ہوئے خدا کی رضامندی اور خلق اللہ کی رفاہ کے لئے جہاد پر کمر باندھیں۔ جو ایک مسلمان کی سرخروئی کا باعث ہے (نشانِ حیدری)

اسد علی خاں سے اس گفتگو کے بعد، سلطان نے اپنا ایک ایلچی حیدر آباد روانہ کیا۔ اور نظام الملک کے نام خط لکھا، جس کا اقتباس حسب ذیل ہے :-

"میں یعنی ٹیپو سلطان مسلمانوں کو تقویت دینا اور اپنا جان و مال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو میرا ساتھ دینا چاہیئے۔ نہ یہ کہ میرے خلاف بُت پرستوں کا ساتھ دیں۔ اور اُن کے ساتھ مل کر اسلامی ممالک کی تاخت و تاراج کرنا، حصولِ جاہ خیال کریں، جیسا کہ نواب نظام علی خان بہادر، نظام حیدر آباد، بار بار پیشوائے پونا کا ساتھ دیتے اور دونوں فوجیں مل کر میرے ملک کو پامال اور میری رعایا کو شکستہ حال کرتی رہتی ہیں۔ اور افسوس ہے کہ میں نے مخفی طور پر نظام علی خان بہادر کو سب کچھ سمجھایا لیکن وہ مرہٹوں کی یلغار کو اپنے ملک سے دُور رکھنے کے لئے ان کی دوستی کو مقتضائے مصلحت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مرہٹوں نے آپ کو بہت سا نقصان پہنچایا۔ اور ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ مسجدوں کو ڈھایا، اور خانقاہوں کو گرایا اس کا اقتضا یہ تھا۔ کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہتے اور جب میری اور ان کی طاقتیں ایک جگہ مل جاتیں تو مرہٹوں کی کیا مجال تھی۔ کہ وہ اپنے ملک سے ایک قدم باہر نکلنے کا حوصلہ کر سکتے۔ لیکن اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقلمندی ہے جو

نظام حیدر آباد کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی۔ اور وہ نظام الملک کو مرہٹوں سے متفق کر کے میرے خلاف فوج کشی پر ابھارتے رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی تدبیر میرے اور نظام کے اتفاق و یک جہتی کی ہو سکتی ہے تو وہ یہ کہ میرے خاندان کی لڑکیاں، نظام کے بیٹوں بھتیجوں اور نظام کے خاندان کی لڑکیاں میرے بیٹوں اور بھتیجوں کو بیاہی جائیں تاکہ طرفین سے ابواب یگانگت کشادہ ہو جائیں۔ اور سب کو ان دونوں اسلامی طاقتوں کے متحد ہو جانے کا علم ہو جائے۔"

(نشانِ حیدری)

اس خط کے ساتھ سلطان نے اعلیٰ درجہ کے تحائف و جواہرات اور امرا و وزرا کے لئے قیمتی خلعتیں روانہ کیں لیکن اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ (خود حیدر آبادی مؤرخین کو اس پر افسوس ہے۔)

(کتاب نظام علی خاں صفحہ ۳۴ مطبوعہ حیدر آباد)

سلطان نے خاندانِ نظام و خاندانِ سلطان میں شادیوں کی جو تجویز کی تھی۔ اس کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا گیا کہ اعلیٰ حضرت نظام کا درجہ ایک نائیک کے فرزند سے قرابت کا نہیں ہو سکتا۔

(کتاب نظام علی خاں کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ سلطانی ایلچی نے جب تحائف وغیرہ پیش کر کے نظام الملک کو اتفاق و یکجہتی پر توجہ دلائی تو نظام الملک کے دل پر بھی اس تقریر کا اثر ہوا۔ مگر جب نظام الملک حرم سرا میں گئے۔ تو اس وقت شاطروں نے مزاج کا

رنگ بدل دیا۔ اور سب سے بڑا عذر جو پیش کیا گیا۔ وہ یہی تھا۔ کہ اعلیٰ حضرت نظام کا درجہ ایک نایک کے فرزند سے قرابت کا نہیں ہو سکتا" نظام الملک نے ایلچی کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ اس پہ رائے زنی کرتے ہوئے مؤرخ کرمانی لکھتا ہے :۔

یہ ایک دعوائے باطل ہے۔ کہ نظام الملک سوائے اپنی ذات کے دکن کے اور دولت مندوں کو شریف نہیں سمجھتا۔ اور اپنی دولت و حشمت پر آپ ناز کرتا ہے۔ خدا گواہ ہے۔ کہ سلطان ذی شان نسب کے اعتبار سے دوسروں سے کچھ کم نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی کمینہ عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور حسب میں اس کا اقتدار، اسباب دنیاداری اور امارت و جلالت یکتائے روزگار ہے۔ اور وہ شجاعت و بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ بعض نادان لوگوں نے جو لقب "نایک" اس کے نام پر ایزاد کیا ہے۔ اس سے وہ صریح مغالطہ میں ہیں۔ نایک لقب سپہ سالار فوج کا ہے۔ قوم کا نام نہیں"۔

"خدائے قادر و برحق کی قدرت نا تناہی میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے، دین و دنیا میں اس کو سعادتمند بنا دیتا ہے۔ اور دنیا کے مال و دولت اور مرتبہ سے سرفراز کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہند اور دکن کے لوگ ان سلاطین سے جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ہیں۔ اور جن کی بارگاہ مرجع انام تھی۔ واقف نہیں ہیں۔ کہ وہ حسب و نسب کے اعتبار سے کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ اور

کون نہیں جانتا کہ سلطان حسن گنگوہ (جو سلطنت بہمنی کا بانی اور حسن شاہ بہمنی کے نام سے مشہور ہوا) کا حسب و نسب کیا تھا اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ باوجود اس سیادت کے اس کی وفات کے بعد اس کی قبر پر بجلی گری۔

اللہ اللہ کہ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کے اثر سے رذیل لوگ بھی دعوائے صحیح النسبی کر رہے ہیں۔ اور کم ظرف و کم فطرت لوگ اپنے غرور بیجا سے سیادت اور شرافت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے برابر کسی کو اشراف نہیں سمجھتے۔

زشتیِ ظرف و اصالت ہست در دولت نہاں
عیب پوش قحبۂ بدشکل زرین چادر است

(ترجمہ:۔ جس طرح ایک زریں چادر ایک فاحشہ عورت کی بدصورتی کو چھپا لیتی ہے۔ اسی طرح کم ظرف لوگوں کی برائی کو مال و دولت نے چھپا لیا ہے)

اس تمام خط و کتابت اور وفود کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ تو سلطان نے مشیر الملک کے نام خط لکھا جو اوپر دیا گیا ہے۔ اور پھر ایک ایلچی محمد رضا[1] کو اس خط کے ساتھ بھیجا۔ لیکن حیدرآباد پہ اثر نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ اور ہوتا بھی کس طرح! جبکہ نظام علی خاں کا دامن شروع ہی سے داغدار تھا۔ مال و دولت اور حکمرانی کی ہوس نے جس شخص کو اپنے حقیقی بھائی صلابت جنگ کے قتل پہ آمادہ کر دیا ہو۔ تو اس کو اسلام کا

---

[1] تاریخ میسور از کرنل ولکس صفحہ ۲۹۵۔

پاس و لحاظ کہاں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ سلطان نے شاہنور کے میدانِ جنگ میں حیدرآبادی فوجوں کو سخت شکست دی۔ اور جب وہ یہاں سے بھاگ گئے۔ اور انہوں نے دوسری جگہ کیمپ ڈالا تو سلطان نے ان پر شبخون مارا۔ اور اس شبخون میں سلطانی فوج کیمپ کے اندر داخل ہوگئی۔ راجہ ہلکر جو مرہٹہ فوج کی کمان پر تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اپنی حرم سرا چھوڑ کر فرار ہوگیا اس کے فرار ہوتے ہی فوج میں بھی بددلی پھیل گئی۔ اور سب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ سلطانی فوج کے ہاتھ تمام خیمے اور مال و اسباب آیا۔ ہلکر کی حرم سرا اور دوسرے تمام سرداروں کی عورتیں اسیر ہو کر سلطان کے روبرو حاضر ہوئیں۔ تو سلطان نے ان عورتوں کو پالکیوں میں سوار کرا کر نہایت عزت و آبرو کے ساتھ پونا روانہ کر دیا۔ اس کا اثر دربار پونا پر نہایت اچھا پڑا۔ تمام مرہٹہ سردار جنگ سے عاجز آچکے تھے اور ہلکر نے صلح کر لینے کے لئے سب سے زیادہ زور دیا۔ چنانچہ صلح کی گفت و شنید شروع ہوگئی"

(مندرجہ بالا خطوط اور واقعات کرمانی کی مشہور تاریخ "نشان حیدری" سے لئے گئے ہیں۔ جو انگریزوں ہی کی سرپرستی میں میجر فریزر کی زیرِ نگرانی کلکتہ میں لکھی گئی تھی)

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ میری جانب سے تبصرہ تھا۔ اب کرک پیٹرک نے اس خط پر جو تبصرہ کیا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں لکھتا ہے

* مشیر الملک حیدر آباد کی وزارت کا ایک بڑا رکن تھا۔ اور اُس امیر نے نظام اور انگریزوں کے تعلقات بڑھانے میں ہمیشہ کوشش کی۔ اور یہ کہنا مُبالغہ نہ ہوگا کہ ہمارے (انگریزوں) اور حیدر آباد میں جو باہمی دوستی کا تعلق اس وقت ہے۔ اس میں مشیر الملک کی کارگزاری کو بہت بڑا دخل ہے۔ اس کو ہماری قوم اور قوم کے افراد سے خاص محبت تھی۔ اس نے انگریزوں کی دوستی کو اس لئے ترجیح دی۔ کہ سرحد حیدر آباد پر دو بڑی طاقتور سلطنتیں (یعنی مرہٹے اور ٹیپو سلطان کی) موجود تھیں۔ اور ان دونوں سلطنتوں سے اس کو خوف تھا۔ ٹیپو سلطان کے خط سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ نظام کی جانب صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ اور لچھمن راؤ کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ نظام اور اُس کے درمیان صلح و آشتی کا ایک معاہدہ ہو جائے مگر سلطان کو اس مقصد میں ناکامی ہوئی۔"

نشانِ حیدری کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ محمد غیاث کو (جو پونا میں ایلچی تھا) بھی سلطان نے اس مقصد سے حیدر آباد بھیجا تھا۔

خط نمبر ۳۶۵

بنام سید محی الدین۔ عامل ہوسکوٹہ۔ (۲۱ر واسعی۔ ۲۰ ستمبر ۱۷۸۶ء)

تم نے اطلاع دی ہے۔ کہ "احمدی رسالوں کے رسالداروں نے ادھر کی مال کے سوا دوسری دالوں کے لینے سے انکار کر دیا ہے۔" تم کو چاہیئے۔ کہ

ارہر کی دال اگر بازار میں مل سکتی ہے۔ تو ضرور فراہم کرو۔ ورنہ دوسری دالیں جیسی مونگ اور ماش وغیرہ ہیں۔ اُن کی حسبِ مرضی دو۔

تبصرہ

کرک پیٹرک نے اس خط کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی کتاب میں ایک اور جگہ (صفحہ ۴۱۲) پر لکھا ہے:-

سلطان کی ان نومسلموں پر جو احمدی فوج میں تھے، نہایت شفقت تھی۔ اسی لیئے اس نے لکھا ہے۔ کہ ارہر کی دال بازار میں مل سکتی ہے تو ضرور لے کر دے دو۔"

خط نمبر ۳۶۶

بنام شمس الدین خاں و غلام حیدر۔ داروغۂ توشک خانہ سرنگاپٹم (۲۲ رفاعی = ۱۲ ستمبر ۱۷۸۶ء)

اسد الٰہی کے تین سپاہیوں کو جو شادی کرنا چاہتے ہیں، فی سپاہی ایک ایک سو احمدی بطور پیشگی دیئے جائیں۔ اور دار الضرب کے داروغہ کو سخت تاکیدی حکم دیا جائے۔ کہ ان کی شادی کے لیئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہو۔ فوراً مہیا کرے۔"

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے:-

سلطان کو نہ صرف نومسلموں کی خاطر داری منظور تھی۔ بلکہ اس کو ان نومسلموں کی شادی کا بھی حد درجہ خیال رہتا تھا۔ اس سے مقصود

ان کی دل دہی اور اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی مقصد تھا۔ کہ مسلمانوں کی افزائشِ نسل ہو۔ اسی لئے وہ ایسی شادیاں اپنے خرچ سے کراتا تھا۔"

خط میں اسد الٰہی فوج کے سپاہیوں کا ذکر ہے۔ یہ مخلوط فوج تھی۔ جو ہندؤں اور مسلمانوں دونوں پر مشتمل تھی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ جن کی شادیوں کا ذکر ہے۔ وہ ہندو تھے یا مسلمان۔ لیکن کرک پیٹرک نے لکھا ہے۔ کہ وہ نو مسلم تھے۔ ممکن ہے۔ کہ مقامی ہندو جو اس فوج میں تھے۔ وہ مسلمان ہو گئے ہوں لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ سلطان کو اپنی سلطنت کی آبادی بڑھانے کے خیال سے بلالحاظ مذہب و ملّت اپنی رعایا کی شادیاں کرانے کا خیال رہتا تھا۔ جیسا کہ خط نمبر ۳۴۸ بنام بدرالزمان خاں اور دوسرے خطوں سے ظاہر ہے۔ کرک پیٹرک نے اپنی کتاب میں ایک اور جگہ لکھا ہے۔ کہ "سلطان کو خیال ہی نہیں۔ بلکہ شادیاں کرانے کا شوق تھا" کوئی تعجب کی بات نہیں کتاب فتح المجاہدین سے ظاہر ہے۔ کہ زنا کاری سے اس کو سخت نفرت تھی۔ اس کتاب میں اس نے لکھا ہے۔ کہ "اس فعل بد سے ملک پر ہر قسم کی بلائیں آتی ہیں" معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان نے یا تو اپنی رعایا کو حکم دیا تھا۔ کہ شادی کرنا ہو۔ تو اس کو اطلاع دی جائے تاکہ حکومت سے روپیہ دیا جائے۔ یا لوگ خود ہی عرضی پیش کرتے تھے اس قسم کی دو عرضیاں جو روزنامہ سیل نے اپنی کتاب "منتخبات اردو"

میں دی ہیں۔ یہاں بجنسہٖ پیش کی جاتی ہیں۔ (معلوم ہوتا ہے کہ یہ فارسی سے اردو میں ترجمہ ہے) - اس سلسلے میں خط نمبر ۴۲ بھی ملاحظہ ہو۔

عرضی تیسری

بعد بجا لانے آداب و تسلیم کے جو وسیلۂ عزت و اعتبار ہے مقربانِ بساطِ فیض مناط کے جناب میں یہی عرضِ بندۂ نمک خوار ہے کہ ان روزوں بندہ زادے کا رسم نکاح تقرر پایا۔ غلام زادے کے بیاہ کا ہنگام قریب آیا۔ بندۂ تہی دستی ہوں۔ سربراہی کی قدرت نہیں۔ جانبِ دیگر کی کاوش ہے۔ جلدی کرنے کی طاقت نہیں کچھ ایک تصدقِ فرقِ مبارک عنایت فرمانا باعثِ سرفرازی ہے خداوند نعمت کا آئین ہے۔ کمال بندہ نوازی ہے۔ خورشید عمر و اقبال کا ہمیشہ درخشاں ہووے۔ نیّرِ اعظم ترقیِ فیض کا مدام تاباں رہے۔ زیادہ۔

عرضی دسویں

سید دعاگو بعد ادا کرنے مراتبِ دعاگوی کے التماس کرتا ہے کہ دعاگو قدیم ایام سے داخل زمرۂ سادات ہے۔ روز و شب علائے ترقیِ جاہ و جلال اولیائے دولت کے لئے ملتجیِ بارگاہ مجیب الدعوات ہے۔ اندنوں سید زادہ لائق شادی ہے۔ تہی دستی باعث نامرادی ہے۔ ہر ایک سرفراز بقایا ہوا کوئی ایک نہ باقی ہے۔ مگر اس دعاگوے دیرین کی ہی ایک باقی ہے باقی اس سید کی بھی عنایت فرمانا۔

بارشادِ معروضہ سے سبک دوش کروانا۔ بہت بے سامان ہوں انتظام مکان کا سرانجام نہیں۔ فرش و مسند کا کیا ذکر شابت حصیر کا بھی نام و نشان نہیں۔ اسباب ضروری فراش خانۂ خاص سے عطا فرمایئے۔ قنادیل آویزی وغیرہ بھی از روئے سید پروری کے سرکار سے دلوایئے۔ سید کی عرضی قبول ہو۔ معروضاتِ سابقہ حصول ہو نیاز"

(منتخباتِ اردو حصہ ششم)

خط نمبر ۳۶۷

بنام سید احمد صاحب (۲۲ ر واسعی = ۲۱ ر ستمبر ۱۸۶۱ء)

خواہش ظاہر کی جاتی ہے۔ کہ آپ دعاؤں میں دینِ اسلام کی ترقی اور اس کے دشمنوں کی تباہی کے لئے دعا کریں۔"

خط نمبر ۳۶۸

بنام رن مست خاں حاکم کرنول (۲۲ ر واسعی = ۲۱ ر ستمبر ۱۸۶۱ء)

آپ کی منظوری سے فوجدار ادھونی کو اطلاع دے دی گئی ہے۔ کہ وہ آپ کے علاقہ میں بالکل خفیہ طریق سے ہماری فوج کے لئے سوار بھرتی کرے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح آپ نے اس موقع پر ہماری مدد کی ہے۔ آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

کرنول کے نواب نے اقتضائے وقت سے مجبور ہو کر سلطان کو سوار بھرتی کرنے کی اجازت دے دی تھی، لیکن بالکل خفیہ طریقے پر۔ اس لئے کہ نہ صرف حیدرآباد اس کی سرحد پر تھا۔ بلکہ وہ حیدرآباد کے ماتحت بھی تھا۔

خط نمبر ۳۶۹

بنام میر غلام حسین، ناظم آرماد
(۲۵ر واسعی = ۲۴ر ستمبر ۱۷۸۶ء)

تمہارا خط ملا۔ اس میں تم نے اطلاع دی ہے۔ کہ چار ماہ گزر گئے۔ مگر ابھی تک محمد علی خان "انور" (Oonoor) نہیں پہنچے۔ انہوں نے اپنی بجائے اپنے بھائی کو بھیجا ہے۔"

آں نجابت پناہ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جس کام کے لئے متعین ہو اس کو مستعدی سے انجام دو۔ اور جہازات جلد جلد تیار کرو۔ اور ہمارے سابقہ احکام کے مطابق ان پر تانبے کی چادریں چڑھاؤ۔"

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"سلطان نے آرماد کا لفظ جو استعمال کیا ہے، وہ پرتگالی زبان کا لفظ "آرمیڈا" ہے۔ جس کے معنی بحری بیڑے کے ہیں۔ اس لفظ کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت سے جہاز تیار ہو رہے تھے۔ یا تیار ہو چکے تھے۔ مگر شاید وہ ابھی سمندر میں اُتارے نہیں گئے تھے۔

یہ تو بالکل یقینی امر ہے۔ کہ نواب حیدر علی نے بحری طاقت پر کچھ توجہ نہیں کی تھی، کیونکہ ان کے عہد میں سوائے کشتیوں کے کسی جہاز کا ذکر ہی نہیں آتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ ان کے جانشین (سلطان) نے جو بحری طاقت پر توجہ کی۔ اُس نے ۱۷۹۰ء کی جنگ میں اُس کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ (کیونکہ اس خط کی تاریخ سے صاف ظاہر ہے ہے کہ اس تجویز کو اور اُس جنگ کے درمیان صرف تین سال کا وقفہ تھا۔ اور اس مختصر عرصہ میں جنگی جہاز نہیں بن سکتے تھے) اگرچہ اس کے بعد، جیسا کہ ضمیمہ سے ظاہر ہے۔ اس نے اس معاملہ پر بہت زیادہ توجہ کی۔ لیکن آخری جنگ (۱۷۹۹ء) نے اس کی اس سکیم کو پورا نہیں ہونے دیا"

پھر ایک جگہ کرک پیٹرک لکھتا ہے :-

"شکر ہے۔ کہ سلطان کی یہ تجویز پوری نہ ہوئی۔ ورنہ انگریزوں کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔"

خط نمبر ۳۷

بنام برہان الدین و بدر الزمان خاں (۲۵ رزاقی = ۱۲۰۰ = ۲۶ ستمبر ۱۷۸۶ء)

ہم نے آپ کو ایک دینڈارہ اور منجاجی ہرکارے کے ذریعہ ایک نقشہ بھیجا تھا۔ جس میں بتایا گیا تھا۔ کہ آپ کو کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ لہذا آپ یا تو اُس کے مطابق سفر کریں یا ایسا راستہ اختیار کریں جو جنگلات میں سے گذرتا ہو۔ اس طرح

سفر کر کے آپ کو چاہیئے۔ کہ دیوگیری سے چھ یا سات کوس پر اپنا کیمپ ڈالیں۔ اور وہاں سے ہمیں اطلاع دیں۔

غازی خان پنڈارہ ایک بہت تجربہ کار شخص ہے۔ اور بہت زیادہ معلومات کا حامل ہے۔ اس کو تمام راستے معلوم ہیں۔ اس شخص کو مع اُس کے رسالہ کے بھیجا جاتا ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچ جائے۔ تو پھر آپ اس کی رائے پر عمل کر کے سفر شروع کر دیں۔

خط نمبر ۱۳

بنام برہان الدین (۲۶ رواسعی = ۲۵ رستمبر ۱۷۸۶ء)

پچھلی اطلاع کے مطابق غازی خان کے رسالہ کے ساتھ چار قشون روانہ کیئے گئے ہیں۔ تم کو چاہیئے۔ کہ عورتوں اور غیر ضروری سامان کو جو فوج کے ساتھ ہے۔ پیچھے انوٹی (نما ۵، ۱۳۱۳ لا) میں چھوڑ کر غازی خان کے ہمراہ دریا عبور کر کے حضوری میں حاضر ہوں۔ کل جو حکم دیا گیا تھا۔ کہ دیوگیری سے پانچ چھ کوس پر قیام کرو۔ اس کو منسوخ کیا جاتا ہے۔

اس موقع پر تم کو اپنے ساتھ کچھ ضروری ہلکا پھلکا سامان اور دوسرا جنگی اسباب لے آنا چاہیئے۔ سوائے ایک بڑی توپ کے باقی تمام توپیں اور پرندے اور پہیئے بھی ساتھ رکھو۔ اُن بیلوں کو وہیں چھوڑ دو۔ جو قطع مسافت کے لئے ناقابل نظر آئیں۔ دونوں لم چھڑیں ضرور ساتھ لے آؤ۔"

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر یوں تبصرہ کرتا ہے :۔

"دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ ملنے پر سلطان نے پہلے دن کا حکم نامہ منسوخ کر کے، برہان الدین کو اپنے پاس آجانے کے لئے لکھا تھا"

"لم چھڑ" سے مراد دُور مار توپ ہے ۔

غازی خان ۔ غارتگر سوار فوج یعنی پنڈارہ فوج کا سردار تھا۔ یہ ایک بے قاعدہ فوج تھی جس کا کام صرف لوٹ مار کرنا اور دشمنوں کے ذرائع رسل و رسائل کو کاٹ دینا تھا۔ میسور کی آخری جنگ میں چونکہ سلطان کے وزرا نے غداری کر کے انگریزی فوج کو ملک میں بلایا تھا۔ انہیں اسی غارتگر فوج سے بہت زیادہ خوف تھا۔ اس لئے خود انگریزی مورخین کا قول ہے۔ کہ میر صادق نے ان کے سردار غازی خاں کو خفیہ طور پر قتل کرا دیا تھا۔ اسی طرح اس غدار نے ملک جہان خاں کو بھی جو ایک نو مسلم مرہٹہ سردار تھا ۔ قید کر دیا تھا ۔

خط نمبر ۳۷۲

بنام راجہ رامچندر (۲۷ رواسعی ۲۶ ستمبر ۱۷۸۶ء)

تم نے اطلاع دی ہے ۔ کہ احشام کے دوم بخشی میر علی کو تم نے رہائش کے لئے ایک بڑا مکان دیا ہے ۔ لیکن بخشی مذکور خدمت گار بہادر کا مکان چاہتے ہیں ۔

اور کہتے ہیں۔کہ ان کے خاندان میں بہت زیادہ افراد ہونے کی وجہ سے یہ مکان کافی ہوگا۔،،

حکم جاری کرنے سے پیشتر تم ہمیں اطلاع دو کہ یہ مکان کس محلہ میں اور کس گلی میں ہے۔اور اس میں کتنے کمرے اور نوادرے ہیں۔

خط نمبر ۳۷۳

بنام سید محمد قلعہ دار پٹن (سرنگاپٹم)

(۲۸ رداسعی ۱۲۱۵ = ۲۷ ستمبر ۱۷۸۶ء)

برہان الدین اور کستوری رنگا، جنہیں چند دن پہلے بنگال سے ریشم کے کیڑے لانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔اب سرنگاپٹم آنے کے لئے سدہوٹ تک پہنچ گئے ہیں۔ان کے پہنچنے پر تم کو چاہیئے۔کہ ان کیڑوں کے پالنے کے لئے ایک مناسب جگہ تجویز کر دو۔تاکہ یہ ضائع نہ ہوجائیں۔ان کی غذا کے لئے شہتوت کے درختوں سے پتے فراہم کر دو۔جنہیں اسی مقصد کے لئے کچھ عرصہ پیشتر بوئے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔اطلاع دو۔کہ وہ کس مقدار میں کیڑے لائے ہیں۔اور ان کو رکھنے کے لئے کس قسم کی جگہ کی سفارش بنگال سے ہوئی ہے۔اور ان کی افزائش کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے جائیں۔

قدیم محل کے پیچھے ایک خالی قطعہ زمین میں جو پہلے توشہ خانے کے استعمال میں آتی تھی۔اور جس کو کچھ دن پہلے عمارت تعمیر کرنے کے خیال سے ہم نے خرید ا تھا۔اسی زمین پر یا اس کے قریب کیڑوں کو رکھنے کے لئے کوئی عارضی انتظام کر دو۔

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک حیرت سے لکھتا ہے :-

"سلطان نے یہ خط میدانِ جنگ (شاہنور کے قریب) سے لکھا تھا۔ جو اُس کے اطمینانِ قلب اور سرکاری کام میں مستعدی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ خط جیسا کہ اس کی تاریخ سے ظاہر ہے، بتاتا ہے کہ سلطان اس وقت حیدر آباد اور مرہٹوں سے جنگ آزمائی کی تیاریوں میں مصروف اور برہان الدین کی فوج کو بہ حفاظت اپنے پاس بلانے کی تدابیر کر رہا تھا۔ باوجود جنگی کیمپ کی گھما گھمی۔ دشمن کی قربت اور مختلف قسم کے خطرات کے موجود ہونے کے، اس کی توجہ سلطنت کے اُن چھوٹے چھوٹے کاموں سے نہیں ہٹی تھی۔ جو اس کے پسندیدہ (اور رعایا کے لئے فائدہ رساں) تھے۔ جیسے ریشم کی صنعت وغیرہ۔"

"معلوم نہیں۔ کہ قدیم محل سے کونسی عمارت مراد ہے۔ غالباً راجہ کے محل سے مراد ہے۔ سلطان کی انصاف پسندی اور اس خاندان سے حسن سلوک کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ کہ وہ ایک اُفتادہ زمین کو بھی اس خاندان سے روپیہ دے کر خریدتا ہے!

خط نمبر ۳۷

بنام برہان الدین (۲۸ رواسعی ۲۷ ستمبر ۱۷۸۶ء)

سنا جاتا ہے۔ کہ "ہلکر" (HalKar) کی فوج کے علاوہ مرہٹوں کی ایک

بڑی فوج تمہاری جانب بڑھ رہی ہے۔ تم کو اس وقت نہایت خبردار رہنا چاہئے ہم نے غازی خاں کے رسالہ کے ہمراہ چار قشون روانہ کئے ہیں۔ انہیں ساتھ لے کر تم نہایت ہوشیاری سے ہم سے آکر مل جاؤ۔

خط نمبر ۳۷۵

بنام میر علی۔ دوم بخشی احشام۔ بنگلور (۲ زبرجدی = ۱۱ اکتوبر ۱۷۸۶ء)

تمہارے دونوں خطوط اور ساون درگ میں جو رسد رکھی ہوئی ہے، اُس کے نمونے اور حساب ملا۔ اس تمام قصۂ ہائے طول وطویل کا جواب تم کو ان تحریری احکام میں ملے گا۔ جو پہلے سے کچہری میں موجود ہیں۔ انہیں پڑھئے۔ اور ان کے مطابق عمل کیجئے۔

تم نے اطلاع دی ہے کہ بادامی سے جو زخمی سپاہی، ساون درگ پہنچے ہیں۔ ان کے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ ان کے متعلق قلعہ دار کو اطلاع دو تاکہ انہیں نوید کر دیئے جائیں۔ اور ان کی قیمت ان کی تنخواہوں سے وضع کر لی جائے یہ چیز بھی تم کو ان تحریری احکام میں ملے گی۔

ساون درگ کا معائنہ ختم ہوتے ہی تم جلد از جلد بنگلور چلے جاؤ۔ اور وہاں اول بخشی تربیت علی خاں کے ساتھ مل کر مختلف قلعوں کا حساب بھگتاؤ

خط نمبر ۳۷۶

بنام سید محمد۔ قلعہ دار پٹن (سرنگا پٹم) (۴ زبرجدی = ۱۵ اکتوبر ۱۷۸۶ء)

تم نے اپنا جو خواب لکھا ہے، اُمید ہے کہ خدائے برتر و بالا کی تائید سے

اس کی تعبیر پوری ہوگی۔

خدائے ہر دو جہان کا یہ قانون شروع سے رہا ہے اور رہے گا کہ وہ اپنے اُن بندوں کو ہی حکومت دیتا ہے۔ جو اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کرتے ہیں۔

تم نے اس موقع پر جو پانچ روپے بطور نذر روانہ کیئے ہیں۔ موصول ہوئے

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"سلطان ضعیف الاعتقاد اور توہم پرست تھا۔ کیونکہ خوابوں پر اس کو اعتقاد تھا اور تعبیر پر ایمان رکھتا تھا۔ غریب کے ایک مادہ پرست سے سوائے اس ایمان کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے"

خط کا آخری جملہ عین آیت قرآنی کے مطابق ہے یعنی خدائے تعالےٰ اسی قوم کو حکومت دیتا ہے۔ جو اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کرتی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ جب تک ایک قوم اپنے آپ کو اپنے اعمال و افعال کے ذریعہ خدائی نعمتوں کا اہل ثابت نہیں کرتی۔ خدا بھی اس کو اپنی نعمتوں سے بہرہ ور نہیں کرتا۔ اس آئینہ میں اگر مسلمان اپنے آپ کو دیکھیں۔ اور اپنے اعمال و افعال پر غور کریں۔ تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کی غلامی اور نکبت کی اصلی وجوہات کیا ہیں۔

خط نمبر ۳۷

بنام محمد اشرف۔ دیوانِ فیض حصار (گوتی) (۱۶ رزبرجدی = ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۶ء)

"تم نے لکھا ہے۔ کہ قطب الدین خاں نوجدار (ہوتی کو آپ نے پچاس ہزار روپے بھیج دیئے ہیں۔ اور ستر ہزار روپے ابھی خزانہ میں بچے ہوئے ہیں" اور تم نے یہ بھی اطلاع دی ہے۔ کہ تم جمع بندی (لگان وصولی) کے لئے افسروں کو بھیجنے والے ہو" اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ "بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے لگان کی وصولی میں کچھ دیر لگے گی۔"

خیال ہے۔ کہ بارشوں کے نہ ہونے سے غریب رعایا کو سخت تکلیف ہوگی لہذا حکم دیا جاتا ہے۔ کہ تم اپنے ماتحت علاقہ میں انہی افسروں کے ذریعہ اناج وغیرہ کی مفت تقسیم کا انتظام کرو۔ انسانی ہمدردی کا، اس موقع پر اقتضا یہی ہے۔ اُمید ہے۔ کہ خدائے پاک اپنے کرم و شفقت سے جلد بارانِ رحمت بھیج دیگا۔"

تبصرہ

بہ نسبت اور خطوں کے یہ خط بہت زیادہ تبصرے کے قابل ہے اس سے سلطان کی رحم دلی اور رعایا پر اُس کی شفقت کا کامل اظہار ہوتا ہے۔ لیکن کرک پیٹرک نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔

خط نمبر ۳۷

بنام موسیو کاسگنی - پانڈیچری (۱۱ زبرجدی ۱۲۰۰ - ۱۰ اکتوبر ۱۷۸۶ء)

اس وقت حاکمان پونا (مرہٹے) اور نظام ہمارے احسانات بھول گئے۔ اور متحد ہو کر ہم پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ خدا کی مدد سے ہم نے ایک ہی حملہ میں انہیں بھگا دیا ہے۔ اور ہم اب اس جگہ مقیم ہیں۔ جہاں پہلے ان کا قبضہ تھا۔ [illegible] کیا جا رہا ہے۔

نوٹ

اسی تاریخ کے ایک خط میں جو سلطان نے مدراس کے گورنر کو لکھا، وہ لکھتا ہے:-

"خیرسگالی کا تقاضا یہ ہے کہ مرہٹوں اور نظام نے سلطنت خداداد پر حملہ کر دیا ہے لیکن ہم [illegible] دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ہماری طاقت ان دونوں کی سزا دہی کے لئے کافی ہے۔"

مزید نوٹ:- ہندوستان میں مشہور تھا کہ حاکمان وقت ایک دوسرے کو جو دوست ہوتے تھے، تحائف بھیجتے تھے۔ سلطان نے بھی یہی کیا۔

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے:-

گو سلطان نے مدراس کے گورنر کو فتح نامہ بھیجا لیکن دراصل اس کا مقصد مرہٹوں سے صلح کر لینے کے بعد انگریزوں سے جنگ شروع کرنے کا تھا۔ جس کا ثبوت اس کے مندرجہ ذیل خط سے ملتا ہے۔ جو اس نے ۹ رحیدری مطابق ۱۰ نومبر ۱۷۸۶ء کو دیوان کو لکھا تھا:۔

"آخر میں خدائے بزرگ و توانا کی تائید سے میں نے دشمن کو متعدد شکستیں دے کر اس کو مجبور کر دیا کہ دریائے کرشنا کے اس پار فرار ہو جائے۔ دشمن نے نہایت الحاح و عاجزی سے صلح کی درخواست کی۔ اور میں نے انسانی جانوں کے بے جا اتلاف سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی شرائط صلح کرا دیں سے منوالیں۔ اور اب میرا مصمم ارادہ ہے۔ کہ ان لوگوں کی سرزنش کروں۔ جو مسلمانوں کو مسجدوں میں اذان دینے سے منع کرتے ہیں۔ اور جو کافروں میں سب سے زیادہ سخت اور ناقابلِ رواداری ہیں۔ اس لئے آنجناب سے توقع ہے۔ کہ جان بازانِ اسلام کی فتح کی دعا مانگیں گے تاکہ یہ بدعقیدہ لوگ تباہ ہو جائیں۔ اور دینِ محمدی سرسبز ہو۔"

سلطان نے اس مضمون کے خطوط دوسرے رئیسوں کو لکھے تھے جن میں شاہ عالم اور محمد بیگ خان ہمدانی بھی ہیں۔ اور اس خط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ٹیپو انگریزوں کو ملک سے نکالنے پر تلا ہوا تھا۔"

ہاں۔ اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں! ٹیپو بے شک انگریزوں کو ملک سے نکالنے پر تلا ہوا تھا!! لیکن زمانہ نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کرک پیٹرک اس کو کیوں الزام دے رہا ہے وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اسی زمانہ میں جبکہ صلح نامۂ منگلور (۱۷۸۴ء) کی سیاہی ابھی خشک بھی نہ ہوئی تھی، انگلستان میں لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجنے کی تیاری کر رہی تھی۔ کہ ان تذلیل کن شکستوں کا بدلہ لے سکے جو ٹیپو نے میسور کی دوسری جنگ میں انگریزوں کو دی تھیں۔ اس کے متعلق اینس منرو، جو اس جنگ میں شریک تھا۔ لکھتا ہے:۔

"مجھے یقین ہے کہ ٹیپو سے جو صلح نامہ ہوا ہے، وہ عارضی ثابت ہوگا۔ کوئی انگریز ان ذلتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جو اس جنگ میں اسے اٹھانی پڑیں" (میسور گزیٹیر صفحہ ۲۵۶۸)

تعجب ہے۔ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اگر جنگ کا ارادہ اور تیاری کرے۔ تو وہ پاک دامن رہتی ہے۔ اور اگر ٹیپو جنگ کا ارادہ اور تیاری کرے۔ تو وہ مورد الزام گردانا جاتا ہے۔ ع

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

خط نمبر ۳۷۹

بنام محمد بیگ خاں ہمدانی۔ دہلی (۵ رجیدی = ۶ نومبر ۱۷۸۶ء)

کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ کہ حاکمانِ پونا (مرہٹے) اور نظام علی خاں نے

ہمارے احسانات کو بھلا دیا۔ اور ایک لاکھ سوار اور بھاری توپ خانہ لے کر ہمارے ملک میں در آئے اور سخت تباہ کاری مچائی۔ ہم نے بھی اُن کے اس حملے کو روکنے کے لئے فوج بڑھائی۔ اور سب سے پہلے ادہونی پر حملہ کیا۔ جو نظام علی خاں کے ماتحت تھا۔ اس موقع پر نظام علی خاں نے اپنے بھائی بسالت جنگ کے حرم اور اپنے بھتیجے کو بچانے کی خاطر اپنے سب سے چھوٹے بھائی مغل علی خاں کو ایک بڑی فوج دے کر بھیجا۔ یہ فوج پہاڑیوں کی پناہ لیتی ہوئی، ادہونی پہنچی اور یہاں سے مہابت جنگ (داراجاہ) اور حرم کو لے کر راتوں رات کوچ کرتے ہوئے پہاڑیوں کی پناہ میں چلے گئے۔ اور وہاں سے حیدر آباد واپس پہنچ گئے۔ ہم نے ان مفرورین کا تنگ بھدرا تک تعاقب بھی کیا۔

اس موقع پر ہمارے آدمیوں کے ہاتھ قلعہ ادہونی کے علاوہ بہت سا سامان آیا۔ اس کے بعد ہم مرہٹوں کی طرف بڑھے جو نظام علی خاں کی فوج کے ساتھ شاہنور کے قریب کیمپ ڈالے ہوئے تھے۔ یہاں دریائے تنگ بھدرا کو کشتیوں کے ذریعہ عبور کر کے ہم ان کے سامنے آ ڈٹے۔ چنانچہ، رذی الحجہ (یکم اکتوبر ۱۷۸۶ء) کو ان کے اور ہمارے درمیان معرکہ ہوا۔ ابھی ہماری اور دشمنوں کی فوج میں دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ کہ صرف گولہ باری سے ہی ڈر کر وہ اپنا پورا کیمپ بجنسہٖ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس مہم میں دشمنوں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی۔ لہٰذا شاہنور کی فتح ہمارے لئے آسان ہو گئی۔

اگر خدا نے چاہا۔ تو محرم کے بعد ہم پھر دشمن کی سرزنش کے لئے نکلیں گے۔

یہ اطلاعات اس لئے دی گئی ہیں۔ کہ ان سے آپ کا دل شاد ہو۔"

تبصرہ

شاہنور کی جس جنگ کا ذکر سلطان نے اپنے اس خط میں کیا ہے اس کے متعلق خود سلطان نے اپنی یادداشتوں میں اس طرح لکھا ہے :-

" اس طرح دشمن کو بھگا کر اسی دن، دوپہر کے تین بجے میں نے اپنے کیمپ سے تین کوس کے فاصلہ پر کیمپ ڈالا۔ دوسرے روز ادہر تین کوس طے کئے گئے۔ اور تیسرے روز بھی قطع مسافت کرتے رہے، ہم شاہنور سے ایک کوس کے فاصلہ پر مقیم ہوئے۔

میری اس نقل و حرکت سے مرہٹے [illegible] شاہنور [illegible] انگریزوں سے سازش کرتے رہیں تو جب ہی ایک طرف [illegible] پیدل دستے پڑے تھے، اس طرح پھنس گئے جس طرح کوئی پرندہ جال میں پھنس گیا ہو۔ [illegible] ہوا تھا کہ شاہنور کا میدان حقیقتاً ان کے لئے [illegible] ثابت ہوا۔

چونکہ میری سلطنت کے مروجہ قوانین کی رو سے ہر قشون کے ساتھ توپ خانہ لازمی ہے۔ اس پر عمل کرتے ہوئے شاہنور کے کیمپ کے چاروں طرف توپوں کو نصب کیا گیا۔ دشمن جو حملہ کرنے کے لئے بڑھا میرے اپنے مورچہ کی حفاظت کے لئے دو باقاعدہ قشون اور دس ہزار پیادے احشام کے چھوڑے۔ باقی فوج کو جو باقاعدہ فوج کے چھ قشونوں، باقاعدہ دستے، غیر باقاعدہ سوار اور احشام کے پیادوں

کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک حصّہ کو ہمامرزا خان کے ماتحت دیا کہ دریا پار کر کے عقب سے حملہ کرے۔ دوسرے حصہ کو میمنہ پر حملہ کرنے کے لئے برہان الدین کے ماتحت کیا۔ تیسرے حصّہ پر معین الدین کو متعین کیا گیا۔ کہ میسرہ پر حملہ کرے۔ اور میں نے چوتھا حصّہ لیا۔ کہ قلب پر حملہ کروں۔

اس طرح مکمل تیاری کے بعد شاہنو پہنچنے کے تیسرے دن جبکہ میرے مفید مطلب دھواں دھار بارش ہو رہی تھی۔ میں دشمن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ چونکہ دشمن ایک کوس سے زیادہ فاصلہ پر نہیں تھا۔ اس لئے طلایہ فوج کو بالکل قریب رکھا گیا۔ اور جب میں دشمن کی طلایہ فوج کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ تو اس نے (یعنی دشمن کی طلایہ فوج نے جس میں دوسو سوار تھے) آگے بڑھ کر ہم سے دریافت کیا۔ کہ ہم کون اور کس غرض سے آئے ہیں۔ میری ہدایت کی وجہ سے میرے سپاہیوں میں سے کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ اس پر دشمن نے اور قریب آکر یہی سوالات دہرائے۔ میں نے اس وقت اپنے سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دیا۔ جب ان بھگوڑوں پر میری فوج کی پہلی کمپنی نے اس طرح فائر کیا۔ تو دشمن کی ایک بڑی تعداد ماری گئی۔ باقیوں کو ہم نے گرفتار کر لیا۔ اور کچھ جان بچا کر بھاگ نکلے۔

میں ان مفروریں کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے کیمپ کے بالکل نزدیک پہنچ گیا اور توپ داغی۔ دراصل یہ ایک پہلے سے

سے طے شدہ اشارہ تھا کہ اس توپ کی آواز سنتے ہی باقی تین ڈویژن بھی اپنے اپنے مقررہ مقاموں پر حملہ کر دیں۔ میرے اس اشارہ کا جواب ان سے نہیں ملا۔ میں نے سمجھا کہ شاید کوئی غیر معمولی موانعات راستہ میں آ گئے ہوں گے۔ جس کی وجہ سے یہ دیر ہو گئی ہے۔ تاہم میں آگے بڑھتا ہی رہا۔ اور دشمن کے کیمپ کے بالکل قریب پہنچ کر ایک اور توپ داغی جس کے جواب میں ایک توپ کی آواز سنائی دی یعنی تین ڈویژنوں میں سے ایک نے جواب دیا تھا۔ ابھی تک مجھے دوسرے دو ڈویژنوں کا حال معلوم نہ ہوا۔ ان حالات میں مجھے تردد شروع ہوا کہ یہ موقع کہیں میرے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ لیکن میں اللہ یار (اللہ ہمارا حامی ہے) کا نعرہ لگا کر دشمن کے کیمپ میں گھس گیا اور اپنے توپ خانہ سے نہایت سخت گولہ باری کی۔ ایسے وقت میں جب میں دشمن کے کیمپ میں گھس چکا تھا۔ دوسرے ڈویژنوں کے کمانڈروں کے اپنے اپنے حملہ کی جگہ پہنچنے کی بھی خبر آئی۔

یہ بالکل صبح کا وقت تھا۔ جبکہ میں دشمن کے کیمپ میں داخل ہوا۔ اور اس وقت میرے ساتھ دو رجمنٹیں ہو سکتی تو پہلے بھیج دی گئی سپاہی اور ایک توپ تھی۔ میری باقی فوج جو پیچھے ... بعد آ کر مل گئی۔ اس وقت مرہٹوں کا فرار بعینہ اسی طرح تھا جس طرح چیلوں اور کوؤں کا ہوتا ہے۔ جن کے بیچ میں پتھر پھینکا گیا ہو اس طرح بھاگ کر وہ دور کی پہاڑیوں پر جا کر کھڑے ہو گئے اور

اپنے کیمپ کے لٹنے کا تماشہ دیکھنے لگے۔

نو بجے کے قریب مرہٹے پھر پھروں اور ٹڈیوں کی طرح جمع ہو کر ہماری طرف بڑھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کا ارادہ دست بدست جنگ کرنے کا ہے۔ اور اس وقت ان کی چھ توپیں دور سے گولہ باری بھی شروع کر چکی تھیں۔ اس وقت میں نے اپنے بھاری توپخانہ کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ اور صرف ہلکی توپوں والے دستے کو حکم دیا۔ کہ صرف ان لوگوں کو نشانہ بناؤ جو نزدیک آ جائیں۔ اور یہ کہ ایک وقت میں ایک ہی توپ صرف ایک گولہ چلائے۔ میرا منشا اس سے یہ تھا کہ دشمن اس سے یہ سمجھے کہ میرے پاس بھاری توپخانہ نہیں ہے۔ صرف ہلکی توپیں کم تعداد میں ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ دلیر ہو کر نزدیک آ جائیں تو اس وقت بھاری توپوں سے شدید گولہ باری کر کے سخت نقصان پہنچایا جا سکے۔ اور ایسے ایک بار پھر مجبور کیا جاتا۔ چنانچہ آخر ایسا ہی ہوا۔ جیسا میں نے خیال کیا تھا۔

کووں کی طرح دشمن ہماری لائن کے بالکل قریب آ گئے۔ اور جب وہ زد پر آ گئے تو اس وقت میری چاروں ڈویژنوں نے اپنی اپنی توپوں سے میرے حکم کے مطابق اس قدر شدید گولہ باری کی۔ کہ وہ فوراً ہی تتر بتر ہو گئے۔ اور نہایت مایوسی کے عالم میں بھاگے۔ اس موقع پر دشمن کے دو ہزار گھوڑے اور تین ہاتھی گولوں سے مارے گئے۔ اور ایک بڑی تعداد سواروں اور پیادوں کی ماری گئی۔

دشمن کی باقی فوج فرار ہو کر چھ کوس کے فاصلہ پر چلی گئی۔ میں بھی اپنی فوج کو لیے ہوئے اپنے کیمپ میں واپس آگیا۔ اور دو دن تک یہاں ٹھہر کر دشمن کا پتہ لیتا رہا۔ آخر کار خبر ملی کہ دشمن شاہنور کے قریب دریا کے دائیں جانب کیمپ ڈالے پڑا ہے۔ اس اطلاع پر میں نے بھی اپنا کیمپ اٹھا کر ان کے بالمقابل کیمپ ڈالا۔ ذی الحجہ کی عید بالکل قریب تھی۔ عید منانے کے لئے میں تین دن اس مقام پر ٹھہرا رہا۔ اور پھر عید کے دوسرے ہی دن جنگ کے لیے نکلا۔ اس وقت میں نے اپنے بان داروں کو قشونوں کے آگے رکھا۔ اور اپنے میسرہ کو شاہنور پر بڑھنے کا حکم دیا۔ میری اس نقل و حرکت کو دیکھ کر اسی لحظہ دشمن نے اپنی اس فوج کو واپس بلا لیا۔ جو خاص شاہنور میں کیمپ ڈالے پڑی تھی۔ اور شاہنور والے عبدالحکیم خاں کو بھی ساتھ لے کر چھ کوس کے فاصلہ پر جا کر کیمپ ڈالا۔ میں نے اب اپنا کیمپ اسی جگہ ڈالا، جہاں اس سے پہلے دشمن کا کیمپ تھا۔ اس طرح شاہنور اس وقت میرے میمنہ کی زد پر تھا۔

اس موقع پر خبر ملی کہ شاہنور کے بھگکاری نواب نے، جس کو مرہٹوں نے بہکا کر اپنی جانب کر لیا تھا۔ اپنے ان مکار دوستوں کی دوستی کا مزہ چکھ لیا ہے یعنی مرہٹوں نے اس کے مال و اسباب کو لوٹ کر اس کی عورتوں کو پکڑ لیا۔ اور اس کے دوسرے دن انہوں نے اس معذور العقل کو صرف پہنے ہوئے کپڑوں میں اس

کی چند عورتوں کے ساتھ ایک حفاظتی دستہ متعین کر کے میراج (ریاست) کو بھیج دیا ہے۔ اس کارروائی کے بعد اپنے پھواڑے کی جانب دو یا تین کوچ کئے۔

(کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ سلطان نے یہاں وہ راستہ نہیں لکھا۔ جو مرہٹوں نے اختیار کیا تھا۔ غالباً وہ کپتل (Koppal) کی جانب فرار ہوئے تھے۔ جہاں شاہنور کے بعد اس جنگ کا دوسرا معرکہ ہوا۔)

میں نے بھی اپنا کیمپ شاہنور سے اٹھالیا۔ اور ایک چھوٹے دستہ کو اس شہر میں چھوڑ کر، شہر بنکاپور میں چودہ دن مقیم رہا کیونکہ یہ محرم کے دن تھے۔ یہاں حیدری فوج کے سرداروں نے مجھے تین تین نذریں پیش کیں۔ ایک عید کی۔ دوسری شاہنور کی فتح کی اور تیسری شاہزادہ نظام الدین کی ولادت کی۔

اس موقع پر مجھے خیال آیا۔ کہ دشمنوں کو چند باتیں لکھوں۔ اس خیال سے میں نے اپنے ایک معتمد کو، جو جاسوسوں کا سردار تھا، بلایا اور اس کو ٹکوجی ہلکر (Holkar) کے پاس بھیجا۔ جو دشمنوں میں سب سے زیادہ جوانمرد مانا جاتا تھا۔ اس کو میں نے اس طرح لکھا تھا:۔

"اگر نظام علی خاں یہاں ہوتا۔ تو میں اسی کو مخاطب کرتا۔ لیکن اس کے نہ ہونے کی وجہ سے میں آپ کو ہی مخاطب بنا رہا ہوں۔ اس کا نتیجہ ہی کیا ہے۔ کہ اس جنگ میں خدا کی ہزارہا مخلوق ماری جائے۔

اُس کے فیصلہ کا سب سے بہتر طریق یہ ہے کہ ہم دونوں اپنی اپنی فوج کو ایک دوسرے کے مقابل قطار میں کھڑا کریں "

" " " " " " "

کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ سلطان کی اس یادداشت میں اس مضمون کے بعد کے کاغذات پھٹ گئے ہیں۔ اور معلوم نہ ہوا۔ کہ سلطان نے کیا لکھا تھا۔ شاید اس نے وہی مضمون لکھا تھا جو جنرل مکلوڈ کو لکھا گیا تھا یعنی خلق اللہ کو ضائع کرنے سے بہتر یہ ہے۔ کہ ہم اپنی اپنی فوجوں کو دو قطاروں میں ایک دوسرے کے مقابل استادہ کرکے آپ اور میں میدان میں اُتر کر شمشیر زنی کریں۔ جو غالب ہوگا۔ اس کی فتح سمجھی جائیگی۔ فوج اس لڑائی میں بالکل حصہ نہ لے گی "

(جنرل مکلوڈ سے جو قصہ ہوا تھا۔ اس کو میں نے اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ ولکس کی تاریخ سے لے کر خط نمبر ۲۴۲ کے تحت دیا ہے)

اس کے بعد کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ ٹکوجی ہلکر نے اس قسم کی لڑائی سے انکار کر دیا ہوگا۔ کیونکہ اس کی قوم کا طریق جنگ اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ اپنی لڑائیوں کا، اس طرح دوسرا سدوں کی ہار اور جیت سے فیصلہ نہیں کرتے تھے، بلکہ موقع اور محل دیکھ کر کبھی آگے بڑھتے تھے کبھی پیچھے ہٹتے تھے۔ اور کبھی چھپ کر حملہ کرنے کے عادی تھے۔

آخیر میں کرک پیٹرک لکھتا ہے کہ شاہنور کے نواب سے مرہٹوں نے جو سلوک کیا، وہ کچھ تعجب انگیز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قوم بدعہدی

کے لئے مشہور ہے۔

(ذیل کا مضمون کرک پیٹرک نے اپنی کتاب کے آخیر میں دیا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ کاغذات کے انبار میں سلطان کی ایک اور تحریر ملی ہے۔ جو اسی جنگ کے خاتمہ کے متعلق ہے۔ لیکن مضمون کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے اس کو اس جگہ دیا جاتا ہے)

دوسرے دن وہ لوگ (غالباً سلطان کی سوار یا پنڈارہ فوج) میری فوج ظفر موج سے آکر ملے اور اپنے ساتھ تمام مال غنیمت لیکر آئے میں چار یا پانچ دن تک اسی مقام پر ٹھہرا رہا۔ جہاں پہلے دشمن کا کیمپ تھا۔ اور یہاں سے قزق سواروں کو بھیجتا رہا کہ دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لیتے رہیں۔ اس پارٹی نے واپس آکر اطلاع دی کہ دشمن کپتل اور بہادر بنڈے کے اس طرف مقیم ہے۔ اور آخرالذکر قلعہ میں ایک مضبوط دستہ موجود ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر میں بہادر بنڈے کی جانب بڑھا۔ اور اس کے متصل کیمپ ڈالا۔ اور اپنی فوج کی ایک ڈویژن کو دشمن کے اس قدر قریب روانہ کیا کہ قلعہ کو کمک پہنچنے کے راستے میں حائل ہو جائے"

(اس کے بعد سلطان نے چند تفصیلات دی ہیں کہ کس طرح اس نے توپیں مار کر قلعہ کی فصیل کو آزمایا تھا۔ اس گولہ باری کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ فصیل پہاڑی ہی میں سے پتھر کاٹ کر بنائی گئی تھی اس عرصہ میں باقی مرہٹہ فوج قلعہ سے باہر مرہٹہ کپتن کندس پہ قلعہ کو

محاصرہ سے بچانے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں تھی۔ اس کے بعد سلطان لکھتا ہے:۔

"ان حالات میں ہم نے اور دو تین دن کی دیر کو خطرناک سمجھ کر فوراً حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کیلئے میں نے جیش کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور احشام کے تین سو سپاہیوں کا انتخاب کر کے، انہیں فصیلِ قلعہ کے نیچے جہاں ہم نے پہلے سے جگہ بنالی تھی مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ وہ صبح کی اذان کے وقت، جب ہوائی بان کے ذریعہ اشارہ ہوتے ہی، فوراً حملہ کر دیں۔ اس حملہ کی مدد کے لئے ملکی توپوں کو جو میدان میں نصب کی گئی تھیں، حکم دیا گیا تھا۔ کہ اس سختی سے گولہ باری کی جائے کہ دشمن ہماری حملہ آور پارٹی کی مزاحمت نہ کر سکے۔ اس انتظام کے بعد حملہ آور پارٹی نے صبح ہی صبح حملہ کرتے ہوئے قلعہ کی فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا لیکن دشمن نے یہاں نہایت جوانمردی اور ہمت سے مدافعت شروع کر دی تھی۔ اور اوپر سے بڑے بڑے پتھر لڑھکا رہے تھے۔ علاوہ ازیں بندوقچیوں نے بھی فائر شروع کر دیے۔ اس موقع پر ایک ٹیپ دار (کرنل) اور کئی اور لوگوں نے جو فصیل پر چڑھ گئے تھے۔ جامِ شہادت پیا۔ اگرچہ اس وقت ہماری توپوں سے اس قدر شدید گولہ باری ہو رہی تھی۔ کہ گولے بارش کی بوندوں کی طرح پڑ رہے تھے۔ لیکن دشمن نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے، اُن مقامات پر مقیم ہو کر۔ جہاں اس کو پناہ مل سکتی تھی

سختی سے مدافعت شروع کردی۔ آخر کار میں نے دو توپوں کو خصوصی حکم دیا۔ کہ دشمن کا جو آدمی بھی نظر آئے، اس کو نشانہ بنائیں۔ اس وقت قلعہ کے گورنر کو جو اس وقت ایک برج کے پاس چھپا ہوا ہمارے حملہ کو دیکھ رہا تھا، گولہ لگا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ اس کے ساتھ ہی دشمن کی کل فوج نے اطاعت کا پیغام بھیجا۔ اس کو قبول کر لیا گیا اور اس کو قلعہ سے باہر نکال کر ہماری فوج اس میں داخل ہو گئی دوسرے دن میں نے ان مرہٹہ لوگوں کو ان کی اپنی فوج میں بھیجدیا۔

قلعہ پر ہمارے قبضہ کے دو دن بعد۔ دشمن کی پوری فوج لڑائی کے لئے تیار ہو کر ہم پر بڑھی۔ ہماری طلایہ کے سوار بھی مقابلہ کے لئے نکلے۔ اور صرف چند گولے مارے تھے۔ کہ یہ بھاگ کر پھر اپنے کیمپ میں داخل ہو گئے۔ اس کے دو دن بعد میں نے یہاں سے نکل کر کیتل سے دو کوس کے فاصلہ پر کیمپ ڈالا۔ اس وقت دشمن ہم سے چار کوس کے فاصلہ پر تھا۔ یہاں میں نے سوار فوج کے چار دستے تیار کئے جن میں ہر ایک میں پچاس سوار اور چار بان انداز تھے۔ ان کو میں نے حکم دیا۔ کہ ہر دستہ علیحدہ علیحدہ دشمن کے کیمپ کے اردگرد پھر کر بان اندازی کرتے ہوئے چیخیں کہ:۔

"فوج ظفر موج آگئی ہے۔ جان عزیز ہو تو بھاگو"

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اور دشمن گھبرا کر (سپاہی اور افسر) تمام رات اس طرح بھاگے۔ کہ اب اُس میں اور ہمارے کیمپ کے

درمیان دس کوس کا فاصلہ ہو گیا۔ دشمن نے اپنے کیمپ میں مختلف سامان کے علاوہ گولہ بارود کی بڑی مقدار بھی چھوڑ دی تھی۔

جیسا کہ چار ماہ سے متواتر دیکھنے میں آیا ہے، ان (مرہٹوں) کا قاعدہ تھا۔ کہ مغرب سے ڈیڑھ گھنٹہ بیشتر اپنا سامان بیلوں پر لاد دیتے تھے۔ اور خود تمام رات گھوڑوں کی پیٹھ پر گزارتے تھے۔ اور اس نیند کے وقت اگر فوج ظفر موج کے آنے کا اشارہ کوئی دیتا تھا۔ تو ایک دم بھاگ جاتے تھے۔ ایک ایک رات میں دس دس پندرہ پندرہ بار ایسا ہوا ہے۔ اور ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ اندھیرے میں ایک دوسرے کو نشانہ بنا کر لوٹ لیتے تھے۔

آخر کار تکوجی ہلکر (Holkar) نے جو سب مرہٹہ سرداروں میں بڑا اور راؤ راستا اور مادھوجی راؤ پیشوا سے نسب میں کسی طرح کم نہ تھا۔ اپنی فوج کی یہ حالت دیکھ اپنے دو سواروں کے ذریعہ عرضی بھیجی۔

(یہاں سلطان نے عرضی کا مضمون لکھا۔ اور خود لکھتا ہے کہ:۔

اس عرضی میں اس نے اپنے پیشوا کی نالائقی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم اپنے اس نالائق و ناشائستہ فرزند (پیشوا) پر رحم کریں۔ اور اپنے کسی معتمد کو بھیجیں۔ تاکہ شرائط صلح طے کی جا سکیں")

لہذا ہیں نے ان کی خواہش کے مطابق بدر الزمان خاں علی رضا اور دوسرے بڑے افسروں کو بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچے۔ تو مرہٹہ

سرداروں نے کہا۔ کہ ہمارا آقا آپ کے فرزند کی بجائے ہے۔ ہم نے جو کچھ برائیاں کیں۔ وہ صرف ہماری جانب سے ہوئی ہیں۔ لہذا معاف کر دی جائیں۔ اور یہ کہ آپ کے بادشاہ (سلطان) کو چاہیئے۔ کہ ہمارے آقا کی مٹھائی کے لئے کچھ رقم اور ایک دو گاؤں دیدے۔ اور یہ کچھ بڑا مطالبہ نہیں ہے۔ اور اس قدر قلیل ہے۔ کہ ایک فرزند اپنے باپ سے کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "دراصل نظام علی خاں کی فتنہ انگیزی اس جنگ کا باعث ہوئی ہے مختصر یہ کہ انہوں نے نہایت عاجزی سے صلح طلب کی۔

اس امر کے ثبوت ہیں کہ مرہٹہ فوج سلطانی فوج کے اچانک حملہ سے خائف رہتی تھی۔ سلطان لکھتا ہے:۔

اس گفت و شنید کے دوران میں بھی ان کو یہ یقین تھا۔ کہ میری فوج ان پر چھاپہ مارنے والی ہے۔ کیونکہ ان کے جاسوسوں نے یہی خبر ان تک پہنچائی تھی۔ اس خبر کے ملنے پر راؤ راستا اور ہلکر نے بدرالزمان خان اور علی رضا کو طلب کر کے کہا۔ کہ فوراً دو سواروں کو اپنے آقا کے پاس بھیجکر اس بات کی طمانیت حاصل کریں۔ کہ ہم پر حملہ نہ کیا جائے گا۔ اور یہ کہ ہم ہر مطالبہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں"۔ اگرچہ میرے سرداروں نے انہیں یقین دلایا۔ کہ "جب ہم خود تمہارے کیمپ میں موجود ہیں۔ تو حملہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا" لیکن انہیں اطمینان نہیں ہوا۔ انہوں نے عاجزی و الحاح سے خدا کا

واسطہ دے کران کو آمادہ کیا۔ کہ میری جانب سے اطمینان کا خط منگوائیں اس پر وہ زبدرالزمان اور علی رضا راضی ہوگئے۔ اور کہا کہ۔ وہ اپنے اپنے خیموں میں جا کر خط لکھیں گے۔" انہوں نے جواباً کہا کہ "اس طرح بہت وقت صرف ہوگا۔ لہذا زبانی درخواست ہی بھیجدی جائے" یہ دیکھ کر کہ ان کا کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا۔ تو میرے سرداروں نے ان کے روبرو ہی سانڈنی سواروں کو طلب کر کے پکار کر کہا۔ دشمن سخت تکلیف میں ہے۔ اور عاجزی سے درخواست کرتا ہے۔ کہ اس پر آج رات کو کوئی حملہ نہ کیا جائے۔"

ان پیغام بر داروں کا دشمن کے سواروں نے اپنے کیمپ سے باہر لاکر چھوڑا۔ اور وہ جلد جلد کوچ کرتے ہوئے شب کے تین بجے میرے کیمپ میں آئے۔ اور مجھے یہ پیغام سنایا۔ میں نے ان کو صبح اطمینان بخش جواب دے کر بھیجا۔ اور اسی صبح کو اپنا کیمپ اٹھا کر کنک گیری سے تین کوس کے فاصلہ پر ڈالا۔ یہاں چارہ اور پانی افراط سے تھا۔ اور یہ جگہ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے ہے

اس مذکورہ بالا بیان کے بعد جس میں مرہٹوں کے خوف کا ذکر ہے سلطان نے اس قانون کو لکھا ہے۔ جو نیچے نوٹ میں دیا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر لکھتا ہے:۔

اگرچہ شروع میں میرا ارادہ نہیں تھا۔ کہ میں مرہٹوں کے خلاف جنگ کروں۔ لیکن جب انہوں نے اپنے آپ کو ہماری مہربانیوں

کے ناقابل ٹھہرایا۔ اور میرے ملک کے اندر آئے۔ تو میں نے بھی ضروری سمجھا۔ کہ ان کی صرف اتنی سرزنش کروں۔ کہ وہ صلح پہ آمادہ ہو جائیں۔ اب اس مقصد کے حاصل ہوتے ہی میں صلح پر آمادہ ہو گیا۔ اور لکھا کہ کل بارہ لاکھ روپے دینے کو تیار ہوں۔ اس پر مرہٹہ سردار راضی ہو گئے۔ کہ کسی طرح گلو خلاصی تو ہوئی۔ صلحنامہ مرتب ہونے کے بعد میں نے سیوائی مادھو راؤ (پیشوا) کو ایک خط لکھا۔ اور اس کے ساتھ ایک کلغی قیمتی جواہرات سے مرصع سرپیچ اور ایک ہاتھی بھیجا اس کے علاوہ میں نے ایک ہاتھی اور ایک خلعت اور جواہرات تکوجی ہلکر (Holkar) کو اور اسی طرح راؤ راستا اور ہری پنڈت کو بھی تحفے بھیجے۔

اس موقع پر جو صلحنامہ میرے وکیلوں اور نظام علی خاں اور مادھو راؤ پیشوا کے درمیان ہوا۔ اس میں مندرجہ ذیل تین شرطیں تھیں۔

(۱) دریائے نربدا کے اس جانب کے حکمران، نظام علی خاں۔ پنڈت مادھو راؤ پردھان اور اسد اللہی سرکار (ٹیپو سلطان) اس بات کا موثق عہد کرتے ہیں۔ کہ یہ تینوں اپنے اپنے خاص علاقوں میں حکمرانی کریں گے۔ اور بالکل اتحاد سے رہیں گے۔ اور یہ کہ اگر کوئی چوتھی طاقت ان اتحادیوں میں سے کسی ایک پر حملہ کرے۔ تو اس کے حملہ کا جواب دیں گے۔ چاہے اس وقت ان تینوں

میں کچھ بھی اختلاف ہو، وہ اس اختلاف کو نظر انداز کر دیں گے۔

.. ..

کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ یہاں سے پھر کاغذات گم ہیں۔ لیکن پھر ایک کاغذ پر یہ سلطانی تحریر ملتی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ مرہٹے اس وقت کس بُری حالت میں تھے۔ سلطان لکھتا ہے:۔

خود مرہٹہ سرداروں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ کہ لڑائیوں میں جو آدمی مارے گئے۔ ان کے علاوہ ایک لاکھ آدمی بیماریوں سے مر چکے ہیں۔"

"اس کے بعد پھر کاغذات نہیں ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ وہ اور کاغذ بھی کیپتا گمشدہ ہو گئے ہوں۔ اگر یہ مل جائیں تو پبلک کو ان سے روشناس کرایا جائے گا۔ مذکورہ بالا تحریر میں سلطان کے جس قانون کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق کرک پیٹرک لکھتا ہے:۔

مرہٹوں کو اچانک حملے کا اس لئے خوف پیدا ہو گیا تھا۔ کہ اُس روز کی اگلی شب کو بجائے تحریری حکم دینے کے سلطان نے خلافِ معمول، چارہ لانے والے سپاہیوں سے کہا تھا کہ "کل صبح کو باہر نہ جائیں۔ کوچ کا ارادہ ہے۔" یہ خبر مرہٹہ جاسوسوں کو مل گئی جو کیمپ میں خاص سلطان کی بارگیر فوج میں بھیس بدلے ہوئے موجود تھے۔ اس زبانی حکم سے انہوں نے سمجھ لیا۔ کہ سلطان کا یہ کہنا کہ کل باہر نہ جائیں، ضرور اپنے اندر اچانک حملہ کی تیاری کرنے کی معنی رکھتا ہے۔ اس لئے یہ خبر انہوں نے مرہٹہ کیمپ میں پہنچا

دی۔ اس وقت سلطان کے ساتھ یہ کرایہ کی مرہٹہ فوج سات ہزار کی تعداد میں تھی۔ جو اس کے اور نواب حیدر علی کے پاس پندرہ سال کے عرصہ سے ملازم تھی۔ اس واقعہ کے معلوم ہونے کے بعد سلطان نے اس فوج کو برخاست کر دیا۔ تاکہ اس کی نقل و حرکت کی خبر معلوم نہ ہو سکے۔

اوپر لکھا گیا ہے۔ کہ سلطان نے اپنے دستور کے خلاف یہ حکم دیا تھا۔ یہ خود سلطان کا زبانی اقرار ہے۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے۔ کہ سوائے اس وقت کے اس نے کبھی اس قسم کا زبانی حکم نہیں دیا تھا اس کا دستور تھا۔ کہ کوچ کا حکم ہمیشہ تحریری دیتا تھا۔ زبانی نہیں یہ حکمنامے فارسی زبان میں ہوتے تھے۔ لفافوں پر مہر ثبت کی جاتی تھی۔ اور جن افسروں کے نام ہوتے تھے۔ انہیں ٹھیک شب کے نو بجے پہنچایا جاتا تھا۔ ان میں صرف اتنا لکھا ہوتا تھا۔ کہ:۔

"کل صبح کوچ ہے۔ پریڈ . . وقت پر ہو گی۔ اپنی اپنی مقررہ جگہ پر حاضر ہو کر خاص جلو کے پیچھے چلیں۔"

شب میں تین بجے نقارہ بجتا تھا۔ اور پانچ بجے فوج تیار ہو جاتی تھی۔

اس بے قاعدگی کے بعد سے جس کو سلطان نے خود تسلیم کیا ہے۔ وہ اپنے مقررہ اصول پر اور بھی سختی کے ساتھ پابند ہو گیا اس نے اس موقع پر چند قواعد بھی بنائے۔ ان کے متعلق خود

اس کی یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان احکام کے علاوہ جو کوچ سے متعلق تھے۔ ان پر سربمہر لفافوں میں راستہ بھی بتایا جاتا تھا۔ کہ کس راستہ پر چلنا چاہیئے۔ ان لفافوں پر نمبر ڈالے جاتے تھے پہلے ہی بتایا جاتا تھا۔ کہ پہلے دن کب اور کس جانب کوچ ہوگا۔ اور قیام کہاں ہوگا۔ دوسرے میں دوسرے دن کے لئے بھی احکام ہوتے تھے۔ اور ان لفافوں کے متعلق حکم تھا۔ کہ لفافہ پر جس دن کی تاریخ اور وقت لکھا ہوا ہے۔ اسی دن اور اسی وقت کھولے جائیں۔ خیام کے متعلق اسی طرح کے لفافے ہوتے تھے۔ اور حکم تھا کہ انہیں اس وقت تک نہ کھولا جائے۔ جب تک کہ پہلے لفافہ کے مطابق راستہ طے نہ ہو جائے۔ اس پابندی اصول کی وجہ سے افسروں اور سپاہیوں تک کو یہ پتہ نہ چلتا تھا۔ کہ صبح کس جانب کوچ ہوگا اور شام کو کہاں کیمپ ہوگا۔

عبدالحکیم خاں حاکم شاہنور کے متعلق کرک پیٹرک لکھتا ہے:۔

"جب عبدالحکیم خاں شاہنور سے مرہٹوں کے سامنے سے بھاگا۔ تو سلطانی فوج کے کسی شاعر یا ادیب نے اس وقت یہ تاریخ نکالی:۔

"حکیم خاں میانہ سب کو چھوڑ کے آپ بھاگا"

یہ شخص جب بھاگا۔ تو سوائے چند خاص لوگوں اور ضروری مال و اسباب کے سب کچھ چھوڑ گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا بیٹا عبدالخیر خاں بھی شاہنور ہی میں رہ گیا۔ جب یہ خبر سلطان کو

ملی۔ تو وہ بہت متعجب ہوا۔ اور میر صادق کو امن نامہ دے کر شہر میں بھیجا۔ اس وقت خیرا میاں (عبدالخیر خاں) ایک بغیر زین کے گھوڑے پر سوار، حالت میں حضور سلطانی میں حاضر ہوا سلطان نے اس سے دریافت کیا۔ "کہ اس کے باپ کے اس طرح فرار ہو جانے کی وجہ کیا ہے؟ ہم نے تو اس کو کسی طرح ستایا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہمیشہ مہربانی و عاطفت سے پیش آئے افسوس کہ باوجود ہماری مہربانیوں کے وہ ہمارے دشمنوں سے مل گیا ایسا شخص کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا۔"

خیرا میاں نے جواب دیا۔ کہ "یہ سب بالکل سچ ہے۔ اس کے باپ نے اپنی اور اپنے گھرانے کی عزت و خوشحالی کو کھو دیا۔" اور ساتھ ہی "سلطان کو یقین دلایا۔ کہ اس کے باپ نے اخیر وقت تک اس کو اپنے ارادوں سے مطلع نہیں کیا تھا۔"

اس کے بعد سلطان نے اس کو اور اس کے خاندان کو اپنے ہی خیموں کے قریب جگہ دی۔ اور سلطانی مطبخ سے کھانا دئے جانے کا حکم دیا۔

" مرہٹوں۔ نظام اور سلطان میں صلح ہو جانے کے بعد پرسرام بھاؤ اور راؤ راستا کی سفارش پر شاہنور، عبدالحکیم خاں کو واپس دیا گیا۔"

خط نمبر ۳۸۰

بنام میر علی۔ بخشی احشام۔ بنگلور (۱۸ ر زبرجدی = ۱۷ ر اکتوبر ۱۷۸۶ء)

" اطلاع ملی ہے۔ کہ تم اکیلے ہی ماتحت قلعوں کا معائنہ کرنے کیساتھ ساتھ حساب کتاب کی دیکھ بھال بھی کر رہے ہو۔ یہ امر مناسب نہیں ہے۔ اس لئے تم فوراً بنگلور واپس چلے جاؤ۔ اور وہاں بخشیٔ اول کے ساتھ مل کر یہ کام سرانجام دو "

خط نمبر ۳۸۱

بنام بدر الزمان خاں (۲۳ ر زبرجدی = ۲۲ ر اکتوبر ۱۷۸۶ء)

" سونڈہ۔ کٹور اور دہاڑ واڑ کی سرحدوں پر رہتے ہوئے، وہاں کے لیٹروں کی خوب سرزنش کر دو " اس قدر مضمون لکھنے کے بعد کرک پیٹرک لکھتا ہے :۔

" اس خط میں سلطان نے بدر الزمان خاں کو حکم دیا تھا۔ کہ سرحد کے کسی مقام کا (نام پڑھا نہیں جا سکا) معائنہ کر کے اس کے متعلق مفصل رپورٹ دی جائے۔ سلطان یہاں ایک قلعہ تعمیر کرنے کی فکر میں تھا۔ یہ جگہ قدرتی طور پر محفوظ ہونے کے علاوہ کوکن کی سرحد کے قریب بھی تھی۔ اسی خط میں سلطان نے یہ بھی لکھا تھا۔ کہ اگر کوکن میں کبھی فوج بھیجنے کا اتفاق ہو۔ تو راستہ اس جگہ سے ہو کر

گزرتا ہے۔

اس کے بعد وہ خط کی حسب ذیل عبارت دیتا ہے :۔

یہاں ان شر پردل کو گرفتار کیا جائے۔ جو ملک میں بدامنی پھیلا رہے ہیں۔ اور اس کے بعد انہیں احدیوں میں داخل کیا جائے۔ لیکن اس کارروائی سے پہلے اس مقام کے پالیگار کو صلح و آشتی کا خط لکھیں اور ایک معتمد وکیل کو بھیج کر اس پالیگار کو اپنا طرفدار بنالیں۔ اس کے بعد اس سے دریافت کیا جائے۔ کہ کونسے مضبوط قلعے ہیں۔ اور ان کے راستے میں کون کونسے گاؤں ملتے ہیں۔ آپ کو یہ تحقیقات نہایت احتیاط سے کرنی چاہئے۔ اور تمام کارروائی خفیہ رکھی جائے۔ آپ یہ معلومات فارسی زبان میں لکھ بھیجیں۔

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے :۔

یہ معلوم نہ ہوا کہ بدرالزمان خاں اس وقت برہان الدین کے ساتھ میدان جنگ میں تھا۔ یا نگر میں جہاں یہ گورنر تھا۔ چونکہ اس کا نام شاہنور کی جنگ میں شامل نہیں ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں تھا۔ ورنہ سلطان کی یادداشت میں اس کا نام ضرور ہوتا۔ اور یہ بھی مجھے معلوم نہیں ہے۔ کہ اس وقت میر قمرالدین کہاں تھا۔ کیونکہ اس کا نام اس جنگ کے سلسلے

میں نہیں ہے۔ نرگند کے محاصرہ کے بعد اس کے نام کا کوئی خط مجموعہ میں نہیں ہے۔"

میر قمر الدین کے متعلق چونکہ کرک پیٹرک نے عمداً لاعلمی ظاہر کی ہے یہاں دوسری تاریخوں سے اس کا حال لکھا جاتا ہے۔

میر قمر الدین سلطان کے ماموں، میر علی رضا (کرم کنڈہ) کی ایک حرم کے بطن سے تھا۔ اس جنگ میں جس کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے۔ اس وقت یہ غدار فتح نرگند کے وقت حیدر آباد سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ اس کی رپورٹ سپہ سالار برہان الدین حضور سلطانی میں بھیجی۔ سلطان نے اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے، فتح نرگند کے بعد اس کو باغیوں کی سرکوبی کے لئے کڑپہ بھیج دیا۔ اور خود ادھونی پر چڑھائی کی۔ اتفاق سے ادھونی کے محاصرہ کے وقت سلطان کی شہادت کی خبر پھیل گئی۔ اور یہ غدار بذاتِ خود تخت نشین ہونے کے لئے ایک فوج لے کر سرنگاپٹم پہ بڑھا۔ (نشانِ حیدری)

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور کے صفحہ ۱۰ میں اس واقعہ کو اس طرح لکھتا ہے:-

"جس وقت سلطان ادھونی پر حملہ کر رہا تھا۔ تو سراج الدین محمد خاں مفتی ارکاٹ کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کا جنازہ نہایت تزک و احتشام سے سرنگاپٹم روانہ کیا گیا، تمام ملک میں یہ خبر پھیل گئی کہ خود سلطان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر سارے ہندوستان میں اس سرعت سے

پھیلی۔ کہ مسٹر مکفرسن (Mcpherson) نے جو عارضی گورنر جنرل تھا، میسور کو ایک سفیر بھیجا کہ سلطان کے جانشین کو مبارکباد دے جس وقت سلطان کے انتقال کی خبر مشہور ہوئی۔ تو اس وقت میر قمرالدین جو کسی اور جگہ تھا، فوج کے ایک حصّہ کو اپنی جانب ملا کر خود تخت نشین ہونے کے خیال سے سرنگاپٹم پر بڑھا۔ سلطان نے بہ مشکل اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس موقع پر سلطان نے میر قمرالدین کو ۲ دو سال تک نظر بند رکھا۔

کرک پیٹرک اپنی کتاب کے صفحہ ۴۴۴ پر جہاں اس نے اس خط پر تبصرہ کیا ہے، لکھتا ہے:۔

"سلطان کو میر قمرالدین کی جنگی قابلیت پر بھروسہ نہیں تھا۔ اسی لئے سلطان نے اس کو کبھی پوری کمان نہیں دی۔ اس کی اس ناقابلیت کا ثبوت اس مشاورتی کمیٹی کی روداد سے بھی ملتا ہے جو صلح نامہ سرنگاپٹم ۱۷۹۲ء کے بعد سلطان نے جنگی معاملات پر غور کرنے کے لئے مقرر کی تھی۔"

افسوس ہے۔ کہ کرک پیٹرک نے اس کمیٹی کی روداد اپنی کتاب میں نہیں دی۔ سلطان نے یہ کمیشن یا کمیٹی اُن اسباب کی تحقیقات کے لئے مقرر کی تھی۔ جو ۱۷۹۲ء کی جنگ میں شکست کا باعث ہوئے تھے۔ بہت ممکن ہے۔ کہ اس روداد میں اُن سازشوں کا حال بھی آیا ہو۔ جو انگریزوں نے اس جنگ کے سلسلہ میں کی تھیں۔ اس لئے

کرک پیٹرک نے روداد دینے سے گریز کیا ہے۔ بہرطور اس کمیٹی کی تحقیقات کا نتیجہ یہی تھا۔ کہ محمد مہدی مہکری اور اکثر غداروں کو معزول یا نظربند کر دیا گیا۔ لیکن یہاں سلطان کی رحمدلی یا بقول مصنف حملات حیدری اس کی اس کمزوری کا اعتراف بھی کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ کہ اس نے چند دن بعد ان کو نہ صرف رہائی دی۔ بلکہ بہت سے غداروں کو اپنے سابقہ عہدوں پر بحال بھی کر دیا[1] میر قمرالدین سے بھی یہی سلوک ہوا۔ یہ غدار سلطان کے ماموں کا بیٹا تھا[2] اس نے میسور کی آخری جنگ میں نہایت نمایاں حصہ لیا۔ اس نے نہ صرف سداسیر کی لڑائی میں غداری کی۔ بلکہ ملولی کی لڑائی میں سلطانی فوجوں پر ہی حملہ کیا[3]۔ اور جب سلطان سرنگاپٹم میں محصور ہو گیا۔ تو یہ اور اس کی فوج قلعہ سے باہر تھی۔ لیکن کوئی کارروائی نہیں کی[4]۔ اس کی ان غداریوں کے صلہ ہی میں اس کو گرم کنڈہ کی ستر ہزار پگوڈے سالانہ کی جاگیر دی گئی۔ اس غدار کو سلطان سے یہ

---

[1] اس سلسلہ میں خط نمبر ۴۰۴ دیکھا جائے۔ [2] کرمانی لکھتا ہے۔ کہ سلطان کے ماموں میر علی رضا کی ایک حرم کی بطن سے تھا۔ [3] نشان حیدری۔

[4] قلعہ سے باہر رہنے کی وجہ سے وہ اگر چاہتا تو سلطنت کے کل ذرائع سے فائدہ اٹھا کر اس جنگ کے نقشہ کو بدل سکتا تھا۔ اور یہ بھی تعجب ہے۔ کہ شاہزادہ فتح حیدر نے بھی قلعہ سے باہر رہ کر کچھ نہیں کیا۔ بلکہ سلطان کی شہادت کے بعد شہزادہ کو انگیریزوں کی اطاعت پر قمرالدین اور پورنیا ہی نے راضی کیا تھا۔

بھی عناد تھا۔ کہ وہ سلطان کی لڑکی کا خواستگار تھا۔ اور سلطان نے انکار کر دیا تھا۔ سلطان کی شہادت کے بعد اثر و رسوخ کے لحاظ سے جس شخص سے انگریزوں کو خوف تھا۔ وہ یہی غدار ہوتا۔ اس لئے ولزلی نے زوالِ سرنگاپٹم کی خبر ملتے ہی جنرل ہارس کو فوراً لکھا۔ کہ کسی طرح قمرالدین کو گرم کنڈہ بھیج دیا جائے۔ ہارس نے اس کو بھیج دیا۔ اور بقول کرمانی "یہ غدار سرنگاپٹم سے خوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے نکلا۔" لیکن قدرت اس وقت اس سے انتقام لینے پر آمادہ ہو چکی تھی۔ لہذا یہاں پہنچ کر یہ مرض جذام میں مبتلا ہو گیا اور نہایت درد و کرب کی حالت میں مر گیا۔ اور اس کی زندگی ہی میں کڑپہ کے پٹھانوں نے جوشِ انتقام میں گرم کنڈہ پر حملہ کر کے اس کو مسمار کر دیا۔ اور یہاں یہ لکھنا بھی معلومات کا باعث ہوگا کہ حیدرآباد کا میر عالم بھی جس کی تمام زندگی سلطنت خداداد کی تباہی میں صرف ہوئی تھی۔ حیدرآباد میں مرضِ جذام ہی میں گرفتار ہو کر مر گیا۔ اور اسی نسبت سے حیدرآباد میں اس مرض کو "میر عالم کا آزار" کہا جاتا ہے۔[1]

---

[1] کتاب "میر عالم" مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۱۹۴۔

خط نمبر ۳۸۲

بنام موسیو کاسگنی - گورنر پانڈی چری (۲۴ زبرجدی ۲۳ اکتوبر ۱۷۸۶ء)

فرانس بھیجنے کے لئے اراکین وفد کے نام منتخب کر لئے گئے ہیں۔ ان لوگوں کو بہت جلد پانڈیچری بھیج دیا جائیگا۔ جہاں امید ہے۔ کہ آپ ان کو ایم پیرن (M. Perron) کے ساتھ جہاز پر فرانس بھیج دیں گے۔"

خط نمبر ۳۸۳

بنام سید احمد صاحب - بڈھن شاہ - نبی شاہ - (۲۴ زبرجدی ۲۳ اکتوبر ۱۷۸۶ء)
کلیم اللہ شاہ و دیگر پیرزادگان و سجادہ نشینان درگاہاں۔

اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ خدا کے فضل و کرم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے، اسلامی سواروں کے گھوڑوں کے سموں نے تیرہ بخت اعدائے دین کو اس طرح کچلا ہے۔ کہ ان کی حالت نہایت شکستہ اور زبوں ہوگئی ہے۔

آنجناب کو جو پیشوایانِ دین ہیں۔ یہ خوشخبری سناتے ہوئے، درخواست کی جاتی ہے۔ کہ دینِ محمدی کی ترقی کے لئے تجاویز سوچتے ہوئے وہ ذرائع اختیار کریں۔ کہ ان سے اسلام کو تقویت ملے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ اس خط میں جو درخواست کی گئی ہے اس کا مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد ہے جس کے لیے وہ ان

پیر صاحبوں اور سجادہ نشینوں کو آمادہ کر رہا تھا۔"

خط نمبر ۳۸۴

بنام محی الدین علی خاں دیوان کڑپہ چشتی یار خاں۔ (۲۶ رزبرجدی = ۲۵ راکتوبر ۱۷۸۶ء)
راجہ رامچندر دیوان نرسیا و دیگر افسران سے:

ایک کاغذ جس پر خطبہ تحریر ہے، ملفوف ہے۔ اپنے اپنے علاقوں کے خطیبوں کو حکم دیں۔ کہ خطبہ جمعہ میں خدا کی حمد اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے بعد اس خطبہ کو پڑھا جائے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرہٹوں اور نظام کو کامل شکست دینے کے بعد سلطان نے اپنی تمام سلطنت میں اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم نافذ کر دیا تھا۔"

خط نمبر ۳۸۵

بنام عبدالحکیم خاں۔ حاکم شاہنور (۲۶ رزبرجدی = ۲۵ راکتوبر ۱۷۸۶ء)

کریم خاں کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ اب مرہٹوں کو چھوڑ کر پھر ہماری خدمت میں آنے کا ارادہ کر رہے ہیں باوجود آپ کی اس شرمناک کارروائی کے، جس کے آپ مرتکب ہوئے ہیں اور جس کا ہم کو وہم و گمان تک نہیں تھا، ہمارے دل میں

اب تک آپ کی محبت ہے۔ لہذا آپ بغیر کسی خوف و خطر کے آئیں۔ باقی حالات آپ کو عامل رقعہ سے معلوم ہونگے۔

خط نمبر ۳۸۶

بنام راجہ رامچندر۔ دیوان بنگلور — رقیمہ حیدری = ۲۹ ؍ اکتوبر ۱۷۸۶ء

حکم دیا جاتا ہے۔ کہ تم اپنے ماتحت عاملوں کو سختی سے حکم دو۔ کہ اپنے اپنے علاقوں میں اُن پیادہ سپاہیوں کو ڈھونڈ کر نکالو۔ جو کسانوں کے بھیس میں چھپے ہوئے ہیں۔

تبصرہ

"کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ ہندوستان میں عام رواج تھا۔ کہ ضرورت کے وقت کسانوں کو فوج میں بہ جبر بھرتی کر لیا جاتا تھا لیکن سلطان نے کبھی کسانوں کو فوج میں بھرتی نہیں کیا۔"

خط نمبر ۳۸۷

بنام بخشی احشام گوتی — رقیمہ حیدری = ۲۹ ؍ اکتوبر ۱۷۸۶ء

"حکم دیا جاتا ہے۔ کہ اُن تمام شریروں کو جو ملک میں بغاوت کے پیدا کر رہے ہیں۔ سرزنش کرو۔ اور اُن کو گرفتار کر لو۔ سرغنوں کو پھانسی دو۔ اور اُن کے جو کم عمر بچے ہوں، انہیں احمدیوں میں داخل کر لو۔"

خط نمبر ۳۸۸

بنام راجہ رامچندر۔ دیوان بنگلور (۴ رحیدری ۔ یکم نومبر ۱۷۸۶ء)

تم نے اطلاع دی ہے کہ ضلع بالاپور کی رعیت، لگان میں چھ یا سات ہزار ہن کے اضافہ سے گھبرا کر بھاگ رہی ہے۔ اس لئے کہ بادشاہی ہن کی شرح تبادلہ بارہ کنٹرائے فنم کیا گیا ہے۔

اس شرح تبادلہ سے تو کسان پر ماسوائے ایک یا دو فنم کے اور زیادہ بار نہیں پڑتا۔ کیا تم نے انہیں یہ بات نہیں سمجھائی۔

تبصرہ

سلطنت میں پہلے سے بہادری (حیدری) ہن رائج تھا۔ سلطان نے بادشاہی ہن کے نام سے ایک نئے ہن کا رواج دیا۔ اور اس کا شرح تبادلہ بارہ فنم رکھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نئے ہن کے متعلق لگان وصولی پر جو کارندے تھے۔ انہوں نے کسانوں کو خوف دلا دیا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں ولکس کے حوالہ سے لکھتا ہے۔ کہ:۔ سلطان کی پوری سلطنت میں لگان کی وصولی اور زمینوں کے حساب کتاب پر کل کے کل برہمن مقرر تھے۔ جو رعیت کو بہت زیادہ ستاتے رہتے تھے۔"

خط نمبر ۳۸۹

بنام محی الدین علی خاں - دیوان کرٹہ پہ (۷ رحیدری = ۴ ر نومبر ۱۷۸۶ء)

تم نے درخواست کی ہے۔ کہ تمہارے مکان اور باغ کے کام کے لئے اُن دس بان داروں سے کام لینے کی اجازت دی جائے، جو وہاں مقیم ہیں۔ معلوم ہو کہ بان دار سپاہی ہیں۔ گھروں کے کام کاج کے لئے نہیں تمہارے پاس جو چپڑاسی ہیں، ان سے یہ کام لیا جائے۔

خط نمبر ۳۹۰

بنام میر معین الدین خاں (۷ رحیدری = ۴ ر نومبر ۱۷۸۶ء)

تمہارے پاس بڑی توپوں کو کھینچنے کے لئے جو بیل ہیں۔ انہیں مع ان کے چارہ وغیرہ اور گاڑیبانوں کے ہمارے کیمپ میں بھیج دو۔ ہمارے کیمپ کی پشت پر نہایت عمدہ چارہ موجود ہے۔ تم جس جگہ مقیم ہو۔ وہاں چارہ نہیں ہے۔ تم جس وقت چاہو۔ پھر انہیں واپس طلب کر سکتے ہو۔

(نوٹ:- اسی تاریخ کو اسی مضمون کا خط برہان الدین کو بھی لکھا گیا تھا)

خط نمبر ۳۹۱

بنام محمد اشرف (۹ رحیدری = ۶ ر نومبر ۱۷۸۶ء)

تمہارا خط متعلق سابق عامل شرشین (بلاری) موصول ہوا۔ اس میں

بتایا گیا ہے۔ کہ حساب کتاب ہیں اس نے کس قدر رقم غبن کی ہے۔ اس رقم کو اُس عامل اور دوسرے لوگوں سے جو غبن میں شریک تھے۔ سزا دے کر وصول کیا جائے۔،،

خط نمبر ۳۹۲

بنام زین العابدین تعلق دار گلشن آباد (ملولی) (۹ رجب ۱۲۰۱ھ ۲۰ نومبر ۱۷۸۶ء)

تم نے لکھا ہے۔ کہ تمہارے پاس گھوڑوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ اور اس وجہ سے تم نے یہ خواہش ظاہر کی ہے۔ کہ خان خان ہلی کے عامل کو حکم دیا جائے کہ دانہ اُبالنے کے لئے دو اور کڑاہ مہیا کئے جائیں۔ عامل کے نام حکم نامہ ملفوف ہے۔ ان کی وصول یابی پر قیمت اسی وقت ادا کر دی جائے

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیڑک لکھتا ہے :۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ خان خان ہلی میں لوہے کا ایک بڑا کارخانہ تھا مگر تعجب ہے۔ کہ جب سلطنت کے کاموں کے لئے ہی چیزیں طلب کی جاتی تھیں۔ تو سلطان ہمیشہ ایسی فرمائشوں کی قیمت وصول کرنے یا ادا کرنے کیلئے لکھتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کو یہ جاننے کی خواہش تھی۔ کہ سرکاری روپیہ جو ان کاموں پر لگا ہوا تھا، اُس پر نفع ملتا ہے یا نہیں۔،،

نہ صرف سرکاری روپیہ ہی ان کارخانوں پر لگا ہوا تھا بلکہ

رعایا کا بھی۔ کیونکہ ان کارخانوں کے سرمایہ میں رعایا بھی روپیہ لگاتی تھی جس کے متعلق سلطان کے تجارتی احکام میں تفصیل موجود ہے۔ جو اسی کتاب میں کسی اور جگہ دی گئی ہے۔

خط نمبر ۲۹۳

بنام سجن رائے دمولچند۔ وکیلان سلطنت خداداد دہلی۔ (۹ رحیدی = ۶ نومبر ۱۷۸۶ء)

نوٹ: کرک پیٹرک نے بجائے خط کا مضمون دینے کے اپنی جانب سے یہ عبارت لکھی ہے:۔

"سلطان نے اس خط میں شاہنور کی جنگ کے حالات لکھنے کے بعد اس نئی تقویم کا حساب بتایا ہے۔ جو اُس نے ایجاد کی تھی۔ اس کا ملخص حسب ذیل ہے:۔

حروف تہجی کے جن حروف کو اعداد دیئے گئے ہیں۔ ان کی تعداد ۲۹ ہے۔ ان میں لا اور ہمزہ بھی شامل ہیں۔ جنہیں ۱/۲ اور ۱/۴ کا عدد دیا گیا ہے۔ باقی ۲۷ حروف میں پہلے ۹ کو اکائی دوسرے ۹ کو دہائی اور تیسرے ۹ کو سینکڑہ کے عدد دے کر ی کو ہزار کا عدد دیا گیا ہے۔ اس مندرجۂ بالا قانون کو ذیل کی نظم میں واضح کیا گیا ہے۔ جو سلطان کی تصنیف ہے۔ ان اشعار کے بارے میں میں سلطان کی شاعرانہ قابلیت کا اندازہ کرنے سے قاصر ہوں۔

نظم

چو سازی نظر در کلام اللہ — کہ سی حرف هستند با سلسلہ
بطبقِ حروفِ مسلسل حساب — بفرمود سلطان عالی جناب
احاد است نہ حرف اول بداں — بود عشر نہ حرف دیگر ازاں
مایہ حرف بعد ازاں در شمار — بود بی الف شمر اے مرد کار
کہ ہست لام الف میم د ہمزہ دگر — بود ربع نامش نہادند زر

تبصرہ

کرک پیٹرک نے پہلے تو یہ غلط سمجھا کہ اس "تاریخ زر" کو تقویم سے کوئی مناسبت ہے۔ دوسرے اس نے نظم کو سلطان کی تصنیف بتایا ہے۔ حالانکہ اس نظم کا چوتھا مصرعہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ نظم سلطان کی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ تاریخ زر کی ایجاد پر منزلگاہ تیم کے کسی شاعر نے لکھی ہو۔ بہرطور اس تاریخ زر کا حساب سیدھے سادے لفظوں میں اس طرح ہے:-

ا	ب	ت	ث	ج	ح	خ	د	ذ	ر	ز	س	ش
١	٢	٣	۴	۵	۶	٧	٨	٩	١٠	٢٠	٣٠	۴٠

ص	ض	ط	ظ	ع	غ	ف	ق	ک	ل	م	ن
۵٠	۶٠	٧٠	٨٠	٩٠	١٠٠	٢٠٠	٣٠٠	۴٠٠	۵٠٠	۶٠٠	٧٠٠

و	ہ	ی	لا	ء
٨٠٠	٩٠٠	١٠٠٠	½	¼

مسجد اعلیٰ اور قلعہ کی دیوار پر جو کتبے ہیں ان میں تاریخ اسی حساب زر سے نکالی گئی ہے۔

خط نمبر ۳۹۴

بنام محمد اشرف ۔ (۱۱ر حیدری = ۸ر نومبر ۱۷۸۶ء)

تمہارا خط جس میں سرکاری توشخانوں کا حساب ملفوف ہے، ملا۔ تم نے لکھا ہے کہ "توشہ خانہ کے حساب کے لئے کوئی متصدی نہیں ہے۔ اگر حکم ہو۔ تو کسی سررشتہ دار کو یہاں مقرر کر لیا جائے۔ یا حضوری سے کسی کو بھیجدو۔"

اگر تم ان تحریری احکام کو دیکھتے جو تم کو دئے گئے ہیں۔ تو معلوم ہوتا کہ توشہ خانہ کے حساب کے لئے کوئی علیحدہ متصدی نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ یہ کام محل کے کسی سررشتہ دار سے لیا جاتا ہے۔ ان احکام کو دیکھ کر ان کے مطابق عمل کرو۔

خط نمبر ۳۹۵

بنام راجہ رامچند۔ دیوان بنگلور (۱۹ر حیدری = ۱۶ر نومبر ۱۷۸۶ء)

تمہارا خط جس میں کنکوٹی کے عامل کا خط بھی ملفوف ہے، ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس علاقہ کا مفسد ویرپا نیک وہاں شورش برپا کر رہا ہے۔ اگر تم خود اور تربیت علی خاں مل کر بھی اس کا موثر انتظام نہیں کر سکتے ہو ؟

خط نمبر ۳۹۶

بنام بدھن شاہ (از شاہ نور) (۲۲ر حیدری = ۱۹ر نومبر ۱۷۸۶ء)

آپ نے دشمن کے سرداروں کے نام دریافت کیئے ہیں۔ جو اس جنگ

میں شکست سے چور ہو گئے ہیں۔ ان کے نام بالاجی فرنویس اور مادھو راؤ ہیں۔ کیا آپ اپنی دعاؤں میں دشمن کی شکست اور سربلندی دینِ محمدی کے لئے دعا کریں گے؟"

خط نمبر ۳۹۷

بنام موسیو سوفرن۔ پانڈیچری (از شاہ نور) (۲۲ حیدری ۔ ۱۹ نومبر ۱۷۸۶ء)

آپ کا خط ملا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے یہاں (ہندوستان) کے حالات سے اپنے بادشاہ کو اطلاعات دی ہیں۔ اور ان دوستانہ تعلقات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ہمارے اور آپ کے درمیان ہیں۔ اور یہ بھی مطلع کیا ہے کہ فرانسیسی جنگی جہاز بہت جلد ان سمندروں میں آنے والے ہیں۔"

آپ نے لکھا ہے۔ کہ جب کبھی سرکار خداداد کے وکیل بعزم یورپ، پانڈیچری آئیں گے۔ تو گورنر نے یقین دلایا ہے کہ ان کا، ان کے درجہ کے مطابق احترام کرتے ہوئے، انہیں یورپ بھیج دیا جائیگا۔ ہم نے آپ کی حاضری میں جو احکامات دیئے تھے۔ ان کے مطابق درویش محمد خاں۔ اکبر علی خاں محمد عثمان اور دوسرے سرداروں کو خطوط اور تحائف دے کر روانہ کیا گیا ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ مذکورہ بالا افسروں کو ان کی ضروریات سفر مہیا کریں گے۔ جن کی قیمت یہاں سے ادا کر دی جائیگی۔ اور یہ بھی یقین ہے کہ جہاز میں ان کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا جائے گا۔"

ہم کو غلام علی خاں۔ لطف علی خاں۔ نور اللہ خاں اور دوسرے سرداروں سے

جو یورپ بھیجے گئے تھے، معلوم ہوا کہ وہ بخیریت بصرہ پہنچ چکے ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ ان سمندروں میں طوفانی ہواؤں کی وجہ سے جہاز زیادہ عرصہ تک بندرگاہوں میں ٹھہرنا مشکل ہے۔ اس لئے گورنر نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جزیرۂ مراشش جاکر ایک عمدہ جہاز لایا جائے۔ اور آپ اس کے لئے جائیں گے۔

آپ نے خط میں دریافت کیا ہے کہ آیا ہم نے یم کا سکنی گورنر پانڈیچری کی درخواست کے مطابق شاہ فرانس سے ان کی سفارش کی ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ بے شک ہم نے سفارش کی ہے۔

اُن خطوط کی نقلیں جو گورنر پانڈیچری نے مرہٹوں اور نظام علی خاں کو لکھے تھے، ہمیں ملیں۔

آپ کے اس خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت جلد پانچہزار بندوقیں فرانس سے منگلور یا کلی کٹ پہنچ جائیں گی۔ ہم نے وہاں کے عاملوں کو ان کے متعلق لکھ دیا ہے۔ کہ اب آپ جو جزیرۂ مراشش جا رہے ہیں۔ تو پانچہزار بندوقیں اور اپنے ہمراہ لیتے آئیں۔

خط نمبر ۳۹۳

بنام شمس الدین خاں و دیگر افسران و (از شاہنور) ۲۲ رجب‌دی = ۱۹ نومبر ۱۷۸۶ء)
داروغہ توشہ خانہ سرنگاپٹم۔

تمہارا خط ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فی الوقت دارالضرب میں سونا چاندی

کس قدر ہے۔ ہم نے چند دن پہلے تم کو حکم دیا تھا۔ کہ ایک علیحدہ تجوری میں پانچ لاکھ روپیہ اٹھا کر رکھ دو۔ ہمارا ارادہ ہے۔ کہ اس رقم سے نجف (اشرف) میں ایک نہر بنوائی جائے یہ رقم حیدری روپیوں آدھے روپے اور چار روپیوں کی صورت میں ہونی چاہئے۔ یہ سکے یا تو دارالضرب سے حاصل کئے جائیں یا ملک سے جو مال گزاری آتی ہے۔ اس سے جمع کی جائے۔ ان احکام کو دہراتے ہوئے حکم دیا جاتا ہے۔ کہ اس تجوری پر ایک مہر لگا کر ایک طبلق اس مضمون کا لکھ کر لگا دیا جائے ۔"

"اس تجوری میں وہ روپیہ جمع ہے۔ جو دریائے فرات سے مشہد علیؑ تک بنائے جانے والی نہر کیلئے ہے اس میں سے ایک دام بھی کسی دوسرے کام پر خرچ نہ ہو۔"

تبصرہ

میر غلام علی خاں کو جو ترکی جانے والے وفد کا سردار تھا۔ سلطان نے جو ہدایات دی تھیں، ان میں سلطان نے ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ سلطان ترکی سے نہر نکالنے کی اجازت لی جائے۔ اگر ترکی کی تاریخ دیکھی جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ ترکی سلطنت کا یہ دور انحطاط تھا۔ اور اس کے حکام بالکل خود غرض اور بے پرواہ تھے۔ میں نے ترکی کے اس وقت کے کچھ حالات تاریخ سلطنت خداداد میں بھی اسی سلسلے میں دئے ہیں مختصر یہ کہ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

جب یہ سفارت قسطنطنیہ پہنچی۔ تو بمشکل نو ماہ کے بعد باریابی ملی اور سلطان کی پیش کردہ تجاویز کا سلطان سلیم نے مضحکہ اُڑایا۔ ترک اس زمانہ میں علم و فن سے اس قدر عاری ہو گئے تھے۔ کہ جب نہر کی تجویز وزیر اعظم کے سامنے پیش ہوئی۔ تو اس نے کہا:۔ یہ کام تو دیو و جنات سے ہی ہونا ممکن ہے۔"

"چنانچہ نہر بنانے کی اجازت نہیں ملی!"

خط نمبر ۳۹۹

بنام غلام علی خاں (۲۲ رحیدی ۱۲۰۱ء، ۱۹ نومبر ۱۷۸۶ء)

آپ نے اطلاع دی ہے۔ کہ آپ بخیریت مسقط پہنچ گئے، اور ۲۵ کو بصرہ جائیں گے اسی خط میں آپ نے لکھا ہے۔ کہ مسقط سے ایک جوڑی ہرکاروں کے ذریعہ تفصیل وار خط اور دو چھوٹے پارسل بھیجے ہیں۔ یہ ہرکارے ابھی تک یہاں نہیں پہنچے۔

اطلاع دیں۔ کہ اس جہاز میں جو واپس آنے والا ہے، آپ نے کن آدمیوں کو بھیجا ہے باوجود ان تحریری احکام کے جو آپ کے نام جاری کیے گئے، آپ لکھتے ہیں۔ کہ تفصیل شاہ نور اللہ کے خط میں دیکھی جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہمارے احکام کا بغور مطالعہ نہیں کیا۔ بہ مصداق

"برآمد عاشقاں بر شاخ آہو"

آپ آئندہ تحریری احکام کے مطابق عمل کریں۔

افسوس ہے کہ جوقدار مبارک خاں فوت ہو گئے۔ آپ چاہتے ہیں کہ محمد . . کو جوقدار بنایا جائے۔ آپ اس وفد کے سردار ہیں۔ اس معاملہ میں آپ کو پورا اختیار حاصل ہے۔

موسم کی خرابی اور دیگر موانعات کا خیال کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فرانس پہنچنے تک بہت دیر لگ جائے گی۔ اس لئے ہم نے محمد درویش اکبر علی خاں، عثمان خاں، و دیگر افسروں کو خطوط اور تحائف دے کر پانڈیچری سے براہ راست فرانس روانہ کیا ہے۔

خبر ملی ہے کہ ایک ہاتھی راستہ میں مر گیا۔ آپ نے اس بات کا ذکر اپنے خط میں نہیں کیا ہے۔

تبصرہ

ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے کہ یہ سفارت بصرہ میں قریب نو ماہ کے رہی۔ بصرہ کے گورنر نے باب عالی سے حکم کے آنے تک اس کو آگے نہیں جانے دیا۔ ترکی سلطنت میں اس وقت جو اندھیر نگری تھی۔ یہ اس کا نتیجہ تھا۔

خط نمبر ۴۰

بنام ارشد بیگ خاں، عامل کلی کٹ (۲۵ رحیدی = ۲۲ نومبر ۱۷۸۵ء)

عامل کرم ناد "گوپا" سے اطلاع ملی ہے کہ اس علاقہ میں چوروں اور رہزنوں کی کثرت ہو گئی ہے۔ یہ اطلاع ملفوف ہے۔ ان کے انسداد کی تدبیر کرو۔

شریر (باغی) اور ان کے سرغنہ، جو مارے گئے، مارے گئے۔ لیکن باقی آدمیوں کو جو گرفتار ہوئے ہیں۔ کیوں سزائے موت دی جائے؟۔ چاہے وہ گورے ہوں یا کالے۔ انہیں سرنگاپٹم بھیج دیا جائے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

سلطان کا ارادہ باقی آدمیوں کو سرنگاپٹم میں سزائے موت دینے کا تھا۔ اور گوروں سے مراد انگریز اور پرتگالی ہیں۔"

اگر سزائے موت دینا ہی تھا۔ تو سلطان انہیں سرنگاپٹم روانہ کرنے کے لئے نہ لکھتا۔ وہ تو اس وقت میدانِ جنگ میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کا ارادہ انہیں یہاں بلا کر تعلیمِ اسلام دینا یعنی احمدیوں میں داخل کرنا تھا۔ گوروں سے مراد ایسٹ انڈیا کمپنی کے وہ انگریز ہیں۔ جو سلطنت خداداد کے اندر داخل ہو کر سازشیں کرتے تھے۔ اور لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتے تھے۔ ممکن ہے۔ کہ پرتگالی بھی ان کے شریک ہوں۔"

خط نمبر ۱۰۴

بنام محمد یوسف (عیسیٰ؟) عامل افضل آبادی نگر (۲۷ رجب ۔ ۲۴ نومبر ۱۷۸۵ء)

جنگلات میں الائچی جمع کرنے کا موسم قریب آرہا ہے۔ ہم نے اطلاع دی تھی۔ کہ ہم وہاں اس کام کے لئے سیدوں اور شیخوں کے چند خاندانوں کو بھیجنے

والے ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے۔ کہ یہ زمینیں ان لوگوں میں تقسیم کر کے دے دی جائیں۔ اور الاپچی اُن سے خریدی جائے۔
یہ بھی تمہارے خط سے معلوم ہوا۔ کہ تمہارے ضلع میں چوروں کی زیادتیاں بڑھ گئی تھیں۔ اور جب انہیں گرفتار کیا گیا۔ تو انہوں نے فوج اسداللہی میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔
حکم دیا جاتا ہے۔ کہ ان کی خواہش کے مطابق انہیں فوج میں داخل کر لیا جائے۔"

تبصرہ

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے:-
"ایک اور خط سے جس کو میں نے اس مجموعہ میں نہیں دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ الاپچی سرکاری اجارہ داری میں تھی۔ اور اس کو جمع کرنے کے لئے جو غیر مسلم لوگ تھے وہ بہت چور تھے۔ اور مال کی چوری کرتے رہتے تھے۔ جس سے سرکار کو بہت نقصان ہوتا تھا۔ ان متواتر نقصانات سے بچنے کے لئے سلطان نے شیخوں اور سیدوں کو اس کام پر مامور کیا۔ اور ان کو زمینیں دیں۔ لیکن سنداً کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ لوگ غیر مسلموں سے بڑھ کر چور نکلے۔ اور یہ بھی سنداً کہا جا سکتا ہے۔ کہ سلطان کی حکومت میں اکثر آصفان ضلع اور عاملان تعلق مسلمان تھے۔ اور انہوں نے وفاداری کا حلف بھی اُٹھایا تھا۔ لیکن پھر بھی غبن برابر ہوتا رہا۔ جس کا اندازہ بندہ بیس لاکھ

کنتراڈی پگوڈے سالانہ کیا جا سکتا ہے"

کرنل بٹسن بھی اپنی تاریخ کے ضمیمے کے صفحہ ۶۰ پر لکھتا ہے:-

باوجود سلطان کی تنظیمی قابلیت اور حد درجہ نگہداشت کے شاید ہی کسی عالم کو اس کے ملازموں نے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اتنا دھوکا دیا ہو، جتنا سلطان کے ملازمین نے اسے دیا۔[۱]

میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے صفحہ ۳۵ پر سردار کنتراج ارس (Kantaraj Urs) نے لکھا ہے:-

ٹیپو کو غبن اور رشوت سے سخت نفرت تھی۔ اس نے ان کے انسداد کے لئے جون ۱۷۹۴ء میں سرنگاپٹم کے لال باغ میں اپنے تمام بڑے اور چھوٹے افسروں کو جمع کر کے حلف اٹھانے کو کہا۔ مسلمان نے قرآن پر، برہمنوں نے راماین پر اور دوسروں نے دودھ اور چاول پر قسم کھائی۔ لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا۔

خط نمبر ۴۰۲

بنام دیوان کرمہ کنڈہ — رقیم طلوعی ۲۸ نومبر ۱۷۸۶ء)

اطلاع دی جاتی ہے، کہ پالیگاروں اور دوسرے باغیوں کی سرزنش کی ذمہ داری بخشی احشام پر ہے نہ کہ تم پر۔ اور اسی طرح قلعوں کی حفاظت کا کام بھی صرف بخشی احشام کے ذمہ ہے۔

---

[۱] اس سلسلہ میں قاضیوں کے نام حکمنامہ کے تحت جو تبصرہ دیا گیا ہے۔ دیکھا جائے۔

خط نمبر ۴۰۳

بنام محمد درویش و دیگر وکیلان برائے فرانس (۲۶ طلوعی ۱۲۱۲ ۲ نومبر ۱۷۸۶ء)

اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ وینکٹ راؤ ہرکارہ اور کمال محمد کے بدست ایک عندیچی ارسال ہے۔ اس میں ایک ہیرے کی انگوٹھی ہے۔ تم کو جو لعل کی انگوٹھی شاہِ فرانس کو بطور تحفہ دینے کے لئے دی گئی تھی۔ اس کو واپس کر دو۔ اور اس کی بجائے یہ ہیرے کی انگوٹھی شاہ فرانس کو تحفہ میں دو۔"

خط نمبر ۴۰۴

بنام غلام غضنفر (۲۴ طلوعی ۔ یکم دسمبر ۱۷۸۶ء)

(نوٹ: کرک پیٹرک نے بجائے پورا خط دینے کے حسب ذیل اقتباس دیا ہے:۔

تم نے لکھا ہے۔ کہ ڈیکٹس ڈیوے مہاجن نے وعدہ کیا ہے۔ کہ پندرہ دن کے اندر وہ اپنے وعدہ کو پورا کریگا۔ چھ سال سے یہ بدعہد شخص اسی طرح کر رہا ہے۔ وہ بالکل جھوٹا ہے۔ تم کو چاہئے۔ کہ مدت مقررہ گزرنے پر سختی سے مطالبہ کرو۔

ہم کو کنڑی پرچہ نویسوں سے معلوم ہوا ہے کہ محی الدین علی خاں (دیوان کڑپہ) کو باوجود پیرانہ سالی کے رقص و سرود کی محفلوں کا شوق ہے اور وہ ایسی محفلیں منعقد کر رہے ہیں مذکور محی الدین علی خاں یہاں رہ کر ہمارے طور و طریق دیکھ چکے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہے۔ کہ ما بدولت رقص و سرود کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ وہاں جا کر وہ پھر اسی شوق

میں پڑ گئے ہیں۔ یہ [illegible] زیادہ دولت کا نشہ ہے۔ تم اس
موقع پر کیوں [illegible] ان کاموں سے انہیں کیوں منع نہیں کرتے [illegible]

تبصرہ

مذکورہ بالا خط میں سلطان نے لکھا ہے کہ :-

" مذکور محی الدین [illegible] طریقہ
[illegible] پہنچ گئے ہیں "

سلطان کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر اس کو [illegible]

(۲) [illegible]

اس کو [illegible] کے
بعد [illegible] کو
پھر اس کو اپنے ساتھ [illegible] تھا۔

اول الذکر [illegible] لکھتا ہے کہ :-

سلطان کے تمام [illegible]
اور یہی اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ہوا۔

انہیں [illegible] وغیرہ [illegible]
پر باعث [illegible] اس کی [illegible] انتظام

لیبا۔"

آخرالذکر کے متعلق خود یہ خط شاہد ہے۔ یہاں جو دہرانے کی ضرورت نہیں کہ بحث مختلف مذہبی مسائل سے تمام بلکہ رات کو بھی سلطنت کے کاموں میں منہمک رہتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا مذہبی شغف جس کا خود انگریزی مورخوں نے اعتراف کیا ہے یہ ہے کہ وہ مذہب کا نہایت پابند تھا۔ اس کی پنجگانہ نمازوں میں روزِ شہادت تک ایک وقت کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ مسجدِ اعلیٰ کے افتتاح کے وقت پہلی نماز کا اقتدا اس کا بین ثبوت ہے۔ کرک پیٹرک لکھتا ہے کہ سلطان کے خطوں میں اکثر وقت "شب" لکھا ہوتا ہے۔ اس سے مراد نصف شب کے بعد کا وقت ہے کیونکہ نصف شب سے پہلے حصہ کو شام کہا جاتا تھا" اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ وہ تہجد گزار تھا تو تعجب انگیز نہیں۔

ارمغانِ حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔

شاہِ غازی کے مصاحبان و خادمانِ صادق البیان سے میں نے سنا ہے۔ کہ سلطانِ ممدوح اپنے ایامِ بلوغ سے روزِ شہادت تک کوئی وقت کسی حالت میں بھی بے وضو نہیں رہا۔ حتیٰ کہ وہ کبھی معرکوں میں بذاتِ خود مجادلہ و مقاتلہ کا ارادہ کرتا۔ تو قبل اسلحہ باندھنے کے وضو سے فراغت پاتا۔ اور فنونِ سپہ گری کی مشق کرتا تو بغیر وضو نہ کرتا۔ اور شب میں محل میں تشریف لے جاتا تو تقدیماً

وضو فرماتا ہو اس کی مبارک نصیحت تھی کہ :-

"مسلمانوں کو طہارت سے صفائی قلب ہوتی ہے"

اس کی حیا داری کے متعلق یوں بیان کیا جاتا ہے :-

"یقیناً وہ سلطان حیا کا ہم قدم تھا۔ اس کے معتمد راویوں سے میں نے سنا ہے کہ شعور سے تا روز شہادت کوئی خادم یا لونڈی اس کے بازو یا ساق یا کو عریاں نہ دیکھ سکا۔ اس کو ساٹھ سال کی عمر میں اچھا کرتا پہننے کی عادت پڑ گئی تھی۔ [illegible] اس کی وجہ سے اس کی [illegible] وہ سلطان [illegible] کہتی تھیں"

وکس اور بوکلے جیسے متعصب مورخین کو بھی سلطان کی اس حیاداری اور مذہبی شفقت کا اعتراف ہے۔ ڈاکٹر بوکانن نے جو زوال سلطنت کے بعد سرنگاپٹم آیا ہوا تھا۔ سلطانی محل کو دیکھ کر لکھا ہے کہ :-

"سلطان کے سونے اور بیٹھنے کے کمروں کی دیواریں آیات قرآنی سے مزین ہیں۔ چھت پر بھی آیات قرآنی کا نقش تھا۔ اور یہ تمام آیات قرآنی طلائی حروف میں لکھی ہیں۔"

محی الدین علی [illegible] صاحب کا ذکر اس خط میں آیا ہے [illegible] کا دیوان تھا۔ وکس نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ [illegible] عیاش

تھا۔ اور اس کی زندگی کے بدل [illegible] سلطان نے لئے اس کو بلا کر اپنے ساتھ رکھا پھر اس کے عہدہ پر [illegible] تھا۔

ایسے حالات میں اور صاحب [illegible] کی چشم پوشی [illegible] کا خیال کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] لیکن یہی افسر جب اپنے عہدہ پر پہنچ جاتے اور [illegible] کر لیں تو اس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] سلطنت پر جو زوال اور ادبار آ رہا تھا یہ اس کی چشم پوشی [illegible] تھی۔

زوال سلطنت کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس وقت تک ملک جمہوریت [illegible] نا آشنا تھا۔ سلطان نے جب تک تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے تھے انتظام برابر چلتا رہا لیکن اصلاحات کے سلسلے میں اس نے جب پارلیمنٹری طرز حکومت قائم کی اور زمرۂ "غم نباشد"[1] کا نام دے کر تمام اختیارات وزراء کو سونپ دیئے۔ تو ان بد باطنوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خود غرضیوں پر اتر آئے جس کا نتیجہ وہی ہونا تھا جو ہوا۔ اسی لئے ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ

---

[1] زمرۂ غم نباشد کے متعلق نشانِ حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ پارلیمنٹ تھی لیکن دراصل یہ میر صادق کی کابینہ تھی جس کا صدر میر صادق تھا۔ نشانِ حیدری کا مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ اس مجلس کو میر صادق نے بیکار بنا رکھا تھا۔

"ٹیپو اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا"

خط نمبر ۴۰۵

بنام بدر الزماں خاں (۴ر طلوعی = یکم دسمبر ۱۷۸۶ء)

ہم نے اس سے پہلے بھی لکھا تھا اور اب پھر لکھا جاتا ہے۔ کہ آپ اپنی ماتحت فوج کا مناسب انتظام کر کے اس کو اپنے فرزند کے حوالے کریں اور اس ملک کے اندرونی حصے سے یا گھنے جنگلوں کے راستے سے ہوتے ہوئے حضوری میں حاضر ہو جائیں۔ ہم نے آپ کی مشایعت کے لئے خضر خاں کو دو سو سوار دے کر بھیجا ہے۔ آپ کو احتیاط سے جلد سفر کرنا چاہیئے۔ ہمارا خاص جلو یہاں سے بہت جلد گرم کٹہ کو روانہ ہونے والا ہے۔

خط نمبر ۴۰۶

بنام حیات علی نمبی ۔ دیوان دوم ۔ بنگلور (۵ر طلوعی = ۲ر دسمبر ۱۷۸۶ء)

تم نے لکھا ہے کہ ہم تمہارے خطوں کا جلد جواب نہیں دیتے۔ آں عظمت نشان کو صرف اتنا کام ہے کہ دن میں دو تین وقت کھانا کھا لیا۔ آرام سے بیٹھے رہے اور بات چیت میں دل بہلایا۔ بہ خلاف اس کے ہم کو صبح سے لے کر رات تک کام ہی کام کرنا پڑتا ہے۔ اور جب کچھ مہلت ملتی ہے۔ تو ہم تمہارے خطوں کا جواب لکھنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

تبصرہ

کرک پیر طک لکھتا ہے۔کہ اس خط میں آن عظمت نشان کا خطاب طنزاً لکھا گیا ہے۔

خط نمبر ۴۰۷

بنام محمد درویش و دیگران (سفیران برائے فرانس) (۱۴ طلوعی = ۳۰ دسمبر ۱۷۸۶ء)

حکم دیا جاتا ہے۔کہ تم شاہ فرانس سے درخواست کر کے ملک فرانس سے ایک قابل طبیب۔ ایک قابل عطار جو دوا سازی میں بہت ماہر ہو۔ اور ایک قابل سرجن (جراح) کو حاصل کرو۔ اور ان لوگوں کو ہمراہ لاؤ۔

تبصرہ

سرنگاپٹم میں جو محل تھا۔ اس میں دوا سازی کا بھی ایک شعبہ تھا۔ اور سلطان نے "جمیع الامور" کے نام سے جو یونیورسٹی قائم کی تھی۔ اس میں طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

خط نمبر ۴۰۸

بنام دیوان چتل درگ و دیگر افسران (۱۴ طلوعی = ۱۱ دسمبر ۱۷۸۶ء)

(از کنار تنگ بھدرا)

حکم دیا جاتا ہے۔کہ تم ایک معتمد شخص کو پاتین گھاٹ روانہ کرو۔ تاکہ وہ وہاں اُن لوگوں کو جو شریف ہیں۔ مگر تنگ دستی میں بسر کرتے ہیں، سرکار خداداد میں

آکر آباد ہونے کی ترغیب وتحریص دلاتے ہیں۔ اس کام کے لئے جو شخص مقرر ہوگا۔ اس کے لئے پاسپورٹ ملفوف ہے۔ اُس کو چاہئے۔ کہ ان لوگوں کے ناموں کی فہرست بناکر حضور میں ارسال کرے۔ جو میسور میں آکر آباد ہونا چاہتے ہیں۔"

تبصرہ

اُن لوگوں کو جو باہر سے آکر میسور علاقہ میں آباد ہونا چاہتے تھے سلطان نے بہت سی مراعات دی تھیں۔ افسوس ہے۔ کہ کرک پیٹرک نے اس کا ذکر اور تفصیل نہیں دی۔

خط نمبر ۴۰۹

بنام موسیولالی (۱۲ رطلوعی = ۱۱ ردسمبر ۱۷۸۶ء)

آپ کو چاہئے۔ کہ اپنے کیمپ میں ایک سے زیادہ شراب کی دکان کی اجازت نہ دیں۔ اور اس دکان پر ایک پہرہ مقرر کر دیا جائے۔ کہ سوائے یورپین لوگوں کے جو آپ کے ماتحت ہیں۔ دیسی باشندوں کے ہاتھ شراب فروخت نہ کرے ہماری اپنی فوج میں اس قسم کے دکان کی اجازت نہیں دی جاتی۔"

تبصرہ

کرک پیٹرک نے اس خط پر تبصرہ نہیں کیا ہے۔ اس لئے یہاں دوسرے مورخین کی تحریریں اس بارۂ خاص میں دی جاتی ہیں۔

(۱) ٹیپو نے اپنی تمام مملکت میں نہ صرف شراب بلکہ تمام

نشہ آور چیزوں کی فروخت کی مخالفت کر دی تھی۔ اس نے یہ حکم جاری کرتے ہوئے لکھا تھا کہ خدا نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔

(ایچ۔ آر۔ کیمبل۔ آئی۔ سی۔ ایس
رائیل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل اکتوبر ۱۹۱۹ء)

(۲) بہ حیثیت ایک پکا مسلمان ہونے کے ٹیپو نے نہایت سختی سے شراب بلکہ تمام نشہ آور چیزوں کی فروخت حکماً بند کر دی تھی مگر اس کا یہ حکم عوام کی خواہش کے خلاف تھا لیکن اس نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک نہایت عاقل ریفارمر کا کام کیا تھا۔
(تاریخ بورنگ صفحہ ۲۰۲)

خط نمبر ۱۰۴

بنام موسیو کاسگنی وگورنر پانڈیچری۔ گورنر مدراس (۱۸ طلوعی = ۱۵ ر دسمبر ۱۷۸۶ء)
غلام علی خاں۔ امام مستقط و دیگران۔

مرہٹوں اور نظام علی خاں کی متحدہ فوج جس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ (سوار اور پیادے) تھی۔ مع بھاری توپ خانہ شاہنور سے دس یا بارہ کوس کے فاصلہ پر، ہم پر حملہ کرنے کی نیت سے آئی۔ دشمن کی اس نقل و حرکت کی خبر ملتے ہی ہم بھی اپنا توپ خانہ اور دیگر سامان لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔

یہ معرکہ ۱۱ر صفر سنہ ۱۲۰۱ھ (۲ر دسمبر ۱۷۸۶ء) کے دن ہوا۔
ابھی دست بدست لڑائی کی نوبت نہ آئی تھی کہ دشمن، ہمارے

توپ خانہ کی شدید گولہ باری سے گھبرا کر بے اختیار بھاگ گئے مجبور ہو گیا۔ اس پر ہماری فوج ظفر موج نے دشمن کو شکست [illegible] اس کا تعاقب کیا۔ اور ان بھگوڑوں میں سے بہت بڑی تعداد کو یا قتل کیا گیا یا قیدی بنا لیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کا کل سامان باربرداری ہمارے ہاتھ آیا۔ مزید برآں [illegible] ہاتھی اور اونٹ (جن پر مختلف قسم کا سامان بار تھا) چھ ہزار بیل، پانچ ہاتھی [illegible] بیس علم اور نقارے۔ اور سات آٹھ ہزار گھوڑے ہاتھ آئے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے حاشیہ میں یہ لکھتا ہے

اس جنگ (جو ۱۱ دسمبر کو ہوئی) کی تفصیل جو سلطان نے اپنی یادداشتوں میں لکھی تھی، مجھے نہیں ملی۔ [illegible] کاغذات اس یادداشت (جس کا ذکر آگے کیا گیا ہے) سے کم ہیں۔ بہرطور اس میں شک نہیں کہ سلطان نے اس موقع پر مرہٹوں اور غلام علی خاں پر ایک فیصلہ کن ضرب لگائی تھی۔ اور یہ معرکہ شانور کی جنگ سے کچھ بڑا تھا۔ اس فتح نامہ کو سلطان نے [illegible] کو بھیجا [illegible] غلام علی خاں اربکیل برائے ترکی، اور [illegible] اس فتح نامہ کے ساتھ [illegible] سلطان نے لکھا تھا۔

لفوفہ خط آپ غلام علی خاں کو بھیج رہے ہیں اور آپ کی خواہش کے مطابق اپنا ایک وکیل یہاں روانہ کریں۔ آپ کو چاہیے کہ اپنی سرکاری تجارتی کوٹھیاں سلطنت خداداد کی مختلف بندرگاہوں

میں کھولیں۔ کیونکہ ہم نے طے کر دیا ہے۔ کہ چاول کا ایک دانہ بھی نصرانیوں کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ معلوم ہو۔ کہ یہ نصرانی اگر مسقط کا پاسپورٹ بھی لے کر آئیں۔ تو ان سے کوئی لین دین نہ ہوگا۔ تجارت کی اجازت صرف مسقط کے اصلی باشندوں کے لئے ہے۔

آپ کچھ تخم زعفران اور عمدہ نسل کے خچر روانہ کریں۔ کیونکہ ان اشیا کی خوبی اور خرابی کے باب میں آپ کامل معلومات رکھتے ہیں۔

خط نمبر ۱۱۴

بنام غلام علی خاں بصرہ (۱۸ ار طلوعی = ۱۵ ار دسمبر ۱۷۸۵ء)

ہم کو امام مسقط کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ جو کشتیاں آپ کے ساتھ سفر میں تھیں، ان میں سے ایک جل گئی ہے۔ اس پر بہت تعجب ہوا۔ آپ نے اپنے خط میں اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ اس کے متعلق تفصیلاً اطلاع دیں۔ ہم کو یقین ہے۔ کہ آپ بصرہ سے آگے بڑھ گئے ہونگے۔ اطلاع دیں۔ کہ آپ کو اور کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔

خط نمبر ۱۱۴

بنام حشمتی یار خاں، دیوان زین العابدین (۲۱ ار طلوعی = ۱۶ ار دسمبر ۱۷۸۵ء)
بخشئ احشام چتل درگ

تمہارا تہنیت نامہ جو ہماری حالیہ فتح پر تھا۔ اور بیس روپے نذر کے موصول

ہوئے۔ تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خدائے قادر و توانا کی بارگاہ میں نہایت عاجزی سے دعا مانگیں کہ وہ اپنی رحمت سے فوج اسلام کو ہمیشہ مظفر و منصور رکھے۔ اور دشمنوں کو ذلیل و خوار کرے۔

خط نمبر ۴۱۳

بنام محی الدین علی خاں و غلام غضنفر کرڑپہ (۲۴ طلوعی ۱۲۱۰ / ۲۱ دسمبر ۱۷۸۶ء)

دشمن کی سوار فوج سے تمہارے مقابلہ کا حال معلوم ہوا۔ اس خبر سے خوشی ہوئی کہ تم نے دشمن کے چھ آدمی گرفتار کئے۔ اور غنیمت میں بارہ گھوڑے ملے۔ ان بارہ گھوڑوں کی قیمت پکڑنے والوں کو دے کر گھوڑے سرکاری رسالہ میں بھیج دیں۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"اس خط میں دشمن سے مراد حیدر آبادی سوار ہیں۔ جو کرڑپہ آکر قلعہ سے باہر شہر کو لوٹتے تھے"۔

اس قدر لکھنے کے بعد وہ پھر لکھتا ہے:۔

سلطان نے اس فتح کی خوشی میں جو اُسے شاہنور سے دس یا بارہ کوس کے فاصلہ پر حاصل ہوئی تھی (خط نمبر ۴۱۰) مختلف درگاہوں کے سجادہ نشینوں کو تحائف بھیجے۔ ان سے اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ سجادہ نشین اس کی ہدایت پر عمل کریں یعنی لوگوں کو جہاد پر آمادہ کریں

اور جو عمدہ بھی پہناؤ کے لئے تھیں۔

خط نمبر ۲۱۴

بنام شمس الدین خاں۔ داروغہ توشک خانہ سرنگاپٹم (۲۹ ذالحجہ) ۲۲ دسمبر ۱۷۸۵ء

از میدان جنگ (رٹہ و تمباہلو)

تم نے اطلاع دی ہے۔ کہ دارالضرب کے کارخانہ کے کاریگروں نے پدکیں زنجیریں اور انگوٹھیاں بنانے کے لئے اور سونا طلب کیا ہے۔ چونکہ باہر کے خزانوں سے ابھی تک سونا وصول نہیں ہوا، اس لئے تم مقدار مطلوبہ کے فراہم کرنے سے قاصر ہو۔ اور تم نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ بارہ سو پگوڈا سونا جو دارالضرب سے اسی مقصد کے لئے دیا گیا تھا۔ وہ ابھی دارالضرب کو واپس نہیں دیا گیا ہے۔ جواباً اطلاع ہے۔ کہ توشہ خانہ میں جہاں ہاتھی دانت رکھے گئے ہیں، کئی لاکھ کا سونا۔ چاندی اور اشرفیاں موجود ہیں۔ کیا وہ سونا چاندی اسی جگہ نہیں ہے؟ اس جگہ سے مقدار مطلوبہ لے کر کام چلائیں۔ لیکن کاریگروں کو دینے سے پہلے دارالضرب میں اس کو پرکھ لیا جائے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

سلطان نے سالگرہ کی خوشی میں اپنے افسروں کو انعامات دیئے تھے اور یہ انعامات طلائی پدکیں کڑے، زنجیریں یا انگوٹھیاں وغیرہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ مادھو خان کو جو انگوٹھی دی گئی۔ اس کے

شفیق بہ بدرالزماں خاں بہادر لکھا ہوا تھا[1]۔ سلطان نے اس موقع پر سلطنت کی مختلف کچہریوں اور فوجی ڈویژنوں کو سونے اور چاندی کی مہریں بھی دی تھیں۔ ان پر الفاظ "اسلام کی نصرت کا عطا کنندہ" تھا۔

اس جنگ میں پیادہ فوج کی دوسری اور چوتھی ڈویژن اور بارگیر سواروں کی دوسری اور تیسری ڈویژنوں نے جوہر نمایاں دکھائے تھے۔ چنانچہ تقسیم انعامات کے موقع پر ان کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا۔

خط نمبر ۴۱۵

بنام موسیو کاسگنی۔ گورنر پانڈیچری (۲ر یوسفی ۱۲۰۸ء ۲۸ر دسمبر ۱۷۸۶ء)

آپ نے لکھا ہے۔ کہ منرن (Menron) ۱۲ر اکتوبر کو جہاز لانے کے لئے جزیرہ ماریشس (Maruatius) گیا ہے۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں۔ کہ جہاز کے آنے تک ہمارے سفیر ایلور (Ellore) یا سلم (Salem) میں رہیں۔ انہیں حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ انت گیری میں ٹھہریں۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ڈچ (ہالینڈ والے) چونکہ فرانسیسیوں کے دوست ہیں۔ اس لئے ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔ دوست کا دوست، دوست ہی ہوتا ہے۔

---

[1] بدرالزماں خاں کو بعد میں عہدہ وزارت کے ساتھ پدک بھی دی گئی تھی۔

آپ نے جو بیرو میٹر بھیجا ہے، موصول ہوا۔ چونکہ اس کا پارہ پرانا ہو گیا ہے، اِس لئے یہ کام نہیں کرتا۔ لہٰذا آپ اس کی بجائے ایک نیا بیرو میٹر جو اسی سال کا بنا ہوا ہو۔ بھیج دیں۔

(نوٹ:۔ سلطان نے اس خط میں بیرو میٹر کے لئے لفظ "برامیتر" استعمال کیا ہے۔) (کرک پیٹرک)

خط نمبر ۴۱۶

بنام ارشد بیگ خاں۔ فوجدار کلی کٹ

۱۲ ریوسفی ۱۲۸ ر دسمبر ۱۷۸۶ء

تمہارا کعبۃ اللہ جانے کا ارادہ معلوم ہوا۔ تم اس سے باز آجاؤ۔ اور اپنے سرکاری کام میں لگے رہو۔ یہ بہتر عقل کا کام ہوگا۔ جو تم کروگے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر تبصرہ میں لکھتا ہے:۔

"ارشد بیگ خاں نے کلی کٹ میں کسی عورت سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا تھا۔ سلطان کو جب اس ناجائز تعلق کی خبر ملی۔ تو اس نے اس شخص کی فہمائش کی۔ لیکن ارشد بیگ خاں نے بجائے سلطان کی بات ماننے کے حج کو جانے کی اجازت طلب کی۔ یہ اجازت سلطان نے نہیں دی۔ لیکن جب ارشد بیگ خاں نے اصرار کیا۔ تو جیسا کہ ذیل کے خط سے ظاہر ہے۔ اس کو نظر بند کر دیا گیا اور اس کی داشتہ کو شہر بدر کر دیا گیا۔"

ہندوستان میں یہ عام دستور ہو گیا تھا کہ جب کبھی بادشاہ اس وقت کسی بات پر ناراض ہوتا تھا۔ تو لوگ حج کو جانے کی اجازت طلب کرتے تھے۔ اس کی بیشتر مثالیں اسلامی تاریخ ہند میں ملتی ہیں۔ جیسا کہ آجکل رائے عامہ اگر خفا ہو جائے۔ اور کوئی مدبر سیاست میدان چھوڑ کر بھاگے۔ تو کہا جاتا ہے کہ خرابی صحت کی وجہ سے پالیٹکس سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔

خط نمبر ۴۱

بنام دیوان کلی کٹ (۲ ربیع الثانی ـ ۲۸ دسمبر [illegible])

تم ارشد بیگ کو ارادۂ حج سے روک دو۔ بہتر ہے انہیں دوستانہ طریق سے طور پر سمجھایا جائے۔ اگر وہ نہ مانیں۔ تو ان کو نظر بند کر دو۔ اور ان کی داشتہ کو کلی کٹ سے شہر بدر کر دیا جائے۔ ارشد بیگ خاں کی عقل جب ٹھکانے آجائے۔ تو انہیں ان کے کام پر بحال کر دیا جائے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک لکھتا ہے:-

کہ عورت کو شہر بدر کرنے کے بعد ارشد بیگ خاں کو کام پر بحال کر دیا گیا۔

خط نمبر ۴۱۸

بنام موسیو کاسگنی گورنر پانڈیچری (۲ر یوسفی = ۲۹ ر دسمبر ۱۷۸۶ء)

یورپ سے ایک کتاب "بیرومیٹر" کے متعلق موصول ہوئی ہے - اس سے معلوم ہوا کہ بعض مقررہ اوقات پر اس کا پارہ چند ڈگریوں پر چڑھتا ہے - اور اگر ایسے وقت کوئی مریض اس پر اپنا ہاتھ رکھ دے - تو پارہ چڑھ جائے گا۔ اور معلوم ہو جائیگا کہ مرض کس درجہ پر ہے۔ اس کتاب کو فارسی میں ترجمہ کر کے بھیجیں -

خط نمبر ۴۱۹

بنام شمس الدین خاں ۔ داروغۂ توشک خانہ سرنگاپٹم (۵ ریوسفی = ۳۱ دسمبر ۱۷۸۶ء)

چمڑے کی وہ سربمہر تھیلی موصول ہوئی جس میں "مرہٹوں سے کئے گئے "عہدناموں" کے کاغذات ملفوف تھے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک اس خط پر لکھتا ہے :-

کہ معلوم ہوتا ہے - کہ مرہٹے اس وقت طالب صلح ہو گئے تھے ۔ اسی لئے سلطان نے پچھلے عہدناموں کو اس موقع پر طلب کیا تھا ۔

خط نمبر ۴۲۲

بنام مشیر الملک۔ حیدرآباد (۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۰۱ھ)

متصدی لچھمن راؤ کو ہم نے صرف اس لئے وہاں بھیجا تھا۔ کہ نظام الملک کے خیالات دریافت کریں۔ تاکہ یہ امر معلوم ہو۔ کہ محمد افتخار خاں کے ذریعہ ہم سے عہد نامہ کرنے کے باوجود وہ یکایک ہم سے کیوں پھر گئے اور مرہٹوں کا ساتھ دینے لگے۔

اس وقت بالواسطہ اطلاع ملی ہے۔ کہ اُس دوست (نظام علی خاں) نے اس متصدی کو نظر بند کردیا ہے۔ یہ واقعہ بہت حیرت انگیز ہے۔ بڑے آدمیوں کا رویہ اس قسم کا نہیں ہوتا لیکن اگر یہ بات سچ ہے۔ تو آپ متصدی مذکور کو یہاں بھیجدیں۔

خط نمبر ۴۲۱

بنام غلام حیدر۔ عامل بنگلور (۹ یوسفی ۔ ۲۴ فروری سنہ ۱۷۸۶ء)

یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ تم نے شراب کی کشید اور اس کی خرید وفروخت کو بالکل بند کردیا ہے۔ اور ان فروخت کرنے والوں سے آئندہ کے لئے عہد نامے لئے جائیں۔ اور ان کو کوئی دوسرا کام کرنے کی ترغیب دو۔

خط نمبر ۴۲۲

بنام سید محمد قلعہ دار سرنگاپٹم۔ (دار کنبڑکی تز کیل) (۱۰ ار یوسفی = ۵ جنوری ۱۷۸۶ء)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کرتا جو کڑپہ سے حاصل ہوا ہے، روانہ کیا جاتا ہے۔ اس متبرک و قیمتی یادگار کو وہاں کے امام کے سپرد کر دو۔ اور ان سے کہو۔ کہ اس تبرک کو بھی وہیں رکھا جائے۔ جہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر تبرکات و یادگاریں رکھی ہوئی ہیں۔

تبصرہ

خدا جانے یہ یادگاریں کیا ہوگئیں۔ مسجد اعلیٰ سرنگاپٹم میں جو آثار ہیں ان میں چند چھوٹے چھوٹے سبز رنگ کے کپڑے کے ٹکڑے ہیں جو بالکل بوسیدہ حالت میں ہیں۔ گمان ہے۔ کہ شاید اسی کرتے کے ہوں۔ واللہ اعلم۔

خط نمبر ۴۲۳

بنام یعقوب، ارمنی سوداگر و دیگر سوداگران (۱۲ ار یوسفی = ۱۱ جنوری ۱۷۸۶ء)

قول نامہ

تم جو اشیائے تجارت بھی ہمارے ملک میں فروخت کے لئے لاؤ گے، ان پر محصول معاف کیا جاتا ہے۔ لہذا تم بالکل اعتماد و اطمینان کے ساتھ براہ بری و بحری اپنا ریشمی مال و دیگر سامان تجارت لے آؤ۔ اور یہاں خرید و فروخت کرو۔

جہاں بھی تم یہاں لاؤ گے تم کو رہائش کے لیے مکان دیا جائے گا۔ اور اگر تم کو مستریوں اور مزدوروں کی ضرورت ہو تو اس مقام کے تعلقدار مناسب اُجرت طے کر کے تم کو مہیا کر دیں گے۔

خط نمبر ۴۲۴

بنام میر معین الدین۔ برہان الدین (وقت شب) (۱۷ ریوسفی = ۱۲ جنوری ۱۷۸۶ء)

بہادر خان و حسین علی خان۔

حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے کیمپوں کے آگے ملفوفہ نقشے کے مطابق ۲ دو مورچے تیار کریں۔ اور ان پر دو توپیں نصب کریں پھر پیادہ سپاہیوں کی ایک ایک کمپنی ہر مورچہ پر تعینات کی جائے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک نے اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے سلطانی کاغذات میں اس نقشے کی بہت تلاش کی لیکن نہیں ملا۔

خط نمبر ۴۲۵

بنام شمس الدین خان و دیگر داروغہ توشہ خانہ سرنگاپٹم (۲۲ ریوسفی = ۱۷ جنوری ۱۷۸۶ء)

پہلے جو اونٹ بھیجے گئے تھے ان کے ماسوا اب اور پچاس اونٹ بھیجے جاتے ہیں۔ اول الذکر پر خیمے لادو۔ اور آخر الذکر پر خزانہ بار کر کے بھیجو۔

خط نمبر ۲۴۲

بنام دیوان ظفرآباد۔

(۲۹ یوسفی = ۲۲ جنوری ۱۷۸۶ء)

ہماری حکومت کے منضبط اور مروجہ قانون کے مطابق تم جیش، پیادے اور مزدوروں کی تنخواہ بنا کر ان احکام کے مطابق تقسیم کر دو۔ جو تم کو دیے گئے ہیں یعنی ہر ایک کی تنخواہ تمہاری حاضری میں دست بدست دو۔ تنخواہ کی رقم قلعہ دار کو تقسیم کے لیے تم نہ بھیجا کرو۔ اگر تم ایسا کریں گے۔ تو حکم نامہ میں جو سزا ہے۔ تم اس کے مستوجب قرار پاؤ گے۔

خط نمبر ۲۴۳

بنام راجہ رامچندر، دیوان بنگلور

(۱۸ ایزدی = ۲۸ جنوری ۱۷۸۶ء)

حکم دیا جاتا ہے کہ تم خزانۂ عامرہ سے دو ہزار روپے اپنے بھتیجے کی شادی کے لیے لے لو۔ یہ تم ہماری جانب سے تحفہ ہے۔ تم شادی کے بعد اپنے بھتیجے کے متعلقین کو کرناٹک سے یہاں بلا لو۔

خط نمبر ۲۴۴

بنام بدرالزماں خاں

(۱۸ ایزدی = ۲۸ جنوری ۱۷۸۶ء)

دو راستباز اور ملکیت آشنا ہوئے دو خطوط آپ کے ملاحظہ کے لیے ملفوف ہیں۔ جو شیخی رسماں پر خطوط لائے ہیں۔ ان کو بھی آپ کے پاس بھیجا جاتا ہے آپ ان خطوط کو پڑھنے کے بعد مرہٹہ کیمپ میں جا کر صلح کے خلاف سے نفرت و تنقید شروع کر دیں۔

عقیق کی ایک مہر جس پر آپ کا نام کندہ ہے، پٹن (سرنگا پٹم) سے موصول ہوئی ہے۔ چونکہ یہ انگشتری میں بٹھائی نہیں گئی ہے۔ اس کو انگشتری میں بٹھا کر آپ کے پاس بھیج دی جائے گی۔

خط نمبر ۴۲۹

بنام میر ابراہیم (۷ رایزدی = ۱۳ جنوری ۱۷۸۶ء)

تمہارا متعلقہ کام چھوڑ کر باغی نائروں کی سرزنش کرنے کا کام تم کو نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کام صرف فوجدار کا ہے۔ تمہارا کام صرف مالگزاری وصول کرنا اور اس کا حساب کتاب رکھنا ہے۔

خط نمبر ۴۳۰

بنام ارشد بیگ خاں۔ فوجدار کلی کٹ (۱۸ رایزدی = ۲ فروری ۱۷۸۶ء)

تم کو چاہئے۔ کہ کلی کٹ کے تمام تاجروں اور باشندوں کو سخت حکم کہ جو انگریز تاجر وہاں آیا ہوا ہے۔ اس سے نہ کوئی چیز خریدو۔ اور نہ کوئی چیز اس کے ہاتھ فروخت کرو۔ اگر ایسا کیا گیا تو ظاہر ہے۔ کہ وہ کتنا عرصہ وہاں ٹھہرے گا۔ آخر میں مایوس ہو کر وہاں سے خود ہی چلا جائے گا۔

تبصرہ

اس خط سے معلوم ہوگا۔ کہ انگریزوں سے ترک موالات کرنے کی تحریک کا سہرا ٹیپو سلطان کے سر ہے۔ ہندوستان میں یہی

تحریک سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد تحریک خلافت کے زمانہ میں پھر ایک بار شروع ہوئی تھی۔ اور اس وقت بھی کامیاب نہ ہو سکی جب ملک کے باشندے اپنے ہی بھائیوں کو ننگے و بھوکے دیکھتے ہوئے بھی ناجائز نفع خوری کے لئے بلیک مارکیٹ کرنے سے نہیں ڈرتے۔ وہاں تحریک موالات اور سودیشی تحریک جیسی تحریکیں کہاں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ اگر اہل ملک میں کم از کم یہ احساس پیدا ہو جائے۔ تو غلامی کی بندشیں خود بخود ڈھیلی ہوتی چلی جائیں گی۔

خط نمبر ۴۳۱

بنام کریم صاحب۔ سرنگاپٹم

(۸ ایزدی = ۲ فروری سنہ ۱۷۸۶ء)

دشمن پر فتح پانے کی خوشی میں تمہاری نذر اور خط، دونوں موصول ہوئے تم نے لکھا ہے کہ اس موقع پر تمہارا ارادہ حضوری میں آنے کا ہے۔ معلوم ہو کہ ہم بہت جلد وہاں واپس پہنچنے والے ہیں۔ اُس وقت ملاقات ہوگی۔

تبصرہ

ولکس لکھتا ہے :-

کریم صاحب نواب حیدر علی کا دوسرا فرزند اور ایک حرم کے بطن سے تھا۔ جس کو مدینہ بیگم نے متبنیٰ بنا لیا تھا۔ یہ بیگم حیدر علی کی منکوحہ نہیں۔ اور ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اسی لئے نواب نے دوسری شادی فخر النسا بی بی (فاطمہ بیگم) سے کی۔ اور ان سے

سلطان پیدا ہوا۔ کریم صاحب ایک کمزور دل و دماغ کے آدمی تھے جس کی وجہ سے نواب حیدر علی نے انہیں کبھی کوئی ذمہ داری کا کام سپرد نہیں کیا۔ یہ کریم صاحب کی بہن ہی تھی جس کی شادی عبدالحکیم خاں، حاکم شاہنور کے بیٹے عبدالخیر خاں سے ہوئی تھی" (اس سے ظاہر ہوا کہ شاہنور والوں اور ٹیپو سلطان میں کوئی رشتہ نہیں تھا۔

زوالِ سلطنت کے بعد کریم صاحب کو سلطان کے شہزادوں کے ساتھ ویلور بھیج دیا گیا۔

خط نمبر ۴۳۳

بنام محمد درویش وغیرہ۔ ایلچیانِ وکیلان ۱۰ امرداد ی ۱۲۲۶ (۱۲ فروری ۱۷۹۹ء)

سلطنت خداداد۔ برائے فرانس

آپ نے اچھا کیا کہ انتظار میں ٹھہر گئے۔ اب آپ یہاں پانڈیچری کے گورنر کے خط کا انتظار کریں۔ اور جب وہ خط آئے تو فوراً پانڈیچری چلے جائیے۔ انگریز کس طرح تمہارے مال کی تلاشی لے سکیں گے۔

تبصرہ

کرک پیٹرک لکھتا ہے:۔

"پانڈیچری کا راستہ چونکہ ادا ب ارکاٹ کے علاقے سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس لئے ممبران وفد کو شاید خوف تھا کہ انگریزان

کے مال و اسباب کی تلاشی لیں گے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان نے انہیں رات کے وقت سفر کرنے کی ہدایت کی تھی

نمبر ۲۴۴

بنام قطب الملک قطب الدین خان بہادر (۱۰ ۲۰ را یزدی = ۱۴ ارفروری ۱۷۸۷ء)

دشمن کی سخت سرزنش کی گئی۔ اور اسے دریائے کرشنا کے اس پار بھاگ جانے پر مجبور کیا گیا۔ اور وہاں پہنچ کر اس نے صلح کی خواہش ظاہر کی ہے۔ چنانچہ صلح ہوئی۔ یہ صلحنامہ ہماری پیش کردہ شرائط کے مطابق ہوا ہے۔ جس کی رو سے ہم کو ادہونی کا علاقہ چھوڑ دینا پڑے گا۔ اس لئے اطلاع دی جاتی ہے کہ تم اس لگان کو جو وہاں سے وصول ہونا ہے۔ جلد سے جلد وصول کر لو اور اس علاقہ میں جس قدر آدمی ہماری فوج کے لئے مل سکتے ہیں۔ انہیں بھرتی کرو۔ اگر اس اثنا میں دشمن کی کوئی فوج ادھر آ نکلے۔ تو اس کی قرار واقعی سرزنش کرو۔ ادہونی کی بجائے تم کو کوئی اور علاقہ دیا جائیگا۔

(صلحنامہ میں طے ہوا تھا کہ سلطان ادہونی کا علاقہ نظام کو اور بادامی کا قلعہ مرہٹوں کے حق میں چھوڑ دے گا۔ اور گجیندر گڑھ جو مرہٹوں کا تھا۔ وہ علاقہ سلطان کے مقبوضات میں شامل کر لیا جائیگا۔ چنانچہ یہی ہوا۔)

تبصرہ

کرک پیٹرک لکھتا ہے:۔ کہ اسی تاریخ کو سلطان نے

بہت سے پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کو، جن میں بڑھن شاہ کلیم اللہ شاہ، سید احمد اور تقی شاہ بھی شامل ہیں، جہاد کے متعلق خطوط لکھے۔ اس سے وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ یہ انگریزوں کے خلاف جنگ کی تیاری تھی۔

خاتمۃ الکتاب

کرک پیٹرک نے کتاب سلطانی کو یہاں ختم کر دیا ہے۔ کیونکہ خود ۱۷۹۲ کے ساتھ ہی اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس جنگ میں جو سلطان اور مرہٹوں و نظام کے درمیان ہوئی تھی، سلطان نے میدان جنگ سے دور رہ کر بھی اپنی جنگی مہارت اور تنظیمی قابلیت کا کتنا بڑا ثبوت دیا ہے اور جب معرکوں میں خود شامل ہوا۔ تو اس کی جنگی چالیں کیا تھیں۔ اور اس دوران میں جو دوسرے خطوط سلطان نے لکھے تھے۔ ان کے درج کرنے سے انگلستان کی پبلک کے سامنے سلطان کی حب الوطنی۔ روشن خیالی رعایا کی فارغ البالی اور تجارت۔ صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے

اُس کی جدوجہد اور ملک کی آزادی کی خاطر ہندو مسلم اتحاد کے لیے اس کی ان تھک کوششیں بنا کر یہ ثابت کرنا تھا کہ سلطنت خداداد کی تباہی ہی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا فائدہ تھا۔ اور کہ انگلستان کی سربلندی کے لئے ہی اس سلطنت اور اس کے حکمران کو جو درحقیقت ہماری راہ میں ایک سنگ گراں تھا۔ ختم کر دیا گیا۔"

مکاتیب کے ختم کرنے کے بعد کرک پیٹرک نے سلطان کے احکام و فرامین بھی اسی مقصد سے دیے ہیں۔ یہاں اسی ترتیب کو قائم رکھتے ہوئے سلطان کے احکام و فرامین دیے جاتے ہیں۔

اعلانِ جہاد

(۱۳۰۲ احمدی مطابق ۱۹ مئی ۱۸۸۶ء)

خاتم پیغمبران (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت مسلمانوں کو جو احکام دیئے گئے تھے انہوں نے ان احکام کو بھلا دیا جس کی وجہ سے ان پر زوال آگیا اس وقت خدا کے فضل و کرم سے ہم ان احکام کو اپنے دستخط اور مہر سے مسلمانوں کی آگاہی کے لئے دوبارہ جاری کرتے ہیں تاکہ مسلمان ان سے ہدایت پائیں۔

آپ سے امید ہے کہ آپ ان احکام کو بہتر سے بہتر طریقوں پر عام مسلمانوں تک پہنچائیں گے کیونکہ ان احکام جہاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان سے

ہر مسلمان واقف ہو۔ آپ کو چاہیئے۔ کہ ان احکام کی بے حساب نقلیں تیار کر کے تمام مسلمانوں میں تقسیم کریں۔

خدائے پاک حکم دیتا ہے:۔

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتٰب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون

(ترجمہ:۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور آخری دن پہ ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں جانتے اور سچا دین (اسلام) قبول نہیں کرتے۔ تو تم مسلمانو! ایسوں سے مقابلہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ذلیل ہو کر رہیں۔)

یہ ہماری دلی خواہش اور پکا ارادہ ہے۔ کہ ان نا ہنجار اغنیا اور سرکش لوگوں سے جنہوں نے مسلمانوں سے اپنی گردن موڑ کر بغاوت کا علم بلند کیا ہے اس وقت تک لڑتے رہیں۔ جب تک کہ وہ اسلام کی سیدھی راہ قبول کریں یا جزیہ دینا قبول کریں۔ خصوصاً اس وقت جبکہ ہندوستان کے حاکموں کی کمزوریاں دیکھ کر اس قوم نے یہ بیہودہ خیال قائم کر لیا ہے۔ کہ مسلمان کمزور بزدل اور لائق نفرت ہو گئے۔ انہوں نے صرف اسی پہ اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ جنگی تیاریاں کر کے مسلمانوں کے علاقوں پہ چڑھ دوڑے ہیں۔ اور اپنے ظلم وزبردستی کا ہاتھ مسلمانوں کے مال وآبرو پہ دراز کرنا شروع کر دیا ہے۔

اس لئے ہم خدا کی طاقت اور تائید پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مذہب کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

یایہا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ۝ تومنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ط ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ لا یغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتہا الانھر ومسکن طیبۃ فی جنت عدن ط ذلک الفوز العظیم ۝ واخری تحبونہا ط نصر من اللہ وفتح قریب ط

(سورہ صف۔ آیت ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں۔ جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچالے۔ وہ تجارت یہ ہے۔ کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہترین کام ہے۔ اگر تم سمجھ سکتے ہو۔ وہ تمہارے گناہ بخش دیگا اور تمہیں ان باغوں میں داخل کریگا جن میں نہریں بہتی ہیں اور عمدہ گھروں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہیں۔ داخل کریگا۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی اور ایک چیز بھی دیگا۔ جسے تم چاہتے ہو۔ یعنی اللہ کی طرف سے مدد۔ اور فتح قریب ہے۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا۔

ان احکام خداوندی پر سر جھکاتے ہوئے ہم نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ ہم ان سے جہاد کریں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے جیسا کہ قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون ۰ ۲/۴

(ترجمہ:- اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو۔ جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے۔ اور پسندیدہ بات کا حکم دے۔ اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرے۔ اور وہی مراد کو پہنچیں گے۔ یعنی فلاح پائیں گے)

اس لئے آپ کو چاہیئے کہ نزدیک و دور کے اور ہر طبقہ کے مسلمانوں کو اصلی احکام اسلام سے آگاہ کریں۔ اور ان کے کانوں سے غفلت کی روئی نکالیں۔ اور خصوصاً ان لوگوں (مسلمانوں) کو توجہ دلائیں جو قرآن مجید کی اس آیہ شریفہ کو

یخدعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضاً ولھم عذاب الیم بما کانو یکذبون ۰ ۲/۱

(ترجمہ:- وہ اللہ اور ایمان والوں سے دغا کرتے ہیں۔ حالانکہ کسی کو دغا نہیں دیتے۔ مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے۔ اُن کے دلوں میں بیماری ہے۔ پھر اللہ نے اُن کی بیماری بڑھا دی۔ اور جھوٹ بولنے کے سبب اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۰۔)

پس پشت ڈال کر کافروں کی اطاعت کرلی ہیں۔ اور ان بدبختوں کی ملازمت میں داخل ہیں۔ اس لئے ان مسلمانوں کو جو کافروں کی حکومت میں رہتے ہیں۔ خدا کا یہ حکم سنایا جائے۔

ولا تطع الکافرین والمنٰفقین ان اللہ کان علیماً حکیما ۰ ۲۱/۱۷

(ترجمہ:- اور اطاعت نہ کر و کافروں اور منافقوں کی تحقیق اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)

ان مسلمانوں پر، جن پر ان آیاتِ قرآنی کا اطلاق ہوتا ہے، فرض ہے۔ کہ وہ ان کافروں کے علاقوں کو خالی کر کے اپنی فلاح پر یقین و ایمان رکھتے ہوئے ہمارے علاقوں میں آکر آباد ہو جائیں، جہاں خدا کے فضل سے ان کی حالت، ان کی موجودہ حالت سے بہتر ہوگی۔ اور ان کی آبرو اور مال خدا کی حفاظت میں رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو جنہیں وہاں گزارہ کے لئے ذرائع حاصل نہیں ہیں، یہاں انہیں گزارہ کا بہترین ذریعہ حاصل کرنے میں مدد دی جائیگی ہم نے اسی مقصدِ خاص کے لئے اپنی پوری سلطنت خداداد میں احکام جاری کردئے ہیں:۔

"کہ جو لوگ سلطنتِ خداداد میں آکر پناہ لینا چاہیں حضوری میں ان کے حالات کے متعلق پوری معلومات فوراً مہیا کی جائیں تاکہ ان کے گزارہ کا انتظام کیا جائے۔"

جو شخص بھی ان الفاظ پر (یعنی اس اعلان پر) توجہ نہ کریگا۔ یا ان احکام خداوندی کے خلاف کرے گا۔ تو اُس بدبخت کے متعلق سمجھا جائے گا۔ کہ اس میں غیرتِ ایمانی باقی نہیں ہے۔ اور وہ ان برکات سے محروم ہو چکا ہے جو خدا نے اپنے نیک بندوں کے لئے رکھے ہیں اور ایسا شخص دائرۂ اسلام سے باہر سمجھا جائیگا۔ اور اس کا شمار کافروں میں ہوگا۔

ولا تقولن لشایٔ انی فاعل ذلک غدا ہ الّا ان یشاء اللہ واذکر ربک اذا نسیت وقل عسیٰ ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا۔ سورۂ کہف آیۃ ۲۳-۲۴

(ترجمہ:۔ اور کسی کام کی بابت یوں نہ بول۔ کہ میں کل کردوں گا۔ مگر

انشاء اللہ کے ساتھ۔ اور جب تو انشاء اللہ کہنا بھول جائے جب یاد آئے۔ تو اس وقت اپنے رب کو یاد کر اور کہہ میرا رب مجھے اس سے زیادہ نیکی کی راہ دکھلائے۔

حافظ اگر قدم زنی در راہِ خاندان عشق
بدرقۂ رہت شود ہمت شحنۂ نجف

تبصرہ

اس اعلانِ جہاد پر تبصرہ کرتے ہوئے کرک پیٹرک لکھتا ہے:۔

سلطان کا مقصد اس کی اشاعت سے یہ تھا۔ کہ وہ ان طاقتوں کی رعایا کو، جو اس کے خلاف صف آرا تھیں، ان سے برگشتہ کر کے اپنی طرف ملا لیا جائے۔ اگرچہ اس میں کھلم کھلا انگریزوں۔ مرہٹوں یا نظام کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ انداز تخاطب انہیں کی جانب ہے

یقیناً نظام کے نام کو اس میں شامل کرنا اس کا ایک نامعقول فعل ہے۔ کیونکہ نظام بھی اسی کی طرح مسلمان تھا۔ لیکن ٹیپو نے اس کو اسی نظر سے دیکھا، جس نظر سے ایک کافر کو دیکھتا تھا۔ کیونکہ اس نے ایک سے زیادہ دفعہ کافروں کا ساتھ دے کر، اس سے جنگ کی تھی۔

اس اعلانِ جہاد میں عبارت کا ایک حصہ ایسا بھی ہے۔ جو خاص طور پر اس اعلان کو انگریزوں کے خلاف، بتایا ہے۔ جہاں

سلطان نے "میجر ڈیرمس کے ترجمہ کے مطابق" اُن زیادتیوں کو بتایا ہے۔ جو خاص اس کی سلطنت کے حدود کے اندر کافروں نے مسلمانوں پر کی تھیں۔ لیکن کنایتہً (جیسا کہ سلطان نے دوسرے موقعوں پر کھلے طور پر کہا ہے) بنگال کرناٹک اور ہندوستان کی دوسری اسلامی ریاستوں کے متعلق ہے (جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ محمود)

الغرض سلطان نے اپنی مملکت کی توسیع کے لئے جو نظریہ قائم کیا تھا۔ اس کا ثبوت اس حیرت انگیز سند (یعنی اعلان جہاد) سے ملتا ہے۔ (کرک پیٹرک صفحہ ۲۹۵-۲۹۶)

اس اعلانِ جہاد پر اعتراض کرنے میں صرف کرک پیٹرک ہی نہیں۔ بلکہ تمام انگریزی مورخین شامل ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ مورخین حق بجانب بھی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ اس سے نہ صرف ٹیپو سلطان ہی پر اعتراض ہوتا ہے، بلکہ انہوں نے نظام کا نام درمیان میں لا کر بالواسطہ یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ سلطان نے تعلیم اسلام کے خلاف کیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ بالکل وضاحت سے اس پر بحث کی جائے۔

سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ جن شرائط کے ماتحت جہاد فرض ہو جاتا ہے، وہ کیا ہیں۔

(۱) جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے۔ اور ان پر ظلم و ستم

کیا جائے۔ تو ان کے لئے مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے۔

(۲) جو لوگ مسلمانوں کے گھر بار چھین لیں۔ ان کے جائز حقوق سلب کر لیں۔ اور انہیں ان کی ملکیتوں سے بے دخل کریں، ان کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ کرنا چاہیئے۔

(۳) جب مسلمانوں پر ان کے مذہبی عقاید کے باعث تشدد کیا جائے۔ اور انہیں محض اس لئے ستایا جائے۔ کہ وہ مسلمان ہیں، تو ان کے لئے اپنی مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرنا جائز ہے۔

(۴) دشمن غلبہ حاصل کر کے جس سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دیں یا مسلمانوں کے اقتدار کو وہاں سے مٹا دیں۔ اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جب کبھی مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو۔ تو انہیں ان تمام مقامات سے دشمن کو نکال دینا چاہیئے۔ جہاں سے اُس نے مسلمانوں کو نکالا تھا۔

(جہاد فی الاسلام۔ از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ ۴۷)

اب ان شرائط کے ماتحت سلطان کے اس اعلان جہاد کو اور اُس وقت کی ملکی تاریخ کو دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ سلطان کا یہ اعلان جہاد اقتضائے وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے جان و مال اور ان کی ملکیتوں کی حفاظت کے لئے کس قدر ضروری تھا[۱]

[۱] (نوٹ اگلے صفحہ ۱۴۹ پر دیکھیں)

ہندوستان کی حالت اس وقت یعنی ۱۷۸۶ء میں یہ تھی:-

(۱) بنگال اور کرناٹک مسلمانوں کے تھے۔ ان پر کمپنی نے قبضہ کر لیا تھا۔ اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں پر جو مسلمانوں ہی کے تھے۔ غلبہ پاتی چلی جا رہی تھی

(۲) اودھ اور رہیل کھنڈ میں جو ظلم کیا گیا۔ اور خصوصاً بیگمان اودھ سے جو شرمناک سلوک ہوا تھا۔ ان سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

(۳) حیدر آباد اور سارکاٹ کے حاکم جیسا کہ خود کرک پیٹرک نے تسلیم کیا ہے، کمپنی کی مدد کر رہے تھے۔

(۴) خود سلطنت خداداد کے اندر کورگ اور ملیبار میں باغی کورگی اور نائروں نے متعدد دفعہ بغاوتیں کر کے مسلمانوں کے گھر بار لوٹ کر ان کی زندگی کو ایک مصیبت بنا دیا تھا۔

ہندوستان کی اس حالت میں ایک مسلمان حاکم کو جو آزاد۔ صاحب اختیار اور صاحب فوج تھا۔ مذہب کی رو سے جہاد پر آمادہ ہونا ضروری تھا۔ اور یہ فریضہ تھا جو اُس نے ادا کیا۔

لے (نوٹ صفحہ ۱۴۸) یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ کہ عالم اسلام کے زوال کے اسباب میں سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی روح مسلمانوں سے رخصت ہو چکی تھی۔ اور مسلمان محض رسمی یا نام کے مسلمان رہ گئے تھے۔

کرک پیٹرک نے اپنے تبصرے میں خود ہی تسلیم کر لیا ہے۔ کہ نظام نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے۔ کہ سلطان کا یہ فعل ایک ایک نامعقول فعل تھا۔ کیونکہ نظام بھی اسی کی طرح ایک مسلمان تھا۔

اس میں شک نہیں۔ کہ نظام علی خاں کی طاقت ایک اسلامی طاقت کہلاتی تھی، لیکن اسلامی احکام کی رو سے جہاد کی غرض و غایت یہی ہوتی ہے۔ کہ نہ صرف ان کافروں سے لڑا جائے۔ جو اسلامی اقتدار کو مٹانا چاہتے ہیں۔ بلکہ ان لوگوں سے بھی لڑنے کا حکم ہے۔ جو اس معاملہ میں ان کا ساتھ دیتے ہیں:۔

ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم یامنوا قومهم کلما ردوالی الفتنة ارکسوا فیها فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیهم فخذوهم واقتلوهم حیث ثقفتموهم واولئکم جعلنا لکم علیهم سلطانا مبینا (۴ - ۱۲)

ترجمہ:۔ کچھ دوسرے لوگ ایسے پاؤ گے جو چاہتے ہیں۔ کہ تم سے بھی امن میں رہیں۔ اور اپنی قوم کے کافروں سے بھی۔ اس لئے جب تمہارے پاس آتے ہیں۔ تو اقرارِ سلام کرتے ہیں اور جب فتنہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ تو اس میں اوندھے گر پڑتے ہیں، (یعنی خود بھی فتنہ میں شامل ہو جاتے ہیں) پس اگر تم سے کنارہ کش نہ ہوں۔ اور نہ تم سے صلح کی طرح ڈالیں۔ اور نہ تمہارے ساتھ جنگ و دشمنی سے ہاتھ روکیں۔ تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو۔ ان لوگوں

پر ہم نے تمہیں یہ واضح دلیل دے دی ہے۔
اب اس کے بعد دیکھنا یہ ہے۔ کہ حیدر آباد کا طرزِ عمل اس سلطنت کے ساتھ کیا رہا۔ خود انگریزی تاریخیں اس کے متعلق کہتی ہیں۔

"جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے بعد عصائے سلطنت انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ یہ عصا خود ان کے ہاتھ سے بھی گر جانے والا تھا۔ ایسے وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو سہارا دینے والا ایک مسلمان ہی تھا۔ اور وہ حیدر آباد تھا۔"
(رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا صفحہ ۲۵۱)

حیدر آباد نے اپنے بہت سے علاقے جیسے "شمالی سرکار" وغیرہ انگریزوں کو دے دئے۔ حالانکہ ایک صاحبِ فوج و اقتدار اور آزاد امیر اسلام ہونے کے لحاظ سے اسلامی ملکوں کو دوسروں کے حوالے کرنے کی اسلام نے کہیں اجازت نہیں دی ہے۔

نواب حیدر علی نے جب میسور کی زمام سلطنت یہاں کے پالیگاروں سے لڑ بھڑ کر سنبھالی۔ تو نظام علی خاں بلا وجہ ان کا دشمن ہو گیا۔ حالانکہ حیدر آباد کے کسی علاقہ پر بھی نواب نے دست درازی نہیں کی تھی۔ نظام علی خاں کو خوف پیدا ہو گیا تھا۔ کہ کہیں یہ نو زائیدہ سلطنت پورے دکن اور جنوبی ہند پر نہ چھا جائے۔ اور شاہ عالم کہیں صوبہ داری کا پروانہ حیدر علی کو نہ دے دے صرف اس شبہ پر اس نے:۔

۱۷۶۸ء میں نظام نے انگریزوں سے ایک عہد نامہ کیا۔ جس

کی دفعہ ۹ کی رو سے حیدر علی کا تمام ملک، سات لاکھ روپیہ کی سالانہ پیش کش کے عوض، ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالہ کر دیا۔"

(کتاب عہدنامجات[1] صفحہ ۳)

"فتوحات حیدری سے خوفزدہ ہوکر نظام علی خاں اور مرہٹوں نے انگریزوں سے اتحاد کیا۔" (تاریخ ہند از ڈی لافوسی صفحہ ۱۷۶)

نظام علی خاں ہمیشہ حیدر علی کا حاسد رہا۔

(تاریخ ہند از تھامپسن صفحہ ۲۶۸)

"حیدر علی کے خوف سے نظام الملک انگریزوں سے مل گیا۔"

(رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۶۸)

خاص حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخ نظام علی خاں کا مصنف اپنی کتاب کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۴ پر لکھتا ہے :۔

چونکہ اس زمانہ میں کمپنی کو حیدر علی خاں کی روزافزوں طاقت سے اندیشہ تھا۔ اور وہ آئے دن کرناٹک اور انگریزی کمپنی کے علاقہ پر حملے کرتے رہتے تھے۔ اس واسطے کمپنی کو یہ لازم تھا کہ اس کا کوئی معقول انتظام کرتی اور ساتھ ساتھ اس امر کا انتظام بھی ضروری تھا کہ دکن کے ان رئیسوں کو یکجا کر لے۔ جن کے ساتھ متفق ہوکر، حیدر علی خاں اپنی قوت میں اضافہ کر سکتا تھا۔ ان امور

---

[1] Treatise, Engagements and Sanads by K. C. Aichison, Secretary to Govt. of India.

پر نظر ڈالتے ہوئے کمپنی نے بندگانِ عالی کو حیدر علی کے خلاف کھڑا کر دیا۔"

یہاں یہ گلہ نہیں کہ جب مرہٹوں نے ۱۷۷۰ء میں حیدر علی پر حملہ کر دیا۔ تو نظام نے بہ حیثیت ایک مسلمان ہونے کے کیوں حیدر علی کی مدد نہیں کی۔ حالانکہ اس صلحنامہ کی رُو سے چند سال پہلے میسور کی پہلی جنگ کے دوران میں نظام اور حیدر علی کے درمیان ہوا تھا۔ اس کو لازم تھا کہ حیدر علی کی مدد کرتا۔ اس صلحنامہ کی تیسری دفعہ یہ تھی :-

نواب حیدر علی اور نظام الملک ہمیشہ ایک دوسرے کے حلیف رہیں گے (مڈلٹ)

نوٹ :- نظام نے یہ عہدنامہ اس وقت کیا تھا۔ جب انگریزی فوجیں، حیدر علی کے ہاتھوں شکستیں اُٹھا رہی تھیں۔ یہ میسور کی پہلی جنگ تھی۔ اس میں نظام نے پہلے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ لیکن جب شکستیں ملنے لگیں۔ تو اس نے انگریزوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور حیدر علی سے صلح کر لی۔"

مگر اس صلحنامہ کی تہ میں نظام علی خاں کی نیت جو تھی، اسکی تشریح خود حیدر آباد کا مورخ اپنی کتاب "نظام علی خان" کے صفحہ ۵۴ پر اس طرح لکھتا ہے :-

"میر نظام علی خاں نے فرمایا۔ کہ انگریزوں کے ساتھ متفق ہونے کی نسبت میرا منشا پہلے ہی نہیں تھا۔ ہم کو لازم نہیں تھا۔ کہ نصاریٰ کی استدعا پر حیدر علی خاں سے، جو ان غاصبان سلطنت

(ایسٹ انڈیا کمپنی) کے تباہ و برباد کرنے میں مشغول ہیں، جنگ کرتے۔
اصولاً تو ہم کو چاہئے تھا۔ کہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی مدد نہ کرتے یہاں تک کہ آپس میں لڑتے لڑتے کوئی ایک غالب آجاتا، جس کے بعد حکمت عملی سے اس غالب پر قابو پانا، ہمارے لئے آسان تھا"

اب اس میسور کی پہلی جنگ کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی اور حیدر علی کے درمیان دوسری جنگ ۱۷۸۰ء میں شروع ہوتی ہے۔ تو یہی نظام علی خاں جو انگریزوں کو غاصب سلطنت کہتا تھا۔ اپنی مذکورہ بالا پالیسی کے مطابق نہ حیدر علی کو مدد دیتا ہے۔ اور نہ انگریزوں کو۔ بلکہ اس جنگ کے خاتمہ پر جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے شکستوں پر شکستیں اٹھا کر ٹیپو سلطان سے ۱۷۸۴ء میں صلحنامہ منگلور کیا۔ تو بجائے انگریزوں سے لڑنے کے، یہ سمجھتے ہوئے کہ باوجود فاتح ہونے کے سلطنت خداداد کمزور ہو چکی ہوگی۔ انتقام لیتے گرہیں صلحنامہ منگلور کے ۹ دن بعد ہی مرہٹوں سے معاہدہ کر کے، اس سلطنت پر حملہ آور ہوتا ہے (اس جنگ کا حال مکاتیب سلطانی میں آچکا ہے) اور یہ جنگ تقریباً دو سال ہوتی ہے جس میں حیدرآباد اور مرہٹے شکست فاش اٹھاتے ہیں"

اور پھر یہی نظام علی خاں، بلاوجہ ۱۷۹۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے مل کر میسور کی تیسری جنگ میں سلطنت خداداد پر حملہ کرتا ہے۔

(نظام نے) ۴؍ جولائی ۱۷۹۰ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے ٹیپو کے خلاف ایک عہدنامہ کر کے انگریزوں کی مدد کی۔ لارڈ کارنوالس نظام کو اس معاملہ میں اپنا طرفدار بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ (کتاب عہدنامجات صفحہ ۴)

سنکلیر اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۸۰ پر لکھتا ہے۔

دول ثلاثہ (انگریز۔ مرہٹے۔ اور نظام) کا ایک عہد نامہ ہوا کہ ٹیپو سلطان کی روز افزوں طاقت کو مٹا دیا جائے۔ اور اس کا ملک انگریز۔ مرہٹے اور نظام میں تقسیم کر لیا جائے۔"

لیکن نشان حیدری کا مصنف کرمانی لکھتا ہے۔ کہ میسور کی تیسری جنگ کا باعث خود حیدر آباد ہی تھا۔ جس نے کارنوالس کو ٹیپو کے خلاف آمادہ کیا۔

۱۷۸۹ء میں جس وقت سلطانی فوج نے پائین گھاٹ کو مسخر کر لیا۔ اور انگریزی فوج مدراس میں جہازوں کی پناہ میں آگئی۔ تو تمام ملک کرناٹک کو ٹیپو سلطان کے قبضہ میں جاتا دیکھ کر حیدر آباد کے وزیر اعظم مشیر الملک نے ابوقاسم خاں عرف میر عالم کو کلکتہ بھیجا کہ گورنر جنرل کو سلطان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے۔

(صفحہ ۲۲۱ از ترجمہ نشان حیدری از کرنل مائلیس)

اس جنگ یعنی میسور کی تیسری جنگ کے خاتمہ پر:۔

ٹیپو سے صلح ہونے کے فوراً ہی بعد لارڈ کارنوالس نے چاہا کہ ۴ جولائی ۱۷۹۰ء کو جو عارضی عہد نامہ ہوا تھا۔ اس کو ایک مستقل صورت دی جائے۔ تو نظام نے زبانی طور پر اس کو قبول کر لیا۔

(کتاب عہد نامجات صفحہ ۴)

زمانہ کی نیرنگی دیکھئے۔ کہ جب نصاریٰ ایک مسلمان کے خلاف دوسرے مسلمان کو ایک مستقل عہد نامہ کی دعوت دیتے ہیں۔ تو اس کو قبول کر لیا جاتا

جاتا ہے۔ حالانکہ سلطان نے کئی دفعہ اسی نظام علی خاں سے اتحاد کی کوشش کی تو وہ کبھی راضی نہیں ہوا۔"

اب اس جنگ کے بعد، میسور کی چوتھی اور آخری جنگ میں بھی نظام علی خاں نے بلاکسی وجہ کے انگریزوں کی مدد کی۔

ٹیپو سے جب دوسری جنگ ۱۷۹۹ء میں ہوئی۔ تو نظام اپنی فوجوں کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا حلیف بن گیا (صفحہ د۔ کتاب عہدنامجات)

اب آخر میں اس واقعہ کو لیجئے۔ جس کو خود حیدرآباد کی کتاب "میر عالم" کے صفحہ ۹۰ پر اس طرح لکھا گیا ہے:۔

"جیمس اکیلس کرک پیٹرک اپنی حیدرآباد کی رزیڈنسی کے زمانہ میں اپنی راتیں ایک مکان میں (جو رزیڈنسی کے سرکاری مکان کے قریب تھا) گزارتے تھے جن میں ان کی ایک مدخولہ رہتی تھی۔ اس گھر میں عاقل الدولہ کی نواسی خیرالنسا بیگم بھی (جو مہدی یار خاں اور شرف النسا بیگم کی لڑکی تھی) آتی اور رہا کرتی تھی۔ یہ لڑکی میر عالم کے رشتہ میں بھی ہوتی تھی۔ سوء اتفاق سے کرک پیٹرک سے اس کا تعلق ہو گیا اور اس کی دلچسپی اس لڑکی سے زیادہ ہو گئی۔ اور جب بات پھوٹ گئی۔ تو انھوں نے اس لڑکی کو اپنے مکان رزیڈنسی میں داخل کر لیا۔"

مسلمانوں کا ایک بادشاہ جو آزاد تھا۔ خود مختار تھا۔ اور صاحب فوج و اقتدار تھا۔ اپنے ہی پایۂ تخت میں ناموس اسلام کی اس توہین کو برداشت کر لیتا ہے۔ اور ہر وقت نصاریٰ کا ساتھ دیتا ہے۔ تو گو اعلانِ جہاد میں واضح

تو نہیں لیکن بالفرض اگر یہ اس کے خلاف بھی ہوتا۔ تو مورخ اس معاملہ میں سلطان کو حق بجانب ہی سمجھتا۔ اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ انگریزی مورخین کے جواب میں ہے۔ ورنہ اس اعلانِ جہاد کے مضمون کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان کا مقصد مسلمانوں کو اس خطرہ سے آگاہ کرنا تھا۔ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی صورت میں سر پر منڈلا رہا تھا۔ اور بنگال و کرناٹک کے بعد پورے ملک کو غلامی کی لپیٹ میں لینے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سلطان کو معلوم تھا۔ کہ ایک نہ ایک دن آزادی و غلامی کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک فیصلہ کن جنگ اٹل ہے۔ وہ اس کے لئے مسلمانوں کو تیار کرنا چاہتا تھا لیکن افسوس ہے۔ کہ مسلمان اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔[1]

۲

اس مضمون کے تحت میں میں ان انگریزی مورخین کے اس اعتراض کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جہاد ہی کے جذبہ

---

[1] اس اعلانِ جہاد کا ردِّ عمل سلطنتِ خداداد کے دشمنوں نے اس طرح کیا کہ:۔ علماء سُو۔ پیروں اور سجادوں سے فتوے لکھا کر کرناٹک وغیرہ میں تقسیم کئے گئے اور میسور کی تیسری جنگ میں خاص سلطنت خداداد کے اندر بھی ان کی تقسیم ہوئی اور ساتھ ہی اس جنگ میں جبکہ سولہ پایۂ تخت کے پورے ملک پر قبضہ ہو گیا۔ تو رعایا کی نظروں میں سلطان کی عزت و توقیر گھٹانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی گئی۔ اور پھر آخری جنگ میں بھی ترکی کے سلطان سلیم کے خط کی بے حساب نقلیں اور فتوے تقسیم کئے گئے

سے متاثر ہو کر سلطان نے کورگ اور مالابار کے ہندوؤں پر مظالم ڈھائے۔ جہاد کرکے انہیں مسلمان بنایا۔ اور یہاں کے ہندوؤں پر جزیہ لگا دیا۔

انگریزی مورخین خود ہی اعتراف کرتے ہیں۔ کہ مالابار اور کورگ میں ایک دفعہ نہیں۔ بلکہ سات بار بغاوتیں ہوئیں۔ اور سلطان نے آٹھویں دفعہ ان بغاوتوں کو فرو کرتے ہوئے، باغیوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا۔ اور دوسروں پر جزیہ لگا دیا۔

بورنگ لکھتا ہے:-

(جب سلطان نے ساتویں دفعہ بغاوت فرو کی) تو اس نے انہیں آگاہ کیا۔ کہ اگر ایک اور بار بغاوت ہوئی۔ تو وہ نہ انہیں سزا دے گا۔ اور نہ قتل کرے گا۔ بلکہ ان کی آبادی کو ملک سے ہٹا کر انہیں اسلام لانے پر مجبور کر دے گا۔ بعد میں جب پھر بغاوت ہوئی۔ تو اُس نے اس پر عمل کیا)

(صفحہ ۱۲۷ اور ۲۱۷)

یعنی

ایک بڑی فوج لے کر کورگ میں سے گزرا۔ اور اس نے باغی نائروں کو ڈھونڈھ نکالنے کے لئے بہت سے فوجی دستے بھی بھیجے اور وہ خود کٹی پورم کی طرف بڑھا۔ یہاں دو ہزار نائروں نے مع اپنے اہل و عیال کے چند دن تک سختی سے مدافعت کی لیکن بعد میں ہتھیار ڈال دئے۔ اس وقت ٹیپو کو اپنا مذہبی جذبہ ظاہر کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے حکم دیا۔ کہ انہیں مسلمان بنایا جائے

یا اگر مسلمان نہ بنیں تو انہیں شہر بدر کر کے سرنگا پٹم بھیج دیا جائے۔ چنانچہ چار و ناچار وہ مسلمان بن گئے۔ (صفحہ ۱۳۷)

اسی اوپر کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اور جگہ بورنگ لکھتا ہے:۔

مذہب کے نام پر سلطان نے جو ظلم و ستم کیا، اس کی اور زیادہ مثالیں دینا بے ضرورت سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ (صفحہ ۲۶۶)

دنیا کی وہ کونسی مہذب اور متمدن سلطنت ہے۔ جو باغیوں سے سات سات دفعہ درگذر کرتی ہے۔ موجودہ زمانہ کی مہذب سلطنتیں جو اپنے آپ کو رحم دل کہتی ہیں، ایک وقت کی بغاوت کی بھی متحمل نہیں ہوتیں۔ اور پہلی ہی دفعہ وہ وحشتناک سزائیں دیتی ہیں، جن سے انسانیت کو بھی عار آتا ہے۔ ۱۸۵۷ء میں شمالی ہندوستان کے اکثر مقاموں اور دہلی میں جو کچھ کیا گیا۔ ان واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ خود ایک انگریزی مؤرخ "کے" اپنی کتاب ہسٹری آف دی سپائی وار (History of the Sepoy War by Kay) کی جلد دوم میں لکھتا ہے:۔

"مارشل لا جاری کر دیا گیا۔ وہ قوانین جو لیجسلیٹو کونسل نے مئی اور جون میں پاس کئے تھے۔ پوری طرح نفاذ پذیر تھے۔ فوجی ہو یا سول عہدہ دار فوجی عدالتیں قائم کر کے یا بغیر ان عدالتوں کے ہی بلا لحاظ عورت و مرد اور عمر کے ہندوستانیوں کو قتل کر رہے تھے اس کے بعد خون کی تشنگی اور بڑھ گئی۔ ہماری برطانوی پارلیمنٹ میں وہ کاغذات، جو گورنر جنرل نے بھیجے تھے۔ بتاتے ہیں کہ

باغیوں کے ساتھ ساتھ بوڑھی عورتوں اور بچّوں کو بھی ذبح کر دیا گیا۔ انہیں عمداً سولی نہیں دی گئی۔ بلکہ ان کے دیہات ہی میں انہیں جلا دیا گیا۔ شاید کبھی کبھار کسی پر گولی چلائی گئی۔ . . .

انگریزوں نے اپنے ان کارناموں کو ضبطِ تحریر میں لانے سے کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ انہوں نے کسی کو بھی معاف نہیں کیا۔ بلکہ سیاہ فام (ہندوستانیوں) پر گولیوں کی بوچھاڑ کرنا ان کی ایک بہت ہی دل خوش کن تفریح تھی۔ جس سے وہ بیحد خوش ہوتے تھے۔ اور ایک کتاب جس کی سرپرستی بڑے بڑے ذمہ وار سرکاری افسر کرتے ہیں۔ اس میں لکھا گیا ہے۔ کہ تین ماہ تک آٹھ گاڑیاں روزانہ طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک صرف اس لئے پھرتی تھیں۔ کہ اُن لاشوں کو جو چوراہوں اور بازاروں میں درختوں پر لٹک رہی تھیں، نکال کر لے آئیں۔ اور ایک مقام پر چھ ہزار انسانوں کے مقدمات کو سرسری طور پر فیصل کرتے ہوئے انہیں حیاتِ ابدی بخشی گئی۔

(رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا صفحہ ۹۶۰)

نوٹ :۔ بورنگ اسی زمانہ میں گورنر جنرل کا سکرٹری تھا۔ اور ان واقعات سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے کیا یہ تعجب انگیز نہیں کہ اس کے چار سال بعد جب وہ کتاب لکھتا ہے۔ تو سلطان کو الزام دے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اگر ہزار ہا لوگوں کو قتل کرتی ہے

تو بورنگ کے خیال میں شاید اس کا یہ فعل رحمدلی پر مبنی ہے۔ اور سلطان اگر جان بخشی کرتے ہوئے باغیوں کو مسلمان بناتا ہے تو یہ اُس کا ظلم و ستم ہے۔)

اس سے انکار نہیں۔ کہ سلطان نے باغیوں کو جو اس کے مقابلہ پر آئے تھے، اسلام لانے پر مجبور کیا۔ اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اس طرح اس نے انسانیت اور اخلاق کا سب سے بڑا فرض ادا کیا۔ ان سے وہ رسم چھڑائی (اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا بٹسن اور خود کرک پیٹرک نے اعتراف کیا ہے۔ کہ سلطانی سپاہیوں میں سلطان کے جو سب سے زیادہ وفادار تھے۔ وہ یہی نومسلم تھے جنہیں سلطان نے احمدی کا خطاب دیا تھا) جس کو خود ہندو سوسائٹی ننگ سمجھتی ہے یعنی "ایک ایک عورت کئی بھائیوں کی بیوی رہے"۔ اور اس سے بھی انکار نہیں کہ مالابار اور کورگ میں اس نے اپنی ہندو رعایا پر اس کے بعد جزیہ لگایا اس سے سلطان کا مقصد ان سے ہتھیار لے کر انہیں اپنے حفظ امن میں لیتے ہوئے، آیندہ بغاوتوں کا سدِباب کرنا تھا۔ یہاں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ سوائے مالابار اور کورگ کے سلطنت کے کسی دوسرے حصہ میں جزیہ نہیں لگایا گیا۔ اس کی پوری سلطنت میں رعایا کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ہتھیار رکھنے کی عام اجازت تھی۔

سلطان نے باغیوں سے جو سلوک کیا تھا۔ اس پر میں نے اپنی رائے لکھدی ہے۔ اور فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے۔

احکام سلطانی

(۱) ٹیپو سلطان اور تجارت یعنی سلطان کے تجارتی احکام
(کرک پیٹرک کی کتاب سے)

(۲) بحری فوج کے متعلق سلطان کے احکام

(۳) بری فوج کے متعلق سلطان کے احکام

(۴) اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سلطان کی جدوجہد یعنی
(قاضیوں کے نام حکم نامے) (اصلی حکمنامہ سے)

(۵) اسلام کے متعلق سلطان کا حکم نامہ
(کرک پیٹرک کی کتاب سے)

(۶) کتاب فتح المجاہدین۔
(خاص مضمون)

ٹیپو سلطان اور تجارت

ٹیپو سلطان کا زمانہ سترھویں صدی عیسوی کا آخری زمانہ ہے۔ اس کی حکومت ۱۷۹۹ء سے ۱۷۸۲ء تک رہی۔ یہ وہ وقت تھا کہ مغلیہ سلطنت دم توڑ چکی تھی۔ اور اس کے کھنڈروں پر ایسٹ انڈیا کمپنی اپنا قصرِ حکومت تعمیر کر رہی تھی۔ بنگال۔ بہار۔ اڑیسہ۔ شمالی سرکاریں، بمبئی۔ سورت اور کرناٹک کمپنی کے تحت میں آچکے تھے۔ اور ان علاقوں کی صنعت و حرفت اور تجارت پر انگریزوں نے پوری طرح قبضہ کرکے ان کی خوشحالی کو افلاس میں بدل دیا تھا۔ ہندوستان میں صوبۂ بنگال ہی تھا، جو تجارت، صنعت اور حرفت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

اس کو جس طرح برباد کیا گیا۔ وہ تاریخ ہند کا ایک نہایت تاریک اور المناک باب ہے۔

سلطان کی آنکھوں نے اس منظر کو دیکھا۔ وہ بیک وقت ایک سچا محب الوطن ہندوستانی اور ساتھ ہی ساتھ ایک سچا اور پکا مسلمان بھی تھا۔ ہندوستان کی حالتِ زار پر اس کا دل اگر پسیج جاتا تھا۔ تو ساتھ ہی ساتھ اس کی آنکھیں عالم اسلام کے زوال پر بھی اشکبار رہتی تھیں۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ:۔

نہ صرف ہندوستان بلکہ اقطاع عالم کے مسلمانوں پر زوال مسلط ہو چکا تھا ان کی حکومتیں کمزور ہو رہی تھیں، وہ تجارت چھوڑ چکے تھے، صنعت و حرفت سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اور ان کے خوشحال ممالک میں خاک اُڑ رہی تھی کیونکہ وہ بری راستہ جس کے ذریعہ ہندوستان کے مال تجارت کو ایشیا کے مغربی ممالک، مصر۔ افریقہ اور یورپ کو لے جایا جاتا تھا، راس اُمید (کیپ آف گڈ ہوپ) کے بحری راستے کے دریافت ہونے سے، بیکار ہو چکا تھا۔ یہ راستہ ہندوستان سے نکل کر افغانستان۔ ایران۔ ترکستان۔ عراق۔ ایشیائے کوچک سے ہوتا ہوا یورپ پہنچتا تھا۔ تصور کی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ کہ جب ہر روز صدہا کاروان، مال تجارت سے لدے ہوئے ان ممالک کے شہروں اور گاؤں سے گزرتے ہوں گے۔ تو یہاں کس قدر خوشحالی بکھرتی چلی جاتی ہوگی۔ راس اُمید کا نیا بحری راستہ کیا دریافت ہوا۔ کہ وہ اس قدیم بری راستہ کے لئے جو خالص اسلامی ممالک میں سے گزر رہا تھا، پیغام موت ثابت ہوا۔

اب وہی تجارت جو ساحل ایران، عرب، زنجبار اور حبش سے ہو رہی تھی، عرب اس پر مدتوں سے قابض تھے۔ ان کی کشتیاں سامان تجارت یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں لا اور لے جا رہے تھے۔ لیکن راس امید کے راستے سے جب پرتگالی ان سمندروں میں آئے۔ تو انہوں نے جنگی جہازوں کے بل پر عربوں سے یہ تجارت چھین لی جس کے بعد ہی ڈچ، فرانسیسی اور انگریز بھی اس میدان میں آئے۔ اور یکے بعد دیگرے ایک نے دوسرے سے میدان خالی کرالیا۔ اور پھر انگریز ہی اس تمام تجارت کے واحد اجارہ دار بن گئے۔

اگر اسی پر اکتفا ہوتا۔ تو ہندوستان کی حالت یہ نہ ہوتی جو ہوئی ہے لیکن انہوں نے ملک کی صنعت و حرفت کو بالجبر مٹا کر انگلستان کو خوشحال بنانے کے لئے، وہاں کی مصنوعات کو یہاں فروغ دینا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے صناع و کاریگر بے کار ہوگئے اور انگلستان مالا مال ہوگیا۔ کرنل مالیس اپنی کتاب "ہندوستان میں فرانسیسیوں کی آخری جدوجہد" کے دیباچہ کے صفحہ ۱۵ پر لکھتا ہے:۔

> اِس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ہمارے ملک والوں (انگریزوں) نے اس وقت (یعنی کمپنی کے ابتدائی زمانہ میں) یہاں (ہندوستان) کے حالات کو کتنے ہی دھندلکے میں دیکھا ہو، لیکن ہم نے اپنی موجودہ حیثیت کو حاصل کرنے کے لئے ہی فرانسیسیوں کو کچلا تھا۔ اسی منصوبہ سے ہم نے بنگال پر قبضہ

کیا۔ اور اسی منصوبہ سے ہم نے ٹیپو کی طاقت کو توڑا۔

بہر طور :۔

ہندوستان کی اس تجارت اور صنعت و حرفت پر قبضہ کے لئے ملک گیری کی ضرورت تھی جس کو ان وسائل نے مہیا کر دیا :۔

(۱) خود ہندوستانیوں کی آپس کی نا اتفاقی۔

(۲) جدید طریقہ ہائے جنگ سے لاعلمی۔

(۳) بحری طاقت کا فقدان جس سے ہندوستان کا ساحل بالکل ہی غیر محفوظ تھا۔

ٹیپو سلطان نے دیکھا کہ :۔

(۱) جب تک ہندوستانی متحد نہ ہوں گے۔ وہ غیروں کے محتاج بلکہ مطیع رہیں گے۔

(۲) جب تک ہندوستانی جدید آلات حرب اور ترقی یافتہ طریقہ ہائے جنگ سے واقف نہیں ہوتے۔ وہ یورپین اقوام سے بازی نہیں لے جا سکتے۔

(۳) جب تک ایک زبردست بحری بیڑہ نہ ہو۔ ساحل ہندوستان کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

اور

(۴) جب تک ملک کی صنعت و حرفت کو فروغ نہیں دیا جاتا، ملک میں خوشحالی پیدا نہیں ہوتی

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے :۔

(۱) اپنے ہمسایہ ممالک سے اتحاد کی انتھک کوششیں کیں۔
(۲) فوج کی تنظیم کرتے ہوئے اُس کو جدید ترین سامانِ حرب سے مسلح کیا۔
(۳) ایک زبردست بحری بیڑہ بنانا شروع کیا۔
(۴) ملک میں کارخانے اور تجارتی کوٹھیاں کھولیں (اس کے مکاتیب سے پتہ چلتا ہے۔ کہ نہ صرف اپنی مملکت میں بلکہ تمام ہندوستان اور بیرونی ممالک میں بھی وہ کوٹھیاں کھولنا چاہتا تھا۔ اور اسی مقصد سے اُس نے مسقط۔ جدہ کچ۔ بوجھ وغیرہ مقامات پر کوٹھیاں کھولیں۔
ایسٹ انڈیا کمپنی سلطان کے ان مقاصد کو بھانپ گئی تھی۔ اور اس کے مٹانے پر تلی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے خود سلطان کی سلطنت میں اور باہر بھی ایسے لوگ مل گئے۔ جو کمپنی کے اس مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے کمپنی کی ہر طرح سے مدد کرنے لگے۔
میرا یقین ہے۔ اور شاید اس کتاب کے پڑھنے کے بعد ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ ہندوستان کے تمام حکمرانوں میں چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ سلطان کی نظیر نہیں مل سکتی۔ قدرت نے اس کو صحیح معنوں میں ہندوستان کا نجات دہندہ بنا کر بھیجا تھا۔ اگر وہ بیک وقت ایشیا اور ہندوستان کا نجات دہندہ کہلا سکتا ہے۔ تو ساتھ ہی ساتھ عالم اسلام کے لئے بھی آخری سنبھالا تھا۔ ع

تیر کش مارا خدنگ آخریں (اقبال)

جس کی سلطنت کو خود ہندوستان کے مسلمان اور ہندو دونوں مل کر

تباہ کر دیئے۔

یہ ٹیپو اور اس کی سلطنت کی تباہی نہیں تھی۔ پورے ہندوستان کی تباہی تھی۔ ہندوستان کے صنعت و حرفت کی تباہی تھی۔ ہندوستان کی تجارت اور خوشحالی کی تباہی تھی۔ اور ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ساتھ پورے عالم اسلام اور ایشیا کی آزادی کی تباہی تھی۔

سطورِ ذیل میں کرک پیٹرک کی کتاب سے ٹیپو کی اس جدوجہد کا خاکہ دیا جاتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ (محمود)

ٹیپو سلطان کے تجارتی احکام

(کرنل ولیم کرک پیٹرک کی کتاب سے)

ٹیپو سلطان نے اپنے دورِ حکومت میں تجارتی احکام دو موقعوں پر شائع کیے۔ پہلی مرتبہ ۱۷۸۴ء میں (یعنی تخت نشینی کے فوراً بعد) اور دوسری مرتبہ ۱۷۹۳ء میں۔

ان احکام پر پہلے بطور افتتاحیہ دو آیات قرآنی دی گئی ہیں۔ جو بحری تجارت کے متعلق قرآن مجید میں ہیں۔

وَھوالذی سخرالبحرلتاکلو منہ لحما طریاً وتستخرجو منہ حلیۃ تلبسونہا وَتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغو من فضلہٖ ولعلکم تشکرون ۰ (سورۂ نحل ۱۴)

ترجمہ :- اور وہی ہے جس نے دریا کو قابو میں کیا: تاکہ تم اُس سے تازہ گوشت (مچھلی) کھاؤ- اور اس میں سے زیور (موتی - مرجان) نکالو- جسے تم پہنتے ہو- اور تم دیکھتے ہو- کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں- تاکہ تم اُس کے فضل سے معیشت طلب کرو- اور تاکہ تم شکر گزار ہو-

ومن ایٰتہٖ ان یرسل الریاح مبشرٰت ولیذیقکم من رحمتہٖ ولتجری الفلک بامرہٖ ولتبتغوا من فضلہٖ ولعلکم تشکرون-

(سورۂ روم- آیت ۴۶)

ترجمہ :- اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے- کہ وہ بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے- اور تاکہ اپنی رحمت میں سے تمہیں کچھ چکھائے اور تاکہ اُس کے حکم سے کشتیاں جاری ہوں: تاکہ اُس کا فضل (روزی) تلاش کرو- شاید تم شکر گزار ہو ٥

ان آیات قرآنی سے سلطان کا مقصد بحری تجارت کو ترقی دینا اور استحکام بخشنا تھا- اگرچہ اس میں شک نہیں- کہ سلطان کو اس کے ساتھ ساتھ برّی تجارت کے فوائد بھی معلوم تھے- اور وہ ان دونوں اقسام کی تجارتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا-

بحری تجارت کے متعلق سلطان کا نقطۂ نظر یہ تھا- کہ قرآن مجید میں جو احکام تجارت ہیں، ان پر عمل کرتے ہوئے ایک بحری طاقت بھی، اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے بنائے- کیونکہ ملک کا بہت بڑا حصہ ساحلی

تھا - اس تجارت سے نہ صرف اندرونِ ملک کی پیداوار کی نکاسی مقصود تھی بلکہ اس تجارت کے ذریعہ دوسرے ممالک سے رابطہ اور اتحاد پیدا کرنا بھی مدِ نظر تھا -

احکام جو ان فرامین سلطانی میں دیئے گئے ہیں - ان میں افسروں کے لئے ہدایات ہیں جو محکمۂ تجارت کے بڑے افسر تھے - انہیں سلطان نے ملک التجار کے لقب سے نامزد کیا ہے - یہ افسر تعداد میں نو تھے - ان کا ایک بورڈ بھی بنایا گیا تھا - اور اس کے ذمہ بحری تجارت کی ترقی کے وسائل سوچنا - اور ان پر عمل کرنا تھا - احکام جو سلطان نے دیئے تھے، حسب ذیل ہیں :-

تجارتی احکام

(۱) تجارتی بورڈ کو نظر رکھنا چاہیئے - کہ تجارت کے لئے مختلف اشیا جیسے ریشم اور ریشم کے مصنوعات - صندل کی لکڑی - کالی مرچ - بڑی اور چھوٹی الائچی ناریل - چاول اور ہاتھی دغیرہ کافی مقدار اور تعداد میں ہمیشہ فراہم رکھیں - تاکہ انہیں درآمد و برآمد کیا جا سکے

(۲) بورڈ کو چاہیئے - کہ غیر ملکی تاجروں کو اس ملک میں آنے کی ترغیب دے اور ان تاجروں کو ان کی جان و مال کی حفاظت کا یقین دلایا جائے -

(۳) بورڈ کو چاہیئے - کہ قابل اور لائق متصدیوں اور گماشتوں کو جو تجارت اور حساب میں ملکہ رکھتے اور قابلِ اعتماد ہوں، ملازمت میں داخل کرے - ان لوگوں کو سلطنت کے اندر یا باہر مختلف تجارتی کوٹھیوں اور کارخانوں (فیکٹریوں)

میں تعینات کرتے ہوئے خیال رکھا جائے۔ کہ یہ لوگ رشوت وغیرہ نہ لیں اور نہ اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھیں۔

(۴) بورڈ کو چاہیئے۔ کہ اپنے محکمہ کے ہر جزو کل پر پوری توجہ دے۔ اور حسابات کی جانچ پڑتال پوری تنقیدی نظر سے کرے۔ تاکہ ملک کی اندرونی بیرونی کوٹھیوں اور فیکٹریوں میں دھوکہ دہی کی وارداتیں اور غبن وغیرہ نہ ہونے پائے۔

(۵) بورڈ کے تمام ممبروں کو اپنے اپنے مذہب و اعتقاد کے مطابق حلف اٹھانا چاہیئے۔ کہ اپنے فرائض کو پوری توجہ اور ایمانداری سے ادا کریں گے۔

(۶) اگر خدانخواستہ محکمہ کا کوئی بڑا افسر اپنی زیر نگرانی کوٹھی یا فیکٹری میں کام سے تساہل کرے۔ یا غبن وغیرہ کا مرتکب ہو۔ تو باقی افسروں کو اس کی بے عزتی کرنے اور اس کے متعلق حضور سلطانی میں رپورٹ کرنے سے باز نہ رہنا چاہیئے۔ تاکہ مجرم کو فوراً واقعی سزا دی جا سکے جس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

(۷) اگر ماتحت ملازمین، جو کوٹھیوں اور فیکٹریوں میں ہیں۔ دغا، غبن یا کسی اور قسم کی نقصان رساں کارروائی کریں۔ تو انہیں خدائی احکام کے مطابق سزا دی جائے۔

(۸) جب کبھی کوئی اہم معاملہ یا مشکل مسئلہ پیش آ جائے۔ تو چاہیئے کہ محکمہ کے بڑے افسر ایک جگہ جمع ہو کر بحث و مباحثہ کریں۔ اس وقت ہر افسر کو اپنی رائے اس کتاب میں لکھنی چاہیئے۔ جو اسی مقصد کے لئے رکھی گئی ہے۔ اور اس رائے یا تجویز کے نیچے اپنے دستخط کرنے چاہئیں۔ ان جلسوں میں ماتحت ملازمین کو شامل

نہ کیا جائے۔

اس کتاب روداد کو ہمیشہ ایک محفوظ صندوق میں بند رکھا جائے۔ اور اس پر محکمہ کی مہر ہونی چاہئے۔ تاکہ جب کبھی اس کتاب سے سند حاصل کرنے کی یا کسی جلسہ کی کوئی کارروائی یا کسی ریزولیشن کی وضاحت دیکھنے کی ضرورت ہو۔ یا کسی معاملہ میں اختلاف رائے ہو۔ تو کتاب، سند کے لئے محفوظ اور ہر وقت موجود رہے۔

(۹) بورڈ کو چاہئے۔ کہ اپنے جلسوں کی کارروائی سے پوری تفصیل کے ساتھ سلطان کو ہر وقت مطلع کرے تاکہ سلطان اپنا حکم اسی کاغذ پر نیچے یا پشت پر لکھ کر واپس کرے۔

(۱۰) کسی معاملہ میں، جس میں ایک کثیر رقم پہلے ہی خرچ ہونے والی ہو، یا وہ معاملہ اس قدر اہم ہو۔ کہ رازداری کی ضرورت محسوس ہوتی ہو۔ تو ایسے موقع پر بورڈ کے ممبروں کو چاہئے۔ کہ ان میں سے کوئی ممبر یا سیکرٹری یا کوٹھی کا بڑا افسر اس معاملہ کو خود اپنے ہاتھ سے لکھے۔ اور بذات خود حضورِ سلطانی میں پیش کرے۔ سلطان اسی وقت منظوری یا نامنظوری کا حکم لکھ کر اپنے دستخط ثبت کرے گا۔ اور صیغہ رازہی میں اس افسر تک وہ کاغذات پہنچا دے گا۔

(۱۱) تمام حکمنامے اور کاغذات جن پر سلطان کے دستخط ہوں۔ ایک حفاظتی صندوق میں مقفل رکھے جائیں۔ اور اس پر محکمہ کی مہر بھی لگائی جائے۔ یہ صندوق دارالسلطنت کے خزانہ میں میر میرانِ خزانہ کی نگرانی میں رہے گا۔ افسرانِ محکمہ کے

پاس حکمناموں اور فرمانوں کی صرف نقلیں رہیں گی۔

اگر محکمہ کے بڑے افسروں میں جیسے میرزائے دفتر وغیرہ مسلمانوں کو ملازم رکھا جائے۔ نو ان کی شرافت اور عقاید کا خیال رکھا جائے: تاکہ معاملات اور خیالات میں وہ ایک دوسرے سے اتفاق کر سکیں۔

ان افتتاحیہ احکام کے بعد تجارت کے متعلق، راہنمائی کے لئے جزوی احکام تھے۔ ان احکام کو، کام کے مطابق علیحدہ علیحدہ عنوانوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ عنوان حسب ذیل ہیں:۔

(۱) بحری فوج

(۲) مسقط اور کچھ (Cutch) کی تجارتی کوٹھیوں کے متعلق خاص احکام۔

(۳) سرمایہ اور اس کا مصرف۔

(۴) خاص دارالسلطنت کے اندر جو کارخانے اور تجارتی کوٹھیاں ہیں۔ ان کے متعلق احکام۔

(۵) غیر ملکوں سے تجارت اور اس کے ذرائع۔

(۶) تجارتی سرمایہ میں رعایا کی شرکت کے اصول۔

(۷) متفرق قوانین۔

ا۔ بحری فوج

نوٹ:۔ یہ محکمہ پہلے پہل محکمۂ تجارت کے ماتحت قائم کیا گیا تھا۔ (اسی لئے اس کے متعلق قوانین تجارت کے تحت میں آگئے ہیں) لیکن بعد میں اس کو علیحدہ کر کے ایک خالص فوجی محکمہ بنایا گیا جو ایک میر یم (ایڈمیرل) کے ماتحت تھا۔

اس محکمہ میں دو قسم کے جہاز بنانے کا علم تھا۔ ایک خضری۔ دوسرا الیاسی۔

خضری جہاز = خالص تجارت کے لئے تھے۔

الیاسی جہاز = خالص جنگی جہاز تھے۔

احکام:۔ (۱) محکمہ کو فوراً کام شروع کرتے ہوئے ایک سو جہازات بنانے کا انتظام کرنا چاہئیے۔ اس کے لئے فی الوقت دس جنگی جہاز محکمہ کے سپرد کئے جاتے ہیں تاکہ ان سے ضروری اور حفاظتی کام لیا جائے۔

(۲) محکمہ کو فوراً اپنی توجہ مبذول کرتے ہوئے، مندرجہ ذیل دو قسم کے آدمیوں کو بھرتی کرنا چاہئیے۔

الف - وہ جو بحری جنگ میں واقفیت رکھتے ہوں۔

ب - وہ جو تجارتی معاملات میں قابل ہوں۔

اس معاملہ میں اُمید کی جاتی ہے کہ محکمہ سلطنت کی حفاظت و تجارت کے فروغ اور آدمیوں کے انتخاب کے معاملہ پر پوری احتیاط سے توجہ کریگا۔

(۳) محکمہ کو اپنی ضروریات، جیسے جہاز سازی کے لئے لکڑی۔ رسیاں اور دوسری اشیا جو ضروری ہیں، مستقر کے آس پاس کے علاقہ میں خرید کرنا چاہئیے۔

ان اضلاع کے آصفوں کو ان کی فراہمی کے لئے احکام بھیج دئے گئے ہیں۔"

(۴) اگر کوئی چیز مقامی طور پر نہ ملے۔ تو اس کی رپورٹ حضوری میں کی جائے

تاکہ یہاں کے گوداموں میں تلاش کر کے مہیا کی جا سکے - اور بہ صورت نایابی ہدایت دی جائے گی - کہ کہاں خریدی جائے -

(۵) محکمہ کے ہر ملازم کو تنخواہ باقاعدہ طور پر اور بر وقت دینی چاہئے -

آخر میں جہازات جلد از جلد بنانے پر توجہ کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے

آصفان ضلع کے نام احکام - نوٹ :- مذکورہ بالا سلسلے میں ضلعوں کے آصفوں کو جو احکام دئے گئے تھے - ان میں سے چار دفعات حسب ذیل ہیں :-

(۶) جمال آباد، ماجد آباد اور واجد آباد کے بحری کارخانوں کو حکم دیا گیا ہے - کہ وہ جلد سے جلد ۳۱ مستولی و دو مستولی تجارتی جہاز تیار کریں - اس تعداد میں گیارہ جمال آباد میں - اور دس دس ماجد آباد اور واجد آباد میں تیار ہوں گے -

(۷) مقامی تاجروں کو اجازت دی جائے - کہ وہ ان جہازوں پہ چاول ناریل اور دوسری چیزیں (سوائے ان چیزوں کے جن پر سلطنت کی اجارہ داری ہے) بار کریں

(۸) ان جہازوں کے تیار ہو جانیکے کے بعد امتناعی حکم دے دیا جائے - کہ ان کے پاس جو چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہیں وہ بحری تجارت میں استعمال نہ کریں - یہی حکم ان تاجروں کے متعلق ہے جو ان چھوٹی کشتیوں کو کرایہ پر لے کر تجارت کرتے ہیں -

وہ تاجر جن کے پاس بڑے جہاز ہیں - یا وہ خود بڑے جہاز بنالیں گے - اس قانون سے مستثنیٰ ہوں گے -

(۹) چونکہ ملک چین کے جہازوں پر حفاظت کے لئے اسلحہ نہیں ہوتے - اور قزاقوں کا خوف لگا رہتا ہے، اس لئے لکھ دیا گیا ہے - کہ اس ملک کے جہاز ہمارے ساحلوں پر نہ آئیں - بلکہ ان کے عوض ہمارے اپنے جنگی جہاز وہاں کے تاجروں

اور اُن کے تجارتی سامان کو بار کر کے یہاں لائیں۔ اور اُن تاجروں کو اُن کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی جائے۔ اور جب یہ تاجر اپنا مال فروخت کرنے کے بعد اپنے ملک میں لے جانے کے لئے جو مال خریدیں۔ انہیں پوری حفاظت سے اُن کے ملک تک پہنچا دیا جائے[۱]

۲ مسقط اور کچھ کی کوٹھیوں اور فیکٹریوں کے متعلق احکام

(بنام تجارتی بورڈ)

(سلطان نے بندرِ مسقط میں ایک، کچھ (مغربی ہندوستان) میں ایک[۱] اور جدہ میں ایک ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی کوٹھیوں کے نمونہ پر یہ کوٹھیاں کھول لی تھیں۔ یہ کوٹھیاں سلطان نے بورڈ بنانے سے پیشتر ہی حکومت کی جانب سے کھول دی تھیں۔ اور ان پر سرکاری نگرانی تھی۔ بندرِ جدہ کی کوٹھی میں جو مہر استعمال ہوتی تھی۔ اس پر "دار سراسر مال" کے الفاظ کندہ تھے۔ کچھ کی کوٹھی کے مہر پر "ظرت ذہب" اور مسقط کی مہر پر "کان زر . . . . [۲]" کندہ تھا۔ اور ان سے تاریخ اجرائے کوٹھی ۱۲۰۱ مولودی بحساب زر نکلتی تھی۔

---

[۱] بحری قزاقوں کے متعلق جو ان سمندروں میں تھے۔ سلطان کے ایک فرمان میں یہ الفاظ ہیں:-

"یہ بحری قزاق ہمارے ساحلوں کے نزدیک اس قدر ہیں جتنے پانی میں حباب ہوتے ہیں ان قزاقوں کے گرفتار کرنے کے لئے ہر قسم کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ تاکہ وہ جہاز جو اس ملک کو آتے اور جاتے ہیں۔ وہ ان سے محفوظ رہ سکیں۔" (کرک پیٹرک)

[۲] کرک پیٹرک لکھتا ہے کہ "یہ لفظ پڑھا نہ جا سکا۔"

(۱) مسقط اور کچھ کی کوٹھیاں براہِ راست آپ (تجارتی بورڈ) کے ماتحت دی جاتی ہیں۔ بورڈ کو چاہیئے۔ کہ تمام حکمنامے اور سرکاری مہریں (Seals) اپنے قبضہ میں کر لے۔

(۲) بورڈ کو چاہیئے۔ کہ تین لایق اور قابلِ اعتماد آدمیوں کو اپنی جانب سے انتخاب کر کے ان کوٹھیوں میں بھیجے، جو وہاں کے سرکاری ملازموں سے تمام تجارتی مال۔ روپیہ وغیرہ باقاعدہ رسید دے کر اپنے قبضہ میں کریں۔

(۳) بورڈ کو چاہیئے۔ کہ کالی مرچ۔ صندل۔ بڑی اور چھوٹی الائچی۔ ناریل چھالیہ۔ چاول۔ موم اور شہد جس قدر تجارت کے لئے ضروری ہیں۔ ان کا انتظام کرے۔ پھر حضوری میں ان کی مطلوبہ مقدار سے اطلاع دے۔ تاکہ اضلاع کے آصفوں کو حکم دیا جائے۔ کہ ان کی فراہمی میں بورڈ کی تائید کریں۔

(۴) ان چیزوں کی فروخت سے ان کوٹھیوں کو جو نفع حاصل ہو، اس کا حساب صحیح طور پر اور باقاعدہ ان کوٹھیوں کے حسابوں کے رجسٹر میں رکھا جائے۔

(۵) سوائے بورڈ کے مقرر کردہ آدمیوں کے ان کوٹھیوں میں اور کسی کو تجارت کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

(۶) مسقط کی کوٹھی میں سالانہ چھ ہزار رطل گندھک خام "مقامی طور پر خرید کر کے جمع کی جائے۔

(۷) اس چھ ہزار رطل خام گندھک کے متعلق حکم دیا جاتا ہے۔ کہ اس میں سے آٹھ سو رطل جمال آباد کے آصف کو، سات سو رطل نگر کے آصف کو اور

بقیہ چار ہزار پانچسو رطل سرنگاپٹم کے قلعہ دار کو بھیجے جائیں۔

(۸) جو داروغہ اور متصدی ان کوٹھیوں میں ملازم ہوں گے، ہر تین سال کے بعد انہیں دوسری کوٹھیوں میں بدل دیا جائے۔

(۳) سرمایہ

(۱) چار لاکھ راحتی[1] (سلطانی اشرفی) بغرض تجارت بورڈ کے سپرد کیے جاتے ہیں۔ اس رقم سے سونا چاندی، کپڑا اور ہاتھی وغیرہ خرید کر برآمد کے لئے فوراً تیار رکھنے چاہئیں۔ خدائے برتر کی عنایت سے اُمید ہے۔ کہ اس تجارت میں کافی نفع ملے گا۔

(۲) حضوری میں اس کی اطلاع دیں۔ کہ کتنے ہاتھی اور کتنا صندل الائچی کالی مرچ۔ چاول۔ ناریل اور گرم مصالحہ ان کوٹھیوں میں تجارت کے لئے درکار ہے۔ آصفان ضلع کو حکم دیا جائے گا۔ کہ ان اشیاء کی خریداری میں بورڈ کی مدد کریں۔ اور مقامی حالات کے لحاظ سے قیمتوں کا تعین کریں اس کے بعد بورڈ کو چاہئے۔ کہ ان کی قیمت آصفوں کے ذریعہ ادا کر کے رسید حاصل کرے۔

(۳) تمام سونا چاندی یا سونے اور چاندی کے سکے اور ریشمی مصنوعات

---

[1] کرکپیٹرک نے اپنی کتاب میں چار لاکھ راحتی کے ایک لاکھ اٹھائیس ہزار پونڈ لکھے ہیں اس نے جو حساب دیا ہے وہ پاؤ اشرفی کا ہے جس کا نام فاروقی اور وزن تقریباً پانچ آنے ہے سلطانی اشرفیاں دو قسم کی تھیں ایک احمدی جس کا وزن ایک تولہ ہے اور دوسری راحتی اس کا وزن پانچ ساورن یا تقریباً ساڑھے تین تولے ہے۔ سلطان نے یہ اشرفیاں شاہ عالم کو بھیجنے کے لئے بنائی تھیں۔ بعد میں ملک میں بھی رائج کر دیں۔ وزن کے لحاظ سے فی ساورن پندرہ روپیہ سے چار لاکھ راحتی کے تین کروڑ روپے ہوتے ہیں۔

سرکاری کارخانوں سے خرید کئے جائیں۔ اور ان محکموں کو قیمت ادا کر کے رسیدیں حاصل کی جائیں۔ ان سرکاری کارخانوں سے جو مال خریدا جائے گا۔ اس کی قیمت کی ادائیگی کے لئے مہلت درکار ہو۔ تو یہ مہلت حضوری سے دی جائیگی۔

(۴) بورڈ کو اجازت ہے۔ کہ اُس کے ایجنٹ جو چیز فروخت کریں۔ اگر ان چیزوں کی قیمت نقد وصول ہونے تک خریدار اگر سونا۔ چاندی۔ جواہرات ریشم یا دوسری قیمتی چیزیں بطور ضمانت رکھے۔ تو اس ضمانت کو قبول کر لیا جائے اور اس ضمانت کے لئے ایک ہزار روپیہ قیمت کے عوض ایک ہزار دو سو روپیہ کی چیزیں بطور امانت رکھی جائیں۔

(۵) بورڈ کو چاہئے کہ تمام مال تجارت پر سلطنت کے مروجہ قوانین کے مطابق محصول ادا کرے۔ جیسا کہ خود رعایا ادا کرتی ہے۔

۳۔ تجارتی کوٹھیاں

(۱) بورڈ کو سلطنت کے اندر مندرجہ ذیل تیس مقاموں پر کوٹھیاں کھولنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

(۱) پایۂ تخت (سرنگاپٹم) (۲) سلام آباد (ستی منگل)
(۳) وزیامنگل یا اریواکرچی (۴) بنگلور
(۵) باگلور (۶) مڑداگل
(۷) کولار (۸) مدن پلی
(۹) گرم کنڈہ (۱۰) پنگ نور
(۱۱) رائے چوٹی (۱۲) فیض حصار (گوتی)

(۱۳) دہرماورم (۱۴) فخرِ باب حصار (چتل درگ)

(۱۵) گردون شکوہ (نندی درگ) (۱۶) نگر

(۱۷) شکار پور (۱۸) کوڑیال بندر (منگلور)

(۱۹) خوشحال پور (۲۰) برکور

(۲۱) سونڈہ (۲۲) گردار (کاروار)

(۲۳) جمال آباد (کنانور) (۲۴) بھٹکل

(۲۵) فتح آباد (۲۶) کرور

(۲۷) کرپ (۲۸) بن واسی

(۲۹) بے نظیر (۳۰) ہریال

۲ - بورڈ کو چاہئے۔ کہ ان مقاموں پہ تنخواہ دار منصدی اور گماشتے مقرر کرے۔ تاکہ وہ یہاں سے مال خرید کر کے فراہم کریں۔

۳ - ان مقاموں کے علاوہ سلطنت خداداد کے کسی اور شہر یا گاؤں میں بھی اگر مال مل سکتا ہے۔ تو وہاں بھی ایجنٹ مقرر کر کے مال خرید کیا جائے۔

ان ایجنٹوں کو ہر سال دوسرے مقاموں پہ بدل دیا جائے۔

۴ - اگر پرائیویٹ تاجر ان اشیا کو جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جو ہماری مملکت کی پیداوار ہیں، خریدنے کے بعد اپنی جانب سے خرید و فروخت کرنا چاہیں۔ تو بورڈ کو چاہیئے۔ کہ مال ان کے ہاتھ فروخت کر دے

۵ - بورڈ کو چاہیئے۔ کہ ہر ضلع کے صدر مقام میں آصف ضلع کے ساتھ

اپنا ایک نائب مقرر کرے۔ تاکہ قیمتوں پر نگرانی ہو سکے۔ ایسا شخص نہایت امانتدار اور عمدہ چال چلن کا ہو۔ اور وہاں پہلے سے اس کی ساکھ ہو۔ اس نائب کو ایک متصدی، ملازم رکھنے کی اجازت دی جائے۔

ان نائبوں کا تقرر نہایت احتیاط سے کیا جائے۔ مقررہ مقاموں پر انہیں بھیجنے سے پہلے ان کے چال چلن کے متعلق کافی ضمانت لے لی جائے۔ اور اس کے بعد انہیں حضوری میں پیش کر کے ان کے تقرر کی سند ہمارے دستخط سے حاصل کی جائے۔

۶۔ ان ایجنٹوں کو جن کا ذکر دفعہ نمبر ۱ میں ہوا ہے، ان نائبوں کے ماتحت کیا جائے جن کا ذکر دفعہ نمبر ۳ میں کیا گیا ہے۔

ان نائبوں اور متصدیوں کو حکم دیا جائے کہ وہ ہر سال آصفوں کے ساتھ پایہ تخت میں آکر حضوری میں باریاب ہوں۔ اور اپنا اپنا حساب اور کارگزاری کی روداد پیش کریں۔

۷۔ بورڈ کو چاہیئے کہ حسابات کی تنقیح کرے۔ اور ان کا گوشوارہ بنا کر حضوری میں پیش کرے۔"

(نوٹ:۔ ماہ ذالحجہ میں عید کے موقع پر ہر سال آصفان قلعہ اور نائبانِ تجارت بورڈ کی علیحدہ علیحدہ کانفرنسیں سرنگاپٹم میں ہوتی تھیں۔ ان کانفرنسوں کا خرچ سرکاری خزانہ سے ادا کیا جاتا تھا) کرک پیرک

۸۔ ان تجارتی نائبوں کے جمع ہونے پر بورڈ کی جانب سے تمام مسلمان افسروں کو ایک شاندار دعوت دی جائے جس میں قسم اول کی بریانی کھلائی

جائے۔ اور اسی طرح تمام ہندو افسروں کی علیحدہ دعوت کا انتظام کیا جائے جس میں ان کی مرغوب غذاؤں کا اہتمام کیا جائے۔ ان دعوتوں کا خرچ سرکار سے ادا کیا جائے گا۔ اس دعوت کے بعد انہیں حضوری میں پیش کر کے، ان سے حسابات لے کر جانچ پڑتال کی جائے۔ اور اگر کوئی امر دریافت طلب ہو۔ تو زبانی دریافت کیا جائے۔ کام ختم ہونے کے بعد انہیں عطر اور پان دے کر رخصت کیا جائے۔

۹۔ ان حسابات پر جو جانچ پڑتال کے بعد منظور ہوں گے۔ سلطان کے دستخط لے کر انہیں بورڈ کے دفتر میں محفوظ رکھا جائے۔

۱۰۔ اس موقع پر بورڈ کو چاہیئے۔ کہ ان نائبوں اور متصدیوں سے وہ تمام کاغذات اور خطوط حاصل کر لئے جائیں۔ جو سال کے دوران میں انہیں لکھے گئے تھے۔ اور ان کی ایک فہرست بنا کر اس کی ایک ایک نقل انہیں دے دی جائے۔ جس پر بورڈ کے دستخط ہوں۔ اول الذکر کاغذات سب تباہ کر دئے جائیں۔

(نوٹ:۔ کاغذات کے تباہ کر دینے کے حکم سے شاید مقصود یہ ہے کہ غیر ضروری کاغذات کا انبار نہ لگ جائے۔) کرک پیٹرک

۵۔ غیر ملکوں میں تجارتی کوٹھیاں کھولنے کے متعلق احکام

غیر ملکوں سے تجارتی روابط پیدا کرنے اور ان ملکوں میں کوٹھیاں کھولنے کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع استعمال کئے جائیں۔

۱۔ بورڈ کو چاہیے۔ کہ غیر ممالک کے حکام کو عرضیاں بھیجے اور ان عرضیوں کے ساتھ مناسب تحائف بھی روانہ کرے۔ یہ عرضیاں اور تحائف، نہایت عمدہ چال چلن والے اور قابل و ہشیار آدمیوں کے ہاتھ سے بھیجیں۔ اُن حکام سے منظوری اور ضروری حفاظت کا قول نامہ حاصل ہونے کے بعد وہاں فوراً کوٹھیاں کھولنے کا انتظام کیا جائے۔ اور وہاں کارآگاہ اور قابل آدمیوں کا انتخاب کر کے روپیہ اور مال بھیجا جائے۔

۲۔ ان کوٹھیوں کے افسروں کو ہدایت ہونی چاہیئے کہ وہ ان ملکوں میں اُن چیزوں کو خریدکریں۔ جو یہاں فروخت کے قابل ہوں۔ اور یہاں کی چیزیں منگاکر وہاں فروخت کریں۔

۳۔ یہ تجارتی کوٹھیاں مندرجہ ذیل مقامات پر کھولی جائیں:۔

(۱) کرنول	(۲) چیناپٹن (مدراس)
(۳) پانڈی چری	(۴) پونا
(۵) کڑپہ	(۶) ناگپور
(۷) ویراگ۔ ماتحت پونا	(۸) راسے گاؤں
(۹) پگار کوٹہ (ماتحت راستنا)	(۱۰) اتنی (ماتحت راستنا)
(۱۱) ہمناباد (ماتحت حیدرآباد)	(۱۲) ناندیڑ (ماتحت حیدرآباد)
(۱۳) رائچور۔ (ماتحت حیدرآباد)	(۱۴) مسقط
(۱۵) کراچی بندر (ماتحت نصیرخاں بلوچ)	
(۱۶) کچھ بھوج	(۱۷) ماہی بندر

۴- بورڈ کو اختیار دیا جاتا ہے۔ کہ ان کوٹھیوں کے کھولنے کے لئے جو رقم ضروری اور مناسب سمجھی جائے، خرچ کرے۔

۵- بورڈ کو چاہیئے۔ کہ سلطنت خدا داد میں جہاں ریشم کے اعلی درجہ کی مصنوعات تیار ہوتی ہوں، وہاں معقول ایجنٹ مقرر کرے۔ اور وہ ان چیزوں کے خریدنے کے لئے کاریگروں سے کنٹریکٹ (اگتہ) کرلیں۔ اور ان مصنوعات کو حاصل کرکے ان تجارتی کوٹھیوں کو روانہ کریں۔

۶- غیر ممالک میں بھی جہاں اعلی درجہ کی ریشمی چیزیں بنتی ہیں۔ وہاں سے مال خرید کرکے یہاں لایا جائے۔ اور مناسب نفع پر فروخت کیا جائے۔

۷- اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سلطنت خدا داد کی پیداوار باہر کے ملکوں میں اور اس کے عوض وہاں کی پیداوار سلطنت خدا داد کے اندر لاکر مناسب نفع سے فروخت کی جائے۔

COMMERCIAL DEPOSITS.

۲- تجارتی امانت داری

(۱) سلطنت خدا داد کی تمام رعایا کو بلالحاظ مذہب و ملت تجارت میں حصہ لینے اور نفع حاصل کرنے کی بابت

احکام

تمام تعریف اور برتری اُس خدائے برتر و توانا کو سزاوار ہے جس نے ایک مشت خاک میں روح پھونکی، جو اس سے پہلے بےجان تھی۔ اور اس کو انسان کی شکل دی۔ اور انہیں میں سے بعض کو

درجہ اور طاقت۔ دولت اور حکمرانی اس لئے دی کہ کمزوروں، بے بسوں اور غریبوں کی خبر گیری کریں اور انسانوں کی بھلائی کی کوشش کریں ؎۱

ان احکام خداوندی کے تحت، حکم دیا جاتا ہے کہ:۔

(۲)۔ سلطنت خداداد کی رعایا میں سے جو شخص بھی پانچ سے پانچ سو امامی (سلطانی روپیہ) تک تجارت میں لگانے کے لئے ڈپازٹ کرے، اس کو سال کے اخیر میں اس کی اپنی رقم کے ساتھ ہر امامی کے عوض نصف امامی بطور نفع دیا جائے (یعنی پچاس فیصدی)

(۳) جو شخص بھی پانچ سو سے لیکر پانچ ہزار امامی تک امانت دے اس کو سال کے اخیر میں ہر امامی کے عوض پاؤ۔ امامی بطور نفع دیا جائے۔ (یعنی ۲۵ فی صدی)

(۴) پانچ ہزار امامی کے اوپر جو شخص بھی امانت دے گا۔ اس کو سال کے اخیر میں اس کی رقم کے ساتھ ہر فی صدی امامی ۱۲ امامی نفع دیا جائے گا۔ (یعنی ۱۲½ فی صدی)

(۵) یہ قانون نسلاً بعد نسلاً عمل میں رہے گا۔

(۶) اگر کبھی کوئی شخص اپنی امانت کی رقم یا اس کا کچھ حصہ، کسی وقت بھی واپس

؎۱ معلوم نہیں ہوا۔ کہ یہاں کن آیات قرآنی کو دیا گیا تھا۔ کرک پیٹرک نے اس کا ترجمہ اس طرح دیا ہے:۔

اگر حوالہ دیا جاتا۔ تو یہاں اصل آیتیں اور صحیح ترجمہ دیا جاتا۔ (محمود)

لینے کی خواہش ظاہر کرے۔ تو اس کا روپیہ مع منافع کے جو اس وقت تک جمع ہوا ہو بغیر کسی دیر یا لیت ولعل کے، واپس کر دینا چاہئے۔ اور اس ادائیگی کی اس شخص سے باقاعدہ تحریری رسید لی جائے۔ اور اسے بہ حفاظت رکھا جائے۔

(۷) اگر کوئی شخص جس نے امانت دی ہو۔ فوت ہو جائے۔ اور اس کے ورثا، اس کی امانت کی رقم طلب کریں۔ تو بورڈ کا دیا ہوا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے، تحقیقات کی جائے۔ کہ رقم طلب کرنے والے جائز حقدار ہیں یا نہیں۔ اور اگر اس کا ثبوت مل جائے کہ وہ جائز حقدار ہیں۔ تو ان سے رسید لے کر امانت کی رقم مع اس منافع کے، جو اس وقت تک واجب الادا ہو، بغیر کسی دیر یا لیت ولعل کے دے دی جائے۔

(مندرجہ بالا دفعات کے بعد حساب رکھنے کے طریقے وغیرہ بتائے گئے ہیں، جنہیں غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ڈرک پیرنگ)

مندرجہ بالا فرمان پر ڈرک پیرنگ کی رائے یہ ہے:۔

اس فرمان سے ظاہر ہے۔ کہ تجارت کے لیئے سلطان، رعایا سے "لون" (Loan) قرض لینا چاہتا تھا۔ چونکہ اسلام میں سود حرام ہے۔ اس لئے اس نے بجائے سود کے منافع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سلطان کی اس سے کوئی ذاتی غرض وابستہ نہ تھی۔ اور نہ وہ بذاتِ خود کوئی نفع پیدا کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ اس کے عوض وہ اپنی رعایا کو اور خصوصاً غریب طبقے کو زیادہ سے

زیادہ فائدہ پہنچانا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ جو نفع منظور کیا گیا ہے وہ غریبوں کے لئے ۵۰ فی صدی۔ متوسط طبقہ کے لئے ۲۵ فیصدی اور مالدار طبقہ کے لئے ۱۲ فیصدی ہے۔

اس قسم کی نفع رسانی کا کوئی قرضہ دوسرے ملکوں میں رائج نہیں ہے۔ جہاں ہر شخص کو سود ایک ہی شرح پہ دیا جاتا ہے۔ بہرطور غریب ہو یا امیر، سب کو سلطان پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ خوشی سے اس سودے میں شریک ہونے کے لئے تیار تھے۔

(صفحہ ۵۴ ضمیمہ کتاب کرک پیٹرک)

۷۔ متفرق قوانین

بورڈ کو چاہیئے، کہ

(۱) کسانوں کو کالی مرچ اور صندل پیدا کرنے کے سلسلہ میں ہر طرح کی ہمت افزائی کریں۔ اور مالی مدد بھی کی جائے۔ اس پیداوار میں کسان کا جو حصہ ہوگا۔ اس کو سرکار سے بہ عوض زر نقد خرید لیا جائیگا۔

(۲) بورڈ کے تجارتی نائبوں کو جو اضلاع میں ضلعوں کے آصفوں کے ساتھ رہیں گے۔ گماشتے رکھنے کا اختیار ہوگا۔ اور انہیں اس امر کی اجازت ہوگی۔ کہ ان تمام چیزوں کو خریدیں۔ جو سرکار کی اجارہ داری میں نہیں ہیں (سوائے صندل، سونا۔ اور چاندی کے جن پر سرکاری اجارہ داری قائم ہے) ان اشیا کی خرید و فروخت میں آصفانِ ضلع کوئی دخل نہ دیں گے۔ بلکہ جو اعانت ضروری سمجھی جائے۔ وہ ان سے حاصل کی جائے۔

(۳) آصفانِ ضلع اور عاملانِ سرکار کو اپنے خاص روپیہ سے اس تجارت

میں حصہ لینے کے لئے کوئی رکاوٹ یا ممانعت نہیں ہے۔

(۴) جب کبھی دربار منعقد ہو تو تمام محکموں کے بڑے افسروں کو اس میں شریک ہونے کے لئے بروقت دعوت دی جائے۔ اور اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، حکام دولت کی ایک کانفرنس مقرر ہو، جس میں تمام امور پر بحث کی جائے، تاکہ یہ لوگ ہر محکمہ کے کام سے واقفیت اور معلومات حاصل کریں اور ایک دوسرے کی رائے سے کسی اچھے نتیجہ پر پہنچیں۔ اس وقت ان کے ساتھ مرزائی دفتر اور ہندوی دفتر ساتھ ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ تمام معاملات کی یادداشتیں قلمبند کرتا رہے۔

(۵) ہاتھی جو باہر فروخت کے لئے، بھیجے جانے کے لائق ہوں، مملکت کے اندر، سرکار ہی سے خریدے جائیں۔ اور ان میں جو سرکاری فیل خانہ کے قابل ہوں۔ انہیں یہیں رکھ لیا جائے۔

(۶) بورڈ کو چاہیئے کہ غیر ممالک میں جس قدر سونا اور چاندی مل سکتی ہو، خرید کر سلطانی دارالضرب کے ہاتھ جو سرنگا پٹم میں واقع ہے، فروخت کرے اور اس کا روپیہ دارالضرب سے حاصل کرلے۔

(نوٹ:۔ سلطنت خداداد میں پانچ دارالضرب تھے۔ ایک پایۂ تخت یعنی سرنگاپٹم میں۔ یہاں سونے اور چاندی کے سکے مضروب ہوتے تھے۔ اور باقی چار جو بنگلور، نگر، چتل درگ اور کولار میں تھے تانبے کے سکے بنتے تھے) کرک پیٹرک

(تمام شد مضمون کرک پیٹرک)

آخر یہ تمام تجارتی کوٹھیاں اور کارخانے کیا ہوگئے؟

سلطان کے ان تجارتی احکام و فرامین کو دیکھنے کے بعد، ناظرین کو یقیناً حیرت ہوگی۔ کہ سلطان کی یہ تمام جدوجہد صرف کاغذ پر تھی یا ان پر عمل بھی کیا گیا۔ اور اگر ان پر عمل کیا گیا۔ تو اس کی سلطنت خداداد میں یا کم از کم ریاست میسور ہی کے علاقہ میں کیوں ان سب چیزوں کے آثار باقی نہیں رہے؟

سوال کے پہلے حصّہ کا جواب صرف یہ ہے۔ کہ یہ صرف کاغذی تجاویز نہیں تھیں۔ بلکہ پوری مملکت میں نہ صرف تجارتی کوٹھیاں ہی قائم تھیں۔ بلکہ بڑے بڑے کارخانہ بھی تھے۔ یہاں ہر قسم کی چیزیں بنتی تھیں۔ جس کا ثبوت خود انگریزی تاریخوں سے دیا جاتا ہے۔

میجر آلن لکھتا ہے:۔

> صرف مدور کے ایک قلعہ کے اندر بندوق و توپ سازی کے دو کارخانے تھے۔ یہاں ستّرہ اور عمارتیں تھیں۔ جن میں یہاں کا بنایا ہوا فوجی سامان، جیسے تلواریں۔ ڈھالیں۔ بندوقیں توپیں۔ گولے۔ گولیاں۔ دستی بم وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۴۴)

> ٹیپو سلطان کے کارخانوں میں قینچیاں۔ دھوپ گھڑیاں۔ قلمتراش چاقو۔ توپیں۔ اور بندوقیں بنائی جاتی تھیں۔

(ماڈرن میسور صفحہ ۱۳۹)

ان آلاتِ حرب مثلاً توپوں۔ بندوقوں۔ گولوں۔ کارتوسوں۔ تلواروں

اور سنگینوں وغیرہ کے بارے میں کرنل پیٹرک اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

گو شروع شروع میں عیسائی یعنی یورپین اقوام (جس وقت وہ ہندوستان آئیں) فن جنگ اور توپوں وغیرہ کے معاملہ میں (ہندوستانیوں پر) سبقت لے گئی تھیں لیکن جب سلطان میدان میں آیا۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اس فن میں وہ یورپین اقوام سے نہ صرف بازی لے گیا۔ بلکہ ان کو بہت پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ خصوصاً اس کا توپ خانہ تو اس قدر اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور اس کی بنائی ہوئی توپیں تو اس قدر دُور کی مار مارنے والی اور صحیح نشانہ لگانے والی ہوتی تھیں۔ کہ انگریزی توپیں، ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔

(ضمیمہ۔ صفحہ ۱۲۷)

کرک پیٹرک ایک اور جگہ لکھتا ہے :۔

سرنگاپٹم کے کارخانہ کی کلیں پانی کے زور سے چلتی تھیں۔ اور یہاں ایک ایسی مشین تھی جو پانی سے چلتی تھی۔ اس سے بندوقوں اور توپوں کی نالیوں میں بورنگ یعنی سوراخ ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا۔"

(صفحہ ۱۳۶)

" بنگلور کے علاوہ خان خان ہلی میں بندوقیں۔ توپیں اور دوسرا سامان بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ تھا۔" (صفحہ ۱۳۶)

بنگلور میں بھی ایک کارخانہ تھا۔ جہاں مشین پانی کے زور سے چلتی تھی۔ اور ان میں ایک مشین توپوں اور بندوقوں کی نالیوں میں بالکل

صحیح سوراخ ڈالتی تھی۔ یہ مشین بھی پانی کے زور سے چلتی تھی۔"

(از سفر نامہ کپتان لٹل)

سرنگاپٹم۔ بنگلور۔ چتل درگ اور نگر کے سلطانی کارخانوں میں توپ۔ بندوق۔ چاقو۔ قینچی۔ گھڑیاں۔ مخمل۔ بانات۔ کمخواب۔ گندلہ زرتار اور چینی کے ظروف بنائے جاتے تھے۔

(ٹیپو سلطان از کرنل میلس صفحہ ۱۹۹)

تاکل (Takal) میں نمک۔ مالور میں اونی کمل۔ اور کارگڈی (Kargudi) میں چونا نکالا اور بنایا جاتا تھا۔

(ماڈرن میسور صفحہ ۳۰۹)

چن پٹن میں لکڑی کی مصنوعات کے علاوہ مٹی اور کانچ کی مصنوعات۔ شیشے اور شیشیاں۔ رنگین چوڑیاں۔ فولاد کے تار اور سفید شکر بھی بنائی جاتی تھی۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۳۱۱،۳۱۲)

ملک کے ہر حصّہ میں لوہے کے کارخانے تھے۔ بھٹیوں میں لکڑی کا کوئلہ استعمال ہوتا تھا۔ اور لوہا کھاتی لوہے یا کالے ریت سے نکالا جاتا تھا۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۳۱۳)

بنگلور میں ریشمی اور زریں کپڑے۔ قالین۔ موٹا سفید کپڑا اور ٹول بنائے جاتے تھے۔ اور کھتری ذات کے لوگ گوٹا کناری بکھی اور دھنک بناتے تھے۔

(ماڈرن میسور صفحہ ۳۱۳)

چکب بالاپور میں مصری اور ٹھٹھ (Mathad) میں شیشہ اور
کانچ کی چوڑیاں بنتی تھیں۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۴۱۳)

مادھوگری (Madhugiri) چن راے درگ (Chenroydrug) ہگل واڑی (Hagalwadi) اور [illegible] وغیرہ (Devarayadurg) میں لوہے کی مصنوعات تیار ہوتی تھیں۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۴۱۲)

سرنگاپٹم میں لشکری [illegible] سفیدی کپڑے، مخمل، بادلے، انگلش چینٹ اور ہر قسم کا کپڑا امیروں اور غریبوں دونوں کے لئے، کاغذ، گھڑیاں، چھری، چاقو، قینچی، بٹن وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ یہاں پتھر کا کام بھی بہت اچھا ہوتا تھا۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۳۱۰)

یہ تعجب سے دیکھا جائے گا کہ اس زمانہ میں سرنگاپٹم میں وقت بتانے والی گھڑیاں بنائی جاتی تھیں۔ میرا خود یہ خیال تھا کہ یہ دھوپ گھڑیاں ہوں گی [illegible] دیئے گئے ہیں۔ دھوپ گھڑیوں کے لئے [illegible] (Gone Glass) کا لفظ استعمال ہوا ہے [illegible] (Watches) [illegible] جیسے:

"Under certain arrangements made by Tippu, it is stated that broad cloth, papers, watches, and cutlery were manufactured but the processes were kept secret."—(Modern Mysore, page 310)

"میں نے ایک اخبار یا کتاب میں جس کا نام یاد نہیں، دیکھا تھا کہ سلطان نے سرنگاپٹم میں بنائی ہوئی دو گھڑیاں ایک سرہان شمور کو [illegible] ولزلی کو بطور تحفہ بھیجی تھیں جو ابھی تک ان خاندانوں میں انگلستان میں موجود ہیں۔"

(محمود)

ریٹس اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"کارخانوں میں جو چیزیں بنتی تھیں [illegible] روغن صندل کی کشید ہوتی تھی۔ [illegible] رسیاں بنائی جاتی تھیں۔ [illegible] اور ریشم کی مصنوعات۔ کاغذ [illegible] ہاتھی دانت کی مصنوعات لکڑی کی چیزیں۔ فولاد اور سونے کے [illegible] تانبے اور پیتل کے [illegible] یہ تمام چیزیں سلطنت خداداد میں بنتی تھیں۔ [illegible] اور چرمی مصنوعات بھی تیار ہوتی تھیں۔"

([illegible])

مسٹر [illegible] جرنل اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھتا ہے:

"جس کو آج سوئٹزرلینڈ [illegible] نے سوا سو سال پیشتر ہی ڈالی تھی [illegible] مملکت کو غیروں کی محتاجی سے بچا رہی تھی۔"

سلطنت کی تجارتی منڈیاں :-

بنگلور۔ کولار۔ کالی کٹ۔ بڑا بالاپور۔ سرا۔ نگر۔ ساگر۔ گبی۔ ہری ہر اور واننگر ہے۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۳۱۷-۲۱۰)

زراعت :-

پال ہلی (Palhalli) میں گنے کی کاشت وسیع پیمانہ پر ہوتی تھی اور وہاں شکر اور گڑ بنایا جاتا تھا۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۳۰۹)

ہاتھیوں کی پرورش کے لئے ۲۰ سے زیادہ چراگاہیں تھیں۔ گائے اور بیل کی عمدہ افزائش نسل کے لئے محکمہ امرت محل قائم کیا گیا تھا۔ چاول کے عمدہ قسم کے بیج منگوا کر بوئے گئے تھے۔ جائفل کا درخت ٹراونکور سے لایا گیا تھا۔ سلطان کے لال باغ میں ملک افریقہ تک کے درخت پائے جاتے ہیں۔

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۷۴-۲۸۰)

چونکہ تجارت اور زراعت کا باہمی قریبی تعلق ہے۔ اس لئے جہاں تجارت کے لئے کوٹھیاں اور کارخانے کھولے گئے تھے۔ وہاں زراعت کو ترقی دینے کے لئے چار بڑے تجرباتی باغ بنائے گئے تھے جنہیں لال باغ کا نام دیا گیا۔ یہ بنگلور، سرنگا پٹم، نگر اور سرا میں تھے۔ اور جیسا کہ قانیوں کے نام حکمنامہ سے ظاہر ہے یہاں سے تخم کسانوں کو مہیا کئے جاتے تھے۔ اور زراعت کے لئے خاص نگرانی کی ہوری ہدایات تھے۔ زراعت کو ترقی دینے کا سب سے بڑا ثبوت دریائے کاویری کا وہ بند ہے جس کو کرشنا راج ساگر ایا کرٹ کہا جاتا ہے۔ سرکاری کتابوں اور یورپ کے انجینئر دریائے کاویری پر ریاست

میسور کے حکم سے بند باندھنے کے لئے ایک عرصہ تک موزوں مقام کی تلاش کرتے رہے۔ اور آخر میں یہی رائے ٹھہری۔ کہ بند صرف اس جگہ باندھا جائے ہے۔ (جہاں اب ہے) بند کی تعمیر کے لئے جب کھدائی شروع ہوئی۔ تو اتفاق سے یہاں زمین کے اندر دبا ہوا سلطان کا ایک سنگین کتبہ ملا۔ جس میں اس نے اسی جگہ بند باندھنے کا حکم دیا تھا!!"

(یہ کتبہ حکومت میسور نے بند کے داخلہ کی جگہ نصب کیا ہے)

ان شہادتوں سے جو اپنوں کی نہیں غیروں کی ہیں۔ اندازہ ہو گیا ہو گا۔ کہ سلطان کیسی بڑی شخصیت کا حامل تھا۔ اور اس کی سلطنت کس قدر متمدن اور ترقی یافتہ تھی۔

کپتان لٹل اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے:۔

ایک غیر ملکی جب اس ملک میں داخل ہوتا ہے۔ اور دیکھتا ہے۔ کہ زراعت بکثرت اور نہایت اچھی ہو رہی ہے۔ آبادی صنعت و حرفت کی دلدادہ ہے۔ نئے نئے شہر بن رہے ہیں۔ تجارت ترقی پر ہے۔ شہروں کی افزائش اور باشندوں کی آسودگی و خوشحالی کو دیکھتے ہوئے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ملک کی حکومت ان کی مرضی کے مطابق چل رہی ہے۔

(تاجداران میسور صفحہ ۱۲۳)

ٹیپو نے جس اصول پر سلطنت کا انتظام قائم کیا تھا اس کی وجہ سے اس کا ملک ہر جگہ آباد و خوشحال پایا گیا۔ جو زمین بھی قابل کاشت

سے ابتدا انتہائی کاشت کی گئی ہے

(میجر ڈائریکس نارتھ ٹیو صفحہ ۲۴۹)

ٹیپو کے زیر نگیں میسور، تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اس کے باشندے سب سے زیادہ خوشحال تھے اور اسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت جو ملک تھا وہ صفحہ زمین پر ایک بدنما دھبہ تھا (ڈیپارٹمان ایشیا صفحہ ۱۰ (۲)

یہ امر باعث تعجب ہے کہ ہندوستان عموماً اور علاقہ میسور خصوصاً صنعت و حرفت سے اس قدر خالی ہو جائے کہ یہاں کے باشندے سوئی اور دھاگے تک کو سوا صدی تک دوسرے ملکوں کے محتاج بنتے رہے آخر جب سلطانی کارخانے تھے۔ تو چاہئے یہ تھا کہ انہیں اور فروغ دیا جاتا لیکن وہ لوگ جو اس سلطنت پر قابض ہوئے۔ وہ غیر ملکی تھے جنہیں اپنی تجارت اور مصنوعات کو فروغ دینے کے لئے اس ملک کو اس قدر تہی دست بنا دینا تھا کہ معمولی ضروریات زندگی کے لئے بھی وہ ان کے محتاج ہو جائیں بنگال کی مصنوعات کو جس طرح تباہ کیا گیا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ حالانکہ اس پر بالکل پُرامن طور پر قبضہ کیا گیا تھا لیکن میسور پر تو فوجی قبضہ ہوا تھا یہاں ۱۷۹۱ء میں نظام مرہٹوں اور انگریزوں نے جب فوج کشی کی اور سوائے پایہ تخت کے تمام ملک ان اتحادیوں کے ہاتھ میں آگیا۔ تو یہاں کی تمام تجارتی کوٹھیاں۔ کارخانے (جن میں گھی کٹ اور بنگلور کے ہتھیار سازی کے کارخانے بھی تھے) اس فوج کشی کی نذر ہو گئے۔

صلح کے بعد ۱۷۹۲ء میں سلطان نے از سر نو تجارتی احکام جاری کرکے
پھر یہ کوٹھیاں اور کارخانے تمام قائم کیے لیکن ۱۷۹۹ء میں پھر نظام کی اور انگریزی
فوجیں نہ صرف پوری مملکت پر بلکہ پایۂ تخت پر بھی قابض ہو گئیں اور سلطان
کی شہادت کے بعد تمام ملک کو بھی تمام کوٹھیاں اور کارخانے تباہ کر کے نیست و نابود
بنا دیا گیا۔ اور یہی وہ وقت ہے کہ پورنیا کو دیوان بنا کر پوری مملکت کے صوبے
عاملوں اور دیگر سرکاری عہدہ داروں سے سلطان کے دور کے تمام احکام و فرامین
واپس منگوالئے گئے۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ سلطان کی عظمت و شوکت اور
اس کے عظیم الشان کارناموں کا کسی کو علم نہ ہو سکے۔ اور دور ایام کے
ساتھ ساتھ لوگ اپنے ملک کی خوشحالی اور ترقی کو بھول جائیں۔ یہ کوششیں کی گئیں کہ ہم
ہمیشہ سے اسی طرح صنعت و حرفت سے عاری [illegible] رہے ہیں
ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی [illegible] کامیاب [illegible] تاریخ [illegible] مورخ
نہیں ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ سلطان نے صنعت و
حرفت کو کس قدر فروغ دیا گیا تھا۔ [illegible] اس
زمانہ میں اجناس کی جو قیمتیں [illegible] تھیں [illegible]
ضمناً درج کر دوں۔ یہ قیمتیں ڈاکٹر [illegible]
بعد دریافت کر کے لکھی تھیں۔ اس کے دو سال [illegible]
کا دورہ کیا۔ [illegible]
ساتھ ساتھ دی جاتی ہیں۔

اجناس اور ان کی قیمتیں

جنس	ڈاکٹر ہینس کی دی ہوئی قیمتیں	ڈاکٹر بکانن کی دی ہوئی قیمتیں
۱۔ اعلیٰ قسم کے چاول	فی روپیہ ۸ا سے ½۳، ۷ سیر پختہ	فی سو سیر پختہ ۸ روپے ۵ آنے
۲۔ ہلکے قسم کے چاول	〃	۲ روپیہ سے ۴ روپیہ تک
۳۔ راگی (ایک غلہ)	فی روپیہ ۸۰ سے ۱۲۰ سیر تک	فی روپیہ ۸۳ سے ۱۱۳ سیر تک
۴۔ جوار	فی روپیہ ۷۴ سے ۱۲۰ سیر تک	
۵۔ گیہوں	فی روپیہ ۲۴ سیر	فی روپیہ ۲۴ سیر
۶۔ چنا	فی روپیہ ۲۶ سے ۱۴۷ سیر تک	
۷۔ کھلتی	فی روپیہ ۱۳ سے ۱۱۲ سیر تک	
۸۔ دال		فی روپیہ ۵۲ سے ۴۰ سیر تک
۹۔ گھی		فی من پختہ ۴۴ سیر = ۴ روپے ۸ آنے
۱۰۔ اعلیٰ قسم کا گڑ		〃 ۳۰ 〃 ۱۰ 〃
۱۱۔ راب (گڑ بنانے کیلئے)		〃 = ۱ 〃 〃
۱۲۔ چھالیہ		〃 = ۵ 〃 ۰ 〃
۱۳۔ شکر سفید[1]		= ۶ ۹ ۱۲ ۰
۱۴۔ شکر سرخ		〃 = ۳ 〃 〃

---

[1] چن پٹن کا ایک ہندو لنگا بلجی وار (Linga Baljiwar) خاندان بہت ہی اعلیٰ قسم کی سفید شکر بناتا تھا جس کی قیمت سلطانی محل سے تقریباً روپیہ (۲۸ قسم) ملتی تھی۔ اس خاندان کو سلطان نے ایک گاؤں بغیر لگان کے دے رکھا تھا۔
(باؤرن پیسو صفحہ ۲۱۱)

سلطان کے بحری احکام

(کرنل ولیم کرک پیٹرک کی کتاب سے)

نوٹ :۔ کرک پیٹرک نے ان احکام کو جو بحری فوج کے متعلق سلطان نے نافذ کئے تھے۔ بجنسہٖ نہیں دیا ہے۔ بلکہ اقتباسات دئے ہیں جنہیں ذیل میں دیا جاتا ہے۔

یہ آرڈیننس (حکم نامہ) میریم (Lord of the Admirality) کے نام تھا۔ محکمہ بحر ایک بورڈ کے ماتحت تھا جس میں گیارہ ممبر تھے۔ اور ہر ایک کو میریم کہا جاتا تھا۔

(اس بورڈ کے بنانے سے پیشتر یہ محکمہ تجارتی بورڈ کے ماتحت تھا)

میریم کے ماتحت ۳۰ میر بحر (Admiral) تھے۔ ان میں بیس جہازوں پر متعین تھے۔ اور دس پایہ تخت میں مشوروں کے لئے رہتے تھے۔ جو گیارہ میریم تھے، ان میں پانچ پایہ تخت میں اور چھ بندرگاہوں میں جہاز سازی اور بیڑے کی نگرانی پر متعین تھے۔

جہاز سازی کے کارخانے تین بندرگاہوں[1] میں قائم کئے گئے تھے۔ اور

---

[1] ان کے علاوہ دو اور کارخانے ہنور اور بھٹکل میں قائم تھے۔ (کرک پیٹرک)

جہازوں کے بیڑے بھی انہیں مقامات پر تھے۔ حساب یہ تھا۔

(۱) کچہری جمال آباد کے بیڑے میں ۱۲ جنگی جہاز
(۲) کچہری ماجد آباد کے بیڑے میں ۱۴ جنگی جہاز
(۳) کچہری ماجد آباد کے بیڑے میں ۱۴ جنگی جہاز

اس حکمنامہ میں جس کا اس وقت ذکر ہے۔ سلطان نے پہلے پہل چالیس جہازوں کے بنانے کا حکم دیا تھا۔ اسی لحاظ سے مندرجہ بالا کچہریاں قائم کی گئیں۔ سلطان نے حکم دیا تھا۔ کہ جہازات جلد سے جلد بنا کر بورڈ کے حوالے کئے جائیں۔

ان میر ایم کے ماتحت جنہیں تین بندرگاہوں میں متعین کیا گیا۔ ہر ایک میں دو دفاتر تھے۔ ایک فارسی (میرزائی دفتر) اور ایک ہندوی دفتر تھا۔ ان دفتروں کا عملہ حسب ذیل تھا۔

میرزائی دفتر کے سررشتہ دار	۳	تنخواہ فی کس ۲۰ پگوڈے
ہندوی دفتر کے سررشتہ دار	۳	تنخواہ فی کس ۲۰ پگوڈے
گماشتے	۱۲	تنخواہ فی کس ۱۵ پگوڈے
قاضی	۱	تنخواہ فی کس ۱۲ پگوڈے
نقیب	۲	تنخواہ فی کس ۱۲ پگوڈے
حاضر باش	۱۱	تنخواہ فی کس ۳ پگوڈے ۳ فنم

لہ - ان کی تعداد بڑھا کر بعد میں نلو کر دی گئی تھی۔ (کرک پیٹرک)

تمیر باشی (لکھے پڑھے ہوئے)	۱۱	تنخواہ فی کس	۱۰ پگوڈے
فراش	۱	تنخواہ فی کس	۳ پگوڈے
مشعلچی	۱	تنخواہ فی کس	۲ پگوڈے
ساربان	۱	تنخواہ فی کس	۴ پگوڈے

میر بحر کی ماہانہ تنخواہ گھوڑے کے الاؤنس سمیت ایک سو پچاس امامی (روپیہ) تھی لیکن جو میر بحر پایہ تخت میں مشورہ کے لئے تھے، انہیں حسب لیاقت تنخواہ دی جاتی تھی۔

میر یم کی تنخواہ بھی ہر ایک کی لیاقت کے مطابق تھی۔

بورڈ کو جنگی جہازات بنانے کے لئے نمونے مہیا کئے گئے تھے حکم تھا کہ تمام جنگی جہازوں پر تانبے کی چادریں چڑھائی جائیں۔ لکڑی جو ان جہازوں کے لئے کٹوائی جاتی تھی اس کی نگرانی کے لئے لکڑی کے ماہرین مقرر تھے۔

جن ۴۰ جہازوں کے بنانے کا سلطان نے حکم دیا تھا۔ ان کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

(۱) بندرگاہ جمال آباد

قسم اول کے جنگی جہاز ۶ - ان میں تین پر فی جہاز ۷۲ توپیں تھیں - اور ۳ پر فی جہاز ۶۲ توپیں تھیں۔ ان ۷۲ توپوں میں ۳۰ توپیں ۲۴ پونڈ وزنی گولوں کے لئے تھیں۔

۳۰ توپیں ۱۸ پونڈ وزنی گولوں کے لئے تھیں۔

۳ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۲/۲ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۶۲ توپوں میں

۲۴	توپیں	۱۸	پونڈ	وزنی	گولوں کے	لیئے تھیں
۲۴	"	۱۲	"	"	"	"
۴	"	۲۴	"	"	"	"
۱۰	"	۶	"	"	"	"
۶۲						

قسم دوم کے جنگی جہاز ۶ - ان میں ہر ایک پر ۴۶ توپیں تھیں

۲۰	توپیں	۱۲	پونڈ	وزنی	گولوں کے	لیئے تھیں
۲۰	"	۹	"	"	"	"
۶	"	۴	"	"	"	"
۴۶						

(۲) بندرگاہ واجد آباد

قسم اول کے جنگی جہاز ۷- ان میں ۳ پر ۷۲ توپیں اور ۴ پر ۶۲ توپیں فی جہاز تھیں

قسم دوم کے جنگی جہاز ۷ - ان میں ۴۶ توپیں فی جہاز تھیں۔

(۳) بندرگاہ ماجد آباد

قسم اول کے جنگی جہاز ۷ - ان میں ۴ پر ۷۲ توپیں اور ۳ پر ۶۲ توپیں فی جہاز تھیں

قسم دوم کے جنگی جہاز ۷ . ۴۶ توپوں والے

عملۂ جہاز

۴ سردار - اول - دوم - سوم - چہارم

۲ ٹیپ دار اور ۶ یوز دار

۱۔ ان میں سردار اول کے ذمہ جہاز کی کمان تھی

۲۔ سردار دوم : مع ایک ٹیپ دار اور ۲ یوز دار۔ اس کے ماتحت جہاز کا توپخانہ۔ گولہ بارود کا مخزن اور سامان سد تھا

۳۔ سردار سوم : مع ایک ٹیپ دار اور ۲ یوز دار۔ اس کے ماتحت جہاز کے بندوقچی اور آلات و اوزار جنگ تھے۔

۴۔ سردار چہارم - اس کے ماتحت :-

(۱) خلاصی۔ ملاح اور کاریگر جیسے بڑھئی اور لوہار وغیرہ

(۲) مطبخ

(۳) جہاز رانی اور بادبانوں کا چڑھانا اور اتارنا۔

(۴) پانی نکالنے کے پچیس پمپ اور پمپ والے مزدور۔

(۵) سردار دوم اور سوم کو توپوں اور بندوقوں کی مرمت کیلئے آدمی مہیا کرنا

(۶) جہاز اگر ٹوٹ پھوٹ جائے تو اس کی مرمت۔

بورڈ کو حکم تھا۔ کہ ان افسروں کا انتخاب نہایت احتیاط سے کیا جائے۔ اور ان کے چال چلن کا پہلے اطمینان کر لیا جائے۔ نیز یہ کہ وہ لکھے پڑھے ہوں۔

بحری فوج کی تنخواہ (فی یونٹ)

بندوقچی

ٹیپ دار	۱	ماہانہ	فی	۱۲ پگوڈے۔	قسم گھوڑے کا الاونس ملاکر
شیر باشرن	۱	″	″	۴	″ ″ ″

نفیر نواز	۱	ماہانہ	فی	۳	پگوڈے	۶	فنم
شہنائی نواز	۱	″	″	۳	″	۶	″
یوزدار	۲	″	″	۷	″	۸½	″ مع الاؤنس
سرخیل	۱	″	″	۴	″	۸	″
جمعدار	۴	″	″	۴	″	۲	″
سپاہی	۲۴	″	″	۳	″	۶	″

میزان ایک ٹیپ کا ۴۹۵ پگوڈے ۱ فنم

ایک ٹیپ میں ۱۲۰ آدمی اور ایک یوز میں ۲۹ آدمی تھے۔

توپچی

ٹیپ دار	۱	ماہانہ	فی	۱۲	پگوڈے	۹	فنم مع الاؤنس
یوزدار	۱	″	″	۹	″	۱½	″ ″
سرخیل	۲	″	″	۴	″	۸	″
جمعدار	۴	″	″	۴	″	۴	″
سپاہی	۳۲	″	″	۳	″	۶	″

میزان ۲۲۰ پگوڈے - ½ فنم

ملاح

جوقدار	۱	ماہانہ	فی	۶	پگوڈے	۰	فنم
دفعدار	۲	″	″	۳	″	۹	″
سپاہی	۳	″	″	۳	″	۰	″

میزان ۳۸۲ پگوڈے ۸ فنم

کاریگر

بڑھیوں کا مستری	فی	۴ پگوڈے	۰ فنم
لوہاروں کا مستری	″	۳ ″	۲ ″
بڑھئی	″	۳ ″	″ ″
لوہار	″	۳ ″	۰ ″

میزان ۱۳ پگوڈے

اضافہ افسر

سردار اول	۲۴ پگوڈے	
سردار دوم	۱۸	″
سردار سوم	۱۵	″
سردار چہارم	۱۵	″
جہاز ران یا پائلٹ Pilot ۳ فی	۱۰	″
واقف برائے اوزار و تحیا ۱	۱/۲ ۷	۰
داروغہ برائے پمپ (Pump)	۱/۲ ۷	″
طبیب و جراح	۹	″
سرد فتر	۱	″

میزان قسم اول کے ایک جہاز کا ۱۸۱ پگوڈے ۱/۲ ۵ فنم

قسم دوم کے جنگی جہاز

اگر چہ مسٹر کرک پیٹرک نے ان کے اسٹاف کی تفصیل دی ہے اور یہ کم و بیش وہی

ہے۔ جو اوپر دی گئی ہے۔ اور اس کا خرچ فی جہاز ۸۰۰ پگوڈے ۵ فنم بتایا گیا ہے

مذکورہ بالا حساب سے ماہانہ خرچ

قسم اول کے جنگی جہازوں کا	۲۹۴۳۱	پگوڈے ۵ فنم
" دوم " " "	۱۶۱۷۱	" ۵ "
میزان	۴۵۶۰۲	" ۰ "

تبادلہ ۸ شلنگ فی پگوڈا سے ۔ ۔۔ ۱۵۲۰۰ پونڈ ماہانہ یا ۔ ۔۔ ۱۸۲۰۰۰ پونڈ سالانہ۔ ۱۵ روپیہ فی پونڈ سے ۔۔۔۔ ۲۷۳۰۰۰۰ روپے۔ (ستائیس لاکھ تیس ہزار روپے)

مذکورہ بالا خرچ اُس تنخواہ کا ہے۔ جو بحری فوج کو اس وقت جبکہ وہ بندرگاہوں میں ہوتی تھی۔ دی جاتی تھی۔ اور جب جہاز سمندروں میں کام پر لگے ہوتے تھے تو ہر شخص کو تنخواہ کے علاوہ راشن بھی دیا جاتا تھا۔ اس کے متعلق مندرجہ ذیل احکام رائج تھے :۔

(۱) میریم جب کبھی جہازوں کے معائنہ کے لئے آئے۔ تو اسے خاص سرکاری خرچ پر بہترین کھانا مع میوہ جات دیا جائے

(۲) حسب ذیل افسروں کو حکم تھا۔ کہ بیک وقت تمام مل کر میز (ٹیبل) پر کھانا کھائیں ۔

(۱) میریم	(۲) میر بحر
(۳) سردارانِ جہاز ۴	(۴) میرزائے دفتر
(۵) پائلٹ یا جہازران ۳	(۶) داروغہ ۲
(۷) طبیب و جراح ۱	میزان ۱۳ افسر

ان افسروں کے لئے مندرجہ ذیل راشن روزانہ مقرر تھا۔ فی افسر۔

چاول ۳/۴ سیر	دال ۱/۴ سیر
گھی ۸ جوز	گوشت ۱/۲ سیر
نمک ۳ جوز	املی ۲ جوز [1]
ہلدی ۱/۲ جوز	لہسن ۱/۲ جوز
پیاز ۱ ۱/۲ جوز	دھنیہ ۱/۴ جوز
کالی مرچ ۱ جوز	

سپاہیوں کے لئے:- فی سپاہی

چاول ۱ سیر	دال ۶ جوز
گھی ۴ جوز	املی ۲ جو [2]
نمک ۲ جوز	ہلدی ۱/۲ جوز
لہسن ۱/۲ جوز	پیاز ۱ ۱/۲ جوز
دھنیہ ۱/۴ جوز	کالی مرچ ۱ جوز

[1،2] مسٹر ارکنٹ راج ارس نے میتھک سوسائٹی جرنل اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھا ہے:-
"سلطان کو رعایا کی حفظانِ صحت کا بڑا خیال تھا۔ اسی خیال سے اس نے ایک حکمنامہ کے ذریعہ لوگوں کو املی اور سرخ مرچ کھانے سے منع کر دیا تھا۔ شہروں کے اندر گدھے اور خاص پایۂ تخت میں گھروں میں مرغیاں پالنے کی ممانعت تھی۔ سرنگاپٹم میں آب و ہوا کی صفائی کے لئے ہر جگہ نیم کے درخت بوئے گئے تھے۔

اس کے علاوہ گوشت کے کباب جنہیں مرچ۔ مصالحہ لگاکر خشک کیا جاتا تھا۔ پندرہ دن کے لیئے ½ سیر فی آدمی دیئے جاتے تھے۔

ملاحوں اور خلاصیوں کے لیئے۔ فی ملاح یا خلاصی:۔

چاول	¾ سیر	دال	¼ سیر
گھی	۲ جوز	نمک	۲ جوز

افسروں کو حکم تھا۔ کہ خود کھانا کھانے کے قبل یہ دیکھیں کہ ماتحتوں نے کھالیا یا نہیں۔

نماز:۔ تمام جہازوں پر نماز روزانہ پانچ وقت، مقررہ اوقات پر پڑھی جائے۔

پہلا افسر بروز جمعہ خطبہ پڑھے گا۔ اور نماز پڑھائے گا۔

روزانہ پانچ وقت کی نمازیں داروغہ پڑھائے گا۔

لنگر:۔ بارش کے موسم میں جہازوں کو کھاڑیوں میں لنگر انداز ہونا چاہیئے۔ ان کھاڑیوں میں جہازوں کے لئے سایہ دار جگہ بنائی جائے گی۔ اور سایہ کا سامان وہاں کے آصف مہیا کریں گے۔

گودیاں:۔ (ہاربر)

میر یم کو حکم تھا۔ کہ کھاڑیوں کے دہانوں پر جو دو پہاڑیاں یا اونچی جگہیں ہوتی ہیں۔ ان کا معائنہ کرنے کے بعد ان پر قلعے تیار کریں اور توپیں چڑھائیں۔ انہیں دیکھنا چاہیئے۔ کہ ان کا درمیانی فاصلہ کتنا ہے۔ اور کھاڑی کی لمبائی۔ وسعت اور گہرائی کس قدر ہے۔ تاکہ ان سے گودی (ہاربر) کا کام لیا جائے۔

متفرق:- (۱) جہازوں کی نقل و حرکت میر یم کے ذمہ تھی۔

(۲) جہاز کے عملے کے خرچ کا حساب میر یم اور آصف کے ذمہ ہوتا

(۳) اگر سلطان کسی خاص کام کے لئے کبھی بحری فوج کو کسی دوسرے [illegible]

حکم دے۔ تو یہ حکم وہ اپنی پوری کونسل میں پیش کرکے اور منظوری [illegible]

دے گا۔ اس کونسل میں حسب ذیل وزراء ہونگے:-

(۱) وزیر فوج (۲) وزیر حفاظت قلعہ جات و کہسار [illegible]

(۳) وزیر مال گزاری۔ (۴) وزیر تجارت۔

(۵) وزیر بحر (۶) وزیر خزانہ

(۴) میر یم کے ماتحت علیحدہ یوزدار اور دیزک ہوں گے جنہیں وہ [illegible]

کوٹھی کی حفاظت پر جو بندروں میں ہوگی تعینات کرے گا۔

(الف) ہر کوٹھی پہ ایک یوزدار اور دو دیزک، بارہ سپاہی ہونگے

(ب) جو چار تجارتی کوٹھیاں مسقط۔ گنجور، بوجھ وغیرہ میں ہیں [illegible]

تنخواہ کوٹھیوں کے ذمہ ہوگی۔ اور اسی طرح جو کوٹھیاں غیر ملکوں میں آ [illegible]

جائیں گی۔ وہ ان حفاظتی بحری دستوں کی تنخواہ کی ذمہ دار ہونگی۔

(ج) ان حفاظتی دستوں کو ہر سال بدل دیا جائے گا

(۵) تمام میران یم میران بحر اور سررشتہ داروں کو حکم تھا کہ ذی الحجہ [illegible]

عید سے دس دن پہلے پایہ تخت میں جمع ہو کر حاضر ہوں اور یہاں اپنے ماتحت [illegible]

لہ ان میں تین کے نام معلوم ہو سکے یعنی مسقط۔ جدہ۔ کچھ بوجھ۔ چوتھی کوٹھی کہاں تھی۔ کرک پیٹرک نے نہیں لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ چوتھی کوٹھی جام نگر میں تھی۔

(د) اسٹیشنوں (Stations) کے حسابات آمد و خرچ پیش کریں۔
اسی طرح تمام ٹیپ داروں، مرزایان دفتر اور دلیدوغ جات کو حکم تھا۔ کہ عید الضحیٰ سے دس دن پیشتر پایہ تخت میں جمع ہو کر کانفرنس کریں۔
ضمیمہ:۔ سلطان نے مذکورہ بالا آرڈیننس کے بعد ایک اور آرڈیننس چند سال بعد جاری کیا تھا جس میں جمال آباد۔ واجد آباد اور ماجد آباد کے ڈوگ یارڈون (Dock Yards) یعنی گودیوں میں کاریگروں کا اضافہ کر دیا گیا جن کی سالانہ تنخواہ بشرح پندرہ روپیہ فی پوڈ سے ۸۰۰ ۲۰ روپے ہوتی تھی۔ اس طرح اس اضافہ کو ملا کر محکمہ بحر کا سالانہ خرچ ۲۰۵۹۰۰ یعنی قریباً ۲ لاکھ روپے تھا۔

محکمہ بحر کے افسروں اور سپاہیوں کی ٹریننگ

سلطان نے جس طرح بری فوج کی ٹریننگ کیلئے ٹریننگ سکول جاری کیا تھا (خط نمبر) اسی طرح بحری فوج کی ٹریننگ کیلئے بھی ایک مدرسہ بنایا گیا تھا جس کیلئے اس نے ۱۲ چھوٹے جہاز میر یم کے ماتحت دے دئے۔ انہیں نگ (Nug) کہا جاتا تھا۔ ان ۱۲ جہازوں میں دس گیالیٹ قسم کے جہاز تھے۔ اور باقی ۲ میں ایک اسد الٰہی غراب اور ایک اسد الٰہی جہاز تھا۔

(نوٹ)

جہاز فخر المراکب ایک بہت پرانا جہاز نواب حیدر علی کے زمانہ کا تھا جس کو شاید نواب نے خریدا تھا۔ سلطان نے اس وقت اس کو توڑ دینے کا حکم دیا۔ نواب حیدر علی نے کوئی بحری طاقت نہیں بنائی سوائے

اس جہاز کے چند کشتیاں تھیں - جو تجارتی مقاصد کے کام آتی تھیں ۔
ان ۱۲ جہازوں پر افسروں اور سپاہیوں کو تعینات کیا گیا تھا
ان ۱۲ جہازوں میں ۵ کو بال بندر میں ۵ [illegible]
میں اور ۲ ایک اور بندر میں رکھے گئے - توپچیوں اور [illegible]
افسروں کو قادر اندازی سکھلانے کے لیے ایک [illegible]
چڑھا رہتا تھا، بنا کر دریا میں ڈالا گیا - اور اس پر مشق کرنے کا حکم
بحری افسروں اور سپاہیوں کے انتخاب کے متعلق حکم تھا کہ
انہیں ملازمت سلطانی میں داخل کرنے سے پیشتر سلطان کے [illegible]
میں معائنہ کے لیے پیش کیا جائے ۔

(ترجمہ شدہ مضمون از کرک پیٹرک)

مندرجہ بالا بحری احکام پر کرک پیٹرک کی رائے

اگر سلطان کی یہ تجویز پوری طرح کامیاب ہو جاتی تو ایسٹ
انڈیا کمپنی کے ہندوستانی مقبوضات خطرہ میں پڑ جاتے - اور
اس کے رد عمل کے لیے انگلستان کو بھی ایک زر کثیر خرچ کر کے
بحری فوج رکھنی پڑتی لیکن خوش قسمتی سے سلطان کی یہ تجویز اس کی
سلطنت کا تختہ الٹنے سے تباہ کر دی گئی ۔

برّی فوج کے احکام

کتاب فتح المجاہدین کے باب پنجم کا اقتباس

(ماخوذ از کتاب کرک پیٹرک)

سپہ دار :-

سب سے بڑا عہدہ سپہ دار کا ہے۔

(۱) سپہ دار کو لکھنا پڑھنا اور حساب آنا چاہیئے۔

الف - اس کو رسالدار سے لے کر نائیک دار ہر شخص کے چال چلن پر گہری نظر رکھنی چاہیئے

ب - سپہ دار کو اختیار حاصل ہے۔ کہ جو لوگ احکام کی اطاعت کریں۔ ان کے عہدے بڑھائے۔ اور جو اطاعت نہیں کرتے، انہیں سزا دے۔

ج - اگر سپہ دار کی نظر میں کسی رسالدار کا عہدہ بڑھانا یا کم کرنا ضروری ... اس کے متعلق صحیح رپورٹ سلطان کو بھیجنی ہوگی۔

د - دوسرے افسر جن میں جوقدار بھی شامل ہیں، اگر کوئی خطا کریں۔ تو ان کی خطا کو رسالہ کے تمام افسروں کے روبرو لانا چاہیئے۔

(بہ معنی کورٹ مارشل)

(۲) سپہ دار کو چاہئے۔ کہ ہر ماہ ایک دفعہ ایک مقررہ دن بخشیوں اور متصدیوں کو بلا کر تمام سرکاری سامان جیسے توپ۔ بندوق۔ گولے۔ گولیاں اور لباس وغیرہ کا معائنہ کرے۔ اور دیکھے۔ کہ وہ حساب کے مطابق ہیں یا نہیں۔ نیز اس کو یہ بھی دیکھنا چاہئے۔ کہ سپاہیوں کا لباس اور دوسرا سامان کس حالت میں ہے۔ اس معائنہ کی رپورٹ حضور سلطانی میں بھیجنی چاہئے۔

(۳) سپہ دار کو چاہئے۔ کہ اپنی ماتحت فوج کے جنگی ہتھیاروں پر خاص توجہ رکھے۔ اور دیکھے۔ کہ یہ چیزیں کام کے قابل ہیں یا نہیں۔ اور اس کو احتیاط رکھنی چاہئے۔ کہ یہ سامان بالکل عمدہ حالت میں جنگ کے لئے کارآمد ہے۔

(۴) ہر سپاہی کو ہر پندرہ دن میں ایک تولہ تیل ملنا چاہئے۔ تاکہ وہ اس سے اپنے ہتھیاروں کو صاف رکھے۔

(۵) جس دن تمام سپاہیوں کا فیلڈ ڈے (جنگی مشق کا دن) ہو۔ سنئے اس وقت سپہ دار کو پریڈ پر حاضر رہنا اور فوج کی کمان کرتا ہوگا۔ اور اس وقت اس کو اپنی پوری توجہ سپاہیوں کی مشق یعنی پریڈ کی خوبی پر رکھنی چاہئے اور اس بارے میں اگر کوئی کمی معلوم ہو۔ تو اس کو پورا کرنا چاہئے۔ کیونکہ قابلیت کا وہی ذمہ دار ہے۔

(۶) میدانِ جنگ میں اگر کوئی مشکل پیش آئے۔ تو اس وقت سپہ دار کو اپنے تمام ماتحت افسروں سے مشورہ کرنا چاہئے۔ اور اپنی رائے ظاہر

کرتے ہوئے، ان کی رائے تحریر میں طلب کرے۔ اس کے بعد جس جانب زیادہ رائیں ہوں، اس کو اختیار کرے۔

(۷) سرکاری نشان (علم) کو کبھی آگے یا کبھی پیچھے لانا اور لے جانا نہیں چاہئے۔ بلکہ یہ ہمیشہ سپہ دار کے آگے اور اس کی نظروں کے روبرو رہنا چاہئے اور اس کو سب سے آگے جو رسالہ ہے۔ اس کے گارڈ کے پاس ہونا چاہئے اگر فوج کسی جگہ کیمپ کرے۔ تو علم کو سب سے محفوظ جگہ نصب کرنا چاہئے

(۸) سپہ دار کو چاہئے کہ اس کے ماتحت جو فوج ہے۔ وہ باقاعدہ کیمپ کرے۔ اور برابر پہرہ مقرر کیا جائے۔ جس کے جوانوں کو ہر چوبیس گھنٹے بعد بدلی کیا جائے۔

(۹) سپہ دار کو چاہئے کہ اپنی ماتحت فوج کی فوجی گاڑیاں، گولہ بارود، بندوقیں اور گولیاں وغیرہ قشونوں کے افسروں کے چارج میں دے۔ اور انہیں لازم ہے۔ کہ اس سامان کی حفاظت کرتے ہوئے یہ دیکھیں۔ کہ وہ فوراً استعمال کے قابل ہے یا نہیں؟"

(۱۰) اگر کسی سامان کی درستگی یا مرمت کی ضرورت ہو۔ تو رسالدار کو چاہئے کہ اس معاملہ کو فوراً سپہ دار کے آگے پیش کرے۔ جو فوراً دوسرا سامان مہیا کرنے یا مرمت کرنے کی اجازت دے گا۔

(۱۱) توپیں اور گولہ بارود کو لے جانے کی گاڑیاں کوچ کے وقت یا میدان جنگ میں سپہ دار کے خاص ماتحت رسالہ میں ہونی چاہئیں۔ اور جس وقت کیمپ کیا جائے۔ تو توپیں اس رسالہ کے کیمپ کے آگے اور گاڑیاں کیمپ کے پیچھے

رکھی جائیں۔

(۱۴) سپہ دار کو اگر یہ نظر آئے کہ اس کے ماتحت افسروں میں کوئی لکھا پڑھا ہو اور اس قدر قابلیت رکھتا ہو کہ سرنیک ہو سکے تو اس شخص کے متعلق حضوری میں سفارش کرے۔

رسالدار

(۱) رسالدار لکھا پڑھا ہو۔ یہ کام صرف ان لوگوں کو دینا چاہئے جن کی بہادری اور قابلیت مسلمہ ہو۔ اور حساب دان ہو۔

(۲) رسالدار کو ہفتہ کے چھ دن ڈیوٹی (کام) پر رہنا چاہئے۔

(الف) اس کو اپنے ماتحت رسالہ سے مقررہ اوقات پر ڈیوٹی (کام) کرانا چاہئے۔

(ب) اس کو رسالہ کے آدمیوں کے چال چلن پر خود ہی نظر رکھنا چاہئے یہ نہیں چاہئے کہ دوسرے افسروں کی رپورٹوں پر بھروسہ کرکے احکام جاری کر دے بلکہ بذات خود تحقیق کرنی چاہئے۔ اس کے بعد معاملہ پر اپنی رائے قائم کرتے ہوئے پوری رپورٹ سپہ دار کے سامنے ترقی یا سزا کے لئے پیش کرے۔

(۳) اگر کسی کو سزا دینا یا کام سے برطرف کرنا ہو۔ تو اس کو چاہئے کہ رسالہ کے تمام افسروں کو جمع کرکے معاملہ ان کے آگے پیش کرے۔ اور ان کی رائے دریافت کرتے ہوئے متفقہ فیصلہ سے سپہ دار کو آگاہ کرے۔

(۴) پنجشنبہ کے دن کوئی مشق نہ ہوگی۔ یہ دن خاص طور پر ہتھیاروں اور

رسالہ کی متعلقہ اشیاء کے معائنہ کا دن ہو گا۔

(۴) ایک رسالدار کو اگر وہ قابلِ ترقی ہو۔ تو سپہ دار بنایا جائے گا۔ یا تنزل کرنا ہو۔ تو اس کو جوقدار بنا دیا جائے گا۔

جوقدار:۔

جوقدار کے ماتحت ایک کمپنی ہو گی۔ جس میں پندرہ یزک اور نوے ۹۰ سپاہی ہوں گے۔

ایک یزک کے ماتحت چھ سپاہی ہوں گے۔

(۱) جوقدار کو ہر پندرہ دن میں ایک دفعہ اپنی پوری کمپنی کا جائزہ لینا ہو گا۔

(۲) جب پہرہ کی ڈیوٹی پر ہو۔ تو اس کو چاہیئے۔ کہ چوبیس گھنٹے میں دو گھنٹے اپنے خاص کام کاج کے لئے حاصل کر لے۔

(۳) اس کو چاہیئے۔ کہ رسالدار کے سامنے اپنے ماتحت افسروں کی رپوٹیں پیش کرے۔ اور اس کے ساتھ ترقی۔ تنزل یا سزا کی سفارش بھی کرے۔

(۴) اس کو اختیار ہو گا۔ کہ اپنے ماتحت ایک جمعدار کو مقرر کرے۔ (یہ ڈیوٹی ہر ہفتہ بدلتی رہے گی) جو کمپنی کے تمام ہتھیاروں اور سامان کا وقتاً فوقتاً معائنہ کرے گا۔ اور انہیں اچھی حالت میں رکھنے کا ذمہ دار ہو گا۔

(۵) اس کی ماتحت فوج کا کچھ حصہ اگر پہرہ کی ڈیوٹی ادا کرتا ہو۔ تو اس کو چاہیئے۔ کہ شب و روز (چوبیس گھنٹے) میں ایک دفعہ جا کر پہرہ داروں کا معائنہ کرے۔ اور یہ دیکھے۔ کہ پہرہ دار اپنی اپنی مقررہ جگہوں پر مستعدی سے قائم ہیں یا نہیں۔"

(۶) اگر جوقدار اپنے فرائض باقاعدہ ادا نہ کرے۔ یا کوئی جرم کرے۔ تو اس کی تلوار اس سے لے کر محافظ خانہ (گارڈ روم) میں اس وقت تک رکھے۔ جب تک کہ اس کے مقدمہ کی پوری تحقیقات نہ ہو جائے۔ اگر وہ جرم سے بری ہو جائے۔ تو اس کی تلوار اس کو واپس مل جائے گی۔

(۷) جوقدار کو اگر ترقی ملے۔ تو رسالدار بنے گا۔ اگر تنزل ہو گا۔ تو ریزہ کچی بنا دیا جائے گا۔

سر ریزہ کچی :-

سر ریزہ کچی کا کام یہ ہو گا۔ کہ وہ ہر دن قشون کے ہر رسالہ کا معائنہ کرے۔ اور ریزہ کچیوں سے ان کی ماتحت کمپنیوں کی حالت دریافت کر کے اس کو تحریر کر لے۔ اس کے بعد یہ تحریر سپہ دار کے پیش کرے۔

اس کو اجازت ہے۔ کہ وہ سپہ دار سے بیٹھ کر گفتگو کرے۔

اس کے بعد (اگر قشون پائے تخت میں مقیم ہو۔ تو) اپنی رپورٹ حضوری میں پیش کرے۔ اور یہاں سے فارغ ہو کر یہی رپورٹ جیش کچہری (سر دفتر فوج) میں پیش کرنا چاہئے۔

یہاں اس کو بیٹھنے کی اجازت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ سر ریزہ کچی کے یہ فرائض بھی ہیں۔

(۱) قشون کی روزانہ رپورٹ پر جو رسالداروں اور سپہ دار کے سامنے پیش ہو گی، اپنے دستخط ثبت کرے۔

(۲) پریڈوں اور فیلڈ دے میں حاضر رہے اور دیکھے۔ کہ سپاہی اپنے

اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر براستادہ ہیں اور مشق برابر کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی سپاہی غلطی کرے۔ تو اس کو سیدھا کرے۔

(۳) سر بزکچی ہی سپہ دار کے احکام رسالداروں اور جوقداروں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوگا۔ اور جنگ میں وہ سپہ دار کا ایڈی کیمپ بنے گا۔

یوزبکچی:-

(۱) اس کے ماتحت ایک کمپنی ہوگی۔

(۲) بزکچی کو چاہیئے۔ کہ رسالہ کی بارکوں پر جاکر وہاں کے حالات وقتاً فوقتاً بغیر کسی معینہ وقت کے دریافت کرے۔ یعنی یہ کہ وہاں صحت اور صفائی وغیرہ کا انتظام کیسا ہے۔ ان حالات سے سپہ دار۔ رسالدار اور حضور کچہری کو آگاہ کرے۔ اس وقت اس کو یہ رپورٹ کھڑے ہو کر دینا چاہیئے اور جب سرکاری کام ختم ہو جائے۔ تو اس کو بیٹھنے کی اجازت حاصل ہے۔ مگر دوسرے موقعوں پر جب سرکاری کام نہ ہو۔ تو اس کو سپہ دار کے آگے بلکہ حضور کچہری میں بھی بیٹھنے کی اجازت حاصل ہے۔

(۳) جس وقت سر بزکچی اپنی رپورٹ سلطان کے آگے پیش کرے۔ تو اس موقع پر بزکچیوں کو بھی اس کے ساتھ حاضر رہنا چاہیئے۔

سر خیل:-

کرک پیٹرک کی رائے ہے۔ کہ یہ عہدہ موجودہ جمعداروں کے عہدہ کے برابر ہے لیکن خطا پر اس کو سخت سزا دی جا سکتی تھی۔

اس کے جوق سے اگر ۲۴ سپاہی پہرہ پر متعین ہوں۔ تو اُس کو چاہیئے۔

کہ دن میں دو دفعہ اور رات کو متعدد دفعہ معائنہ کرے۔ اور اس کو دیکھنا چاہئے۔ کہ سپاہی اپنے فرائض برابر ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

اگر وہ اپنے فرائض برابر ادا نہ کرے۔ تو اس کی سزا پچاس ضرب بید ہوگی۔ اور اس کا عہدہ گھٹا کر اس کو جمعدار بنا دیا جائیگا۔ اور ترقی پانے پر یوز باشی ہوگا۔

جمعدار:۔

کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ اس کے فرائض وہی تھے۔ جو آجکل حوالداروں کے ہیں۔

دفعدار:۔

دفعدار کا کام یہ ہوگا۔ کہ جب وہ سپاہیوں کو پہرہ پر تعینات کرے۔ تو زمین کا نشیب و فراز دیکھ کر متعین کرے۔ تاکہ کسی طرف سے دشمن اچانک سر پر نہ آجائے۔ اور یہ جگہ ایسی ہو۔ کہ خطرہ کے وقت فوراً اپنے ساتھی سپاہیوں کو اطلاع دے کر خبردار کر سکے۔ اگر وہ اس کام میں غفلت کرے۔ تو سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔

اس کو ترقی ملنے پر جمعداری کا عہدہ ملےگا۔ اور تنزل ہونے پر سپاہی بنا دیا جائےگا۔"

یوزکدار:۔

یوزکدار کو چاہئے۔ کہ اپنی ڈیوٹی پر مستعد رہے۔ اگر وہ سوتا ہوا پایا جائے یا اس کی حفاظت میں سے کوئی چیز چوری چلی جائے۔ تو وہ بہت سخت سزا

ایک سو ضرب بید کا مستوجب ہوگا۔ اس کو اپنے دفعدار کے احکام کی پوری اطاعت کرنی چاہئے۔ اس کو ترقی ملنے پر دفعدار بنایا جائے گا۔

(نوٹ :- یزک کے معنی پہرہ دار کے ہیں۔ سلطان کے احکام میں اس سے مراد سنتری کے لئے جاتے تھے۔ بلکہ پہرہ کے چھ سپاہی اور نایک سے ہے ۔)

فوجی حساب کتاب ۔ (بخشی و متصدی)

ہر قشون کے ساتھ ایک بخشی اور دو متصدی ہونے چاہئیں جن میں ایک فارسی دفتر اور ایک ہندی دفتر رکھے ۔ ان کا کام یہ ہے

(۱) ہر ماہ کی ۲۷ کو قشون کے تمام سپاہیوں کو سپہ دار کے آگے پیش کریں۔ اور ان کے متعلق تمام رپورٹیں اس کے سامنے رکھیں ۔

(۲) ہر دو ماہ میں ایک مرتبہ ایک علیحدہ اجتماع عام کرنا ہوگا جس میں سپہ دار کی شرکت ضروری ہے ۔

(۳) ہر ماہ کے آخری دن قشون کی تنخواہ کا بل نہایت دیانت سے تیار کرے اور اس کو دوسرے ہی دن (پہلی تاریخ کو) روپیہ حاصل کر کے سپہ دار کے روبرو اسی دن بانٹنا چاہئے ۔ اس طرح کہ تنخواہ ہر سپاہی کو اس کے ہاتھ میں دی جائے ۔

(۴) ان افسروں کو چاہئے کہ مہینے کی پانچ تاریخ کے بعد، ان کے پاس جو روپیہ بچت میں ہو۔ یعنی وہ تنخواہیں جو سپاہی غفلت سے یا کسی اور وجہ سے نہ لے سکے ہوں۔ اسے خزانہ میں واپس کر دیں ۔

(۵) اگر ان کاموں میں کسی طرح کی غفلت ہو۔ تو اُن کو اس جگہ سے برخاست کر دیا جائے گا۔

فوجی سلام :۔

(۱) اگر میر بخشی فوج معائنہ کیلئے آئے۔ تو جس وقت وہ سب سے آگے کے پہرہ دار کے پاس پہنچے تو سرخیل اور اس کے ماتحت چار نِک (۴ ۲ سپاہی) کو فوجی سلام کرنا ہوگا۔

(۲) جب سپہ دار معائنہ کے لئے آئے۔ تو جمعدار اور بارہ سپاہیوں کو فوجی سلام دینا چاہئے۔

(۳) پریڈ کا وقت ان فوجی سلاموں سے مستثنیٰ ہوگا۔

(۴) رسالدار اگر معائنہ کے لئے آئے۔ تو صرف پہرہ پر جو سپاہی متعین ہیں فوجی سلام کریں گے

(۵) کسی افسر کو بھی مغرب کے بعد سلام لینے کی اجازت نہیں ہے۔

فرلو (رخصت) کے احکام :۔

افسروں اور سپاہیوں کو جب ان کی پلٹنیں شہروں میں ہوں تو ہر سال دو ماہ کی فرلو (رخصت) مل سکے گی۔ امن کے زمانہ میں اگر کوئی سپاہی فوج سے روپوش ہو جائے۔ تو اُس کے مل جانے پر ایک ہزار بید کی سزا دی جائے گی۔

جنگ کے وقت اگر کوئی سپاہی روپوش ہو جائے۔ تو اُس کے مل جانے پر اس کو گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ دشمن سے مقابلہ کے وقت اگر کوئی سپاہی

منہ پھیر کر بھاگتا نظر آئے۔ تو اس کو بھی یہی سزا دی جائے گی۔

اگر سپہ دار۔ رسالدار یا جوقدار کی غلطی سے ایسا شخص حراست سے بچ کر نکلے۔ تو وہ افسر اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔"

شکنش ۱۸۔ (توپ خانہ سے سلامی کے احکام)

(۱) شاہی سلام (سلیوٹ) اکیس ۲۱ توپ کا ہوگا۔

(۲) سلطان کی پیدائش کے دن اور تخت نشینی کے دن ۲۱ توپ کی سلامی دی جائے گی۔

(۳) اگر دشمن پر فتح حاصل ہو۔ تو اس جشن کے وقت ۲۱ توپ داغی جائیں گی

پیادہ فوج کی ترتیب:۔

(نوٹ:۔ ذیل کا مضمون کرک پیٹرک نے اپنی جانب سے سلطانی کاغذات کے حوالے سے دیا ہے۔ محمود)

پوری فوج پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کی گئی تھی ہر ڈویژن کے لئے ایک ایک سپہ دار تھا۔

ہر ڈویژن میں ۲۷ قشون یا رجمنٹیں تھیں۔ انہیں رسالہ کہا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ ہر ڈویژن کے ساتھ ایک سفر مینا کی رجمنٹ اور ۶۲۵ دوسرے کاریگر تھے۔

ہر رسالہ میں ۱۳۹۲ سپاہی تھے۔ جن میں ۱۰۵۶ بندوقچی تھے۔

ہر رسالہ کے ساتھ ایک توپخانہ تھا۔ جس میں ۲ سرخیل۔ ۲۸ توپچی۔ اور دو خیمہ بردار (خیمے والے) تھے۔ اس توپ خانہ میں ۱۰ قلعہ شکن توپیں۔ اور

۲ لمبی بار کی توپیں تھیں (توپ ڈھائی گز یا ۷ فٹ کی ہوتی تھی)
ہر رسالہ کو چار ٹیپوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

رجمنٹ کا عملہ اور تنخواہ :-

	تعداد	فنم	پگوڈا		تعداد	فنم	پگوڈا
رسالدار	۱	..	۳۰	بان انداز	۳۹	۲	۳
جوقدار	۶	..	۱۷	درخش انداز	۳۲	۴	۵
سر یزکچی	۱	-	۱۵	برق انداز	۷۱	۶	۳
یزکچی	۴	-	۱۲	نجم بردار	۹	..	۳
سرخیل	۵	..	۹	ساربان	۱	۵	۷
جمعدار	۱۳	..	۸	توپچی	۲۸	۴	۵
دفعدار	۹	-	۷	خلاصی	۵۴	۴	۲
یوزکدار	۹	۵	۵	طبیب	۱	..	۵
شترباشرن	۱	۵	۶	سرجن یا جراح	۱	..	۵
علمبردار	۱	۵	۷	مشعلچی	۱	۱	۲
گردوں نواز	۲	۲	۴	بہشتی	۴	۱	۲
شہنائی نواز	۱	۲	۴	معلم قرآن	۱	؟	
یوزچی	۱	..	۶	متصدی	۲	..	۱۰
سپاہی	۱۳۹۲	۱	۵	کوتوال (منشور)	۱	۲	۳

مندرجہ بالا عملہ کے علاوہ ہر ٹیپ کے ساتھ ۲ چودھری - ۱۹ گاڑیبان

۱۹ مدد گار۔ ۴ دفعدار اور ایک داروغہ، باربرداری کے انتظام کے لئے تھے اور ان کے پاس ۹۲ بیل۔ دو اونٹ بارود اور گولوں کے لئے تین گاڑیاں اور باربرداری کے لئے حسب ضرورت گاڑیاں تھیں۔

سپہ دار یا ڈویژن کا دفتری عملہ (تنخواہ)

	تعداد	ہنم	پگوڈے	
بخشی	۲	-	-	۹
مرزائی دفتر (فارسی) سرشتہ دار	۱	-	-	۹ سول عہدہ دار
ہندوی دفتر	۱	-	-	۹
گماشتے	۱۶	-	۱۶	
سرینچی	۲	-	۱۷	فوجی عہدہ دار
نقیب	۲	-	۱۲	-
حاضر باشی	۵	۶	۳	
علمبردار	۴	۵	۱	
فراش	۱	۷	۲	
ساربان	۲	۷	۲	
مشعلچی	۱	۱	۲	

اُن پانچ ڈویژنوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ ایک اور ڈویژن ایک سپہ دار کے ماتحت (ریزرو میں) رہتی تھی۔ اس میں ۳ ٹیپ سپاہی۔ ۱۹۱۷ گاڑیبان۔ ۵۳۷ سفرمینا کے سپاہی۔ ۶۲۵ کاریگر۔ فیل بان

۲۰ سرخیل - ۲۳۲ توپچی - ۱۹۳۵ بیل اور گاڑیبان - ۴ برنجی توپیں - ۱۰ قلعہ شکن توپیں - ۲ دُور مار توپیں - ہاتھیاں اور اونٹ تھے۔

کونٹ لالی کے ماتحت جو فرانسیسی فوج تھی، اس میں ۵۰۰ یورپین اور ۵۰۰ دیسی سپاہی تھے۔

مندرجہ بالا حساب سے سلطان کی باقاعدہ فوج ایک لاکھ اسی ہزار کی تھی۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار کی بے قاعدہ فوج تھی۔ اس کو احشام (قلعوں کی نگرانی کرنے والی فوج) یا کندا چار (قدیم طرز کی فوج) کہا جاتا تھا۔

یہ پوری فوج، وزیر فوج کے ماتحت تھی جس کے ماتحت ایک جنرل ان چیف آف انفنٹری مع ایک یونرکچی یعنی ایڈی کمپ کے تھا۔ سپہ سالار سلطان خود مقرر کرتا تھا۔ اور یہ براہِ راست سلطان کے زیرِ حکم تھے۔

سوار فوج :-

اس کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

(۱) باقاعدہ کیولری۔ (۲) سلحدار۔ (۳) کازک

۱ - باقاعدہ کیولری جس کو سوار عسکر کہا جاتا تھا۔ اس کے تین ڈویژن تھے ہر ڈویژن میں چھ قشون یا رجمنٹ تھے۔ اور ہر قشون میں ۳۷۶ سوار تھے جنہیں سرکاری گھوڑے ملتے تھے۔

۲ - سلحدار	چھ ہزار	}	یہ اپنے خاص گھوڑے رکھتے تھے جن کا
۳ - کازک	آٹھ ہزار	}	الاؤنس علیحدہ دیا جاتا تھا۔

اس سوار فوج میں جملہ تیس ہزار گھوڑے - چھ سو اونٹ - نو سو ہاتھی اور چار لاکھ بار برداری کے بیل تھے -

اس سوار فوج کے افسروں کی ترتیب اور عملہ وغیرہ اُسی طرح تھا - جیسے پیادہ فوج کا تھا - اس لئے یہاں اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے - بہ نسبت پیادوں کے سواروں کو زیادہ تنخواہ ملتی تھی -

پوری پیادہ و سوار فوج کے لئے وردی سلطنت کی طرف سے دی جاتی تھی تمام چھوٹے بڑے اسلحہ - گولہ - بارود اور سامان سلطنت کے کارخانوں سے مہیا ہوتا تھا - افسروں کی ٹریننگ کے لیئے پایۂ تخت میں مدرسہ تھا - (خط نمبر ۲۶۲)

کرک پیٹرک اپنے نوٹ میں لکھتا ہے :-

"گو ایک وزیر حرب (وار منسٹر) موجود تھا - مگر پھر بھی سلطان نے فوج کے لئے ایک علیحدہ بورڈ بنا دیا تھا جس میں مشورہ کے لئے علاوہ وزیر حرب کے اور چار وزیر تھے - ان کے نام یہ ہیں :-

بدر الزمان خاں - سید محمد - محمد رضا - پورنیا - سیدؔ ناصر علی[1]

کرک پیٹرک یہ بھی لکھتا ہے :-

فوجی محکمہ کا یہ حکمنامہ جس کے ساتھ پانچ ضمیمے تھے، ایک ضخیم کتاب تھی جس کی جلد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے نام تھے - اور نیچے "سرکار خدا داد" لکھا ہوا تھا -

---

[1] کرک پیٹرک حاشیہ میں لکھتا ہے کہ :- اس کتاب میں میر ناصر علی کا نام سلطان نے اپنے قلم سے لکھا تھا -،،

جیسا کہ اس کا دستور تھا۔ سلطان نے شروع اور آخر میں دستخط کرنے کے علاوہ ہر دفعہ کے شروع اور آخر میں بھی اپنے دستخط "بنی مالک" کے عنوان سے کیئے ہیں۔ اور ہر حکمنامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ سلطان کی مہر بھی ثبت ہوتی تھی۔

(ختم شد مضمون کرک پیٹرک)

کرک پیٹرک کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فتح المجاہدینؒ کے علاوہ سلطان کی ایک اور کتاب تھی، جو خاص طور پہ فوجی محکمہ کے متعلق احکام پر مشتمل تھی۔ میں نے یہاں مقامی طور پہ اس کی بہت تلاش کی۔ لیکن یہ نہیں ملی۔ کتاب فتح المجاہدین، جس کے پانچویں باب کا اقتباس کرک پیٹرک نے دیا ہے، اس کا ذکر آیندہ صفحات پر ملے گا۔ لیکن یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کے آٹھ ابواب میں سے پہلے دو کے سوا باقی ابواب فوجی مشق یعنی پیادہ اور سوار فوج کی ڈرل۔ قلعہ سازی۔ میدان اور گھنے جنگلوں میں لڑائیوں کے طریقے اور اصول وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ جنہیں اس کتاب میں دینے کی گنجائش نہیں اس کیلئے ایک علیحدہ اور مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

اصل مقصد تو سلطان کی فوجی مہارت اور قابلیت کا اظہار ہے جس کا اندازہ پانچویں باب کے اقتباس ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کرک پیٹرک نے بھی شاید اسی خیال سے اس ایک باب پر اکتفا کیا ہے۔

مورخ گیارٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۵ پر لکھتا ہے [1]۔

---

[1] تاریخ ہندازجان گیارٹ۔

سلطانی فوج اس زمانہ کی بہترین فوج تھی۔ جو کسی طرح بھی فوجی ڈسپلن اور اسلحہ کے لحاظ سے کسی یورپین قوم کی فوج سے کم نہیں تھی۔"

اس رائے کے بعد یہاں تفصیلاً یہ بتانا غیر ضروری ہے۔ کہ میسور کی تیسری اور چوتھی (آخری) جنگ میں شکستیں کیوں ملیں۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ:۔

دونوں جنگوں میں بھی سلطانی فوج کو امراء اور وزراء کی غداری کی وجہ سے لڑنے کا موقع نہیں ملا۔ سازشوں کے ذریعہ اس کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ کہ سلطان پایۂ تخت میں گھر جائے۔ اور یہی ہو کر رہا۔ اور اس کا نتیجہ وہی نکلا۔ جو انگریز چاہتے تھے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے سلطان کی جدوجہد

قاضیوں کے نام حکم نامہ

۴۱: حکم نامہ برائے قاضیاں:-

خط نمبر ۱۶۳ کی تحت میں جس حکم نامہ کا میں نے ذکر کیا تھا۔ اس کی نقل یہاں دی جاتی ہے۔ خط سے ظاہر ہے۔ کہ سلطان نے ادھونی کے قاضی کی ہدایت کے لئے بنگلور کے قاضی سے یہ حکمنامہ طلب کیا تھا۔ میں نے اس کے متعلق جستجو کی۔ یہ حکم نامہ مجھے جناب محمد قطب الدین شریف صاحب ساکن لبھوں گروی بنگلور کی مہربانی سے مل گیا ہے۔ کیونکہ بنگلور کا عہدۂ قضا انہیں کے خاندان میں تھا۔ میں اس حکمنامہ کے لئے صاحب موصوف کا شکرگزار ہوں

(محمود)

یہ حکمنامہ، سرنگاپٹم کے بنے ہوئے کاغذ پر ۲۴ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے اور چرمی جلد ہے۔ اوپر جو نقش و نگار تھے، امتداد زمانہ سے ان کا سنہری رنگ اڑ گیا ہے۔

حکمنامہ میں سلطان نے حسبِ عادت خود "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" عنوان پر لکھ کر اپنی مہر لگائی ہے۔ اور حکمنامہ کے ختم پر تاریخ اور دستخط اس طرح ثبت کئے ہیں۔

"تحریر فی التاریخ ہفتم ماہ ہاشمی سال جلوس ۱۱۹۹ھ۔ بنی مالک"

مضمون حکم نامہ:۔

(نوٹ:۔ یہ حکمنامہ فارسی زبان میں ہے۔ میں یہاں اس کا اردو ترجمہ پیش کرتا ہوں) (محمود)

یہ حکمنامہ شہر بنگلور اور اس کے ماتحت علاقوں کے تمام قاضیوں اور خطیبانِ حال و استقبال کے لئے ہے۔

مشار الیہ کو منصبِ قضا و عہدہ ہائے شرعی پر مقرر کیا گیا ہے چاہیئے کہ خود نماز و روزہ کی پابندی کریں۔ اور ان فرائض کی پابندی میں پیش کرتے ہوئے نواہی سے ہمیشہ اجتناب کریں۔

کسی کی رو رعایت اور طرفداری نہ کریں۔

رشوت نہ لیں

لوگوں کو طاعات کی ترغیب دیں۔

نشہ کی چیزوں کے استعمال سے منع کریں۔

زانیوں اور شرابیوں کو سزا دیں۔

نماز جمعہ اور عیدین میں جمہور مسلمین کو جمع کریں۔

اہلِ دنیا و دین۔ بوڑھے جوان اور بچوں کو دینی و دنیاوی علوم و فنون

سکھاتے ہیں۔

مردوں اور عورتوں کی ان کی مرضی معلوم کرنے کے بعد شادی کریں۔

احکامِ دینِ متین کو جاری کریں۔

مساجد اور معابد کو آباد کریں۔ ان میں گل بانگ اذان اور نماز کا پوری طرح اہتمام کریں۔ ان تمام کاموں میں جزو سے لے کر کل تک کسی کام میں اس قانونِ اعظم کے مطابق، جس کا نام "شرع محمدی" ہے کسی حالت میں بھی رعایت اور تعطل نہ ہو۔

بجالانا ان نیک کاموں کا افضل طاعات ہے۔ اس لئے کہ اہلِ دین و دنیا کا حال و مال درست کرنا، اس دولتِ خداداد کی ترقی و پائنداری کا باعث ہوگا۔

اس بنا پر:۔

خلق اللہ کی بہتری و بہبودی کے لئے بعض احکام ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ انہیں بغیر کسی فروگذاشت کے عمل میں لائیں چونکہ آپ کی گذران کے لئے سرکار سے معاش مقرر ہے۔ لہذا آپ کو سرکاری احکام کے مطابق اپنے کام میں ہمیشہ مستعد اور سرگرم رہنا چاہیئے۔

حکم:۔

مسجد کے استاد کو چاہیئے کہ تمام اہل اسلام کے بچوں کو جمع کر کے ہر روز سبق دے اور مشق کرائے۔

تمام بچوں کے نام کی مع قید ولدیت اور ان کتابوں کے نام، جو وہ پڑھتے

ہیں۔ حضوری میں اطلاع دی جائے۔

اگر کسی کے بچے پڑھنے نہ آئیں۔ تو استاد اطلاع دے۔ اور یہ اطلاع ملنے کے بعد علاقہ کے تعلقدار کو چاہیئے۔ کہ بچوں کو طلب کر کے استاد کے حوالے کرے۔ (جبری تعلیم)

اس قسم کے مدارس تمام مسجدوں اور دوسری جگہوں پر قائم کئے جائیں۔

بچوں کو پہلے پہاڑے اور پھر حساب سکھایا جائے۔

اگر استاد کو خود یہ باتیں معلوم نہ ہوں۔ تو کسی ہندی نویس (ہندو گماشتے یعنی محاسب) سے یہ سیکھے اور اس کے بعد بچوں کو سکھائے۔

اس کے بعد بچوں کو علم انشا اور لکھنا پڑھنا سکھانا چاہئے۔

حکم:-

مسجدوں کے خطیبوں اور موذنوں کو اپنے مقررہ کام سے فراغت پانے کے بعد بچوں کو درس دینے میں متعد رہنا چاہئے۔ اور پانچ آدمیوں کو ختم قرآن کے لئے جمعہ کے دن مقرر کرے۔ اور شب جمعہ میں قرآن ختم کرائیں۔ اور بعد ختم، شب جمعہ میں خداوند نعمت کے اقبال و دولت کی ترقی اور دشمنوں کی مقہوری کے لئے دعا کریں۔

حکم:-

قاضی کو چاہئے۔ کہ جمعہ کا دن، تمام اہل اسلام کو اعلان کے ساتھ نماز کے لئے طلب کرے۔ اگر کوئی شخص فضول عذر وحیلہ کرے۔ تو قاضی کو چاہئے کہ اس پر ایک روپیہ جرمانہ کرے۔ اور اگر اس شخص میں جرمانہ ادا کرنے کی

طاقت نہ ہوتو، حدیث شریف کے مطابق جو سزا مقرر ہے، دے اور اُس پر حدِ شرعی جاری کرے۔

حکم:۔

قاضی کو چاہئے۔ کہ اس امر کا پورا اہتمام کرے۔ اور تاکید کرے۔ کہ کوئی شخص بھی زنا کے فعلِ شنیع کا مرتکب نہ ہو۔ کیونکہ زنا کی وجہ سے، شہروں اور ملکوں پر، ہر قسم کی بلائیں اور آفتیں آتی ہیں۔ اور اولادِ حرامی پیدا ہوتی ہے۔ اور قسم قسم کے مذموم اور نامشروع فعل لوگوں میں پھیل جاتے ہیں۔ کیونکہ زنا اور شراب ام الخبائث ہیں۔ اور افعالِ شنیع میں سب سے بدتر ہیں۔

اگر قاضی ان کاموں کے منع اور بند کرنے میں اہتمام نہ کرے۔ تو شرع کے مطابق خود اس کو سزا ملے گی۔

حکم:۔

چاہئے۔ کہ اپنے تمام علاقہ کی خانہ شماری کر کے، مردوں۔ عورتوں اور بچوں اور ان کے روزگار کی کیفیت لکھ کر حضوری میں روانہ کرے۔ اور اس رپورٹ کی ایک نقل اپنے پاس بھی رکھے۔

حکم:۔

اگر مسلمان کے گھر بچہ پیدا ہو۔ تو قاضی کو چاہئے کہ اس کو اپنے سامنے طلب کرے اور نام رکھے۔ چار سال اور چار ماہ بعد اس کی بسم اللہ خوانی قاضی کے روبرو ہونی چاہئے

حکم :-

ملہ رمضان المبارک میں مقررہ ضابطہ کے مطابق کھانا پکوائے۔ اور اس پہ ایک معتمد شخص کو مقرر کر کے محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

ان تمام اخراجات کا حساب رکھنے کے لئے ایک متصدی مقرر کیا جاتا ہے۔ اس سے تمام حساب لکھوایا جائے۔ اور بغیر اس کی اطلاع کے ایک "دام" بھی خرچ نہ کیا جائے۔

حکم :-

قاضی کو چاہیئے۔ کہ ہر ماہ، ایک دفعہ خطیب۔ ملّا۔ استاد اور ختم خوانوں وغیرہ کی حاضری کی کیفیت حضوری میں روانہ کرے۔

(نوٹ :- ان مذکورہ بالا احکام کے بعد چند مذہبی احکام جو عہدۂ قضا کے متعلق ہیں۔ دو تختوں پہ دیئے گئے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں :-)

" قال اللہ تعالیٰ ومن لم انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون"

(یعنی فرماتا ہے خدائے تعالیٰ، کہ جو شخص حلال و حرام، چوری و زنا شراب اور جوئے وغیرہ کے معاملہ میں عدل و انصاف سے کام نہ لے۔ اور مقررہ حدود سے تجاوز کرے۔ اور حکم نبوی کے مطابق عمل نہ کرے۔ تو وہ ستمگاروں کے گروہ سے ہے۔ خواہ اس عدل و انصاف کا اطلاق اپنوں پہ ہو یا دوسروں پر۔ اور دوسری جگہ ایسوں کو ہی "ھم الفاسقون" کہا گیا ہے۔

"والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما"

(یعنی جو کوئی چوری کرے، مرد ہو یا عورت، اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں)

"اگر قاضی اس حکم شرعی پر عمل نہ کرے۔ تو اس کو عہدۂ قضا سے معزول کر دیا جائے گا۔"

آیہ شریف ہے کہ :۔

"انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان"

یعنی اس کے معنی سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ شراب۔ جوا بت بنانا یا تختیوں پر بتوں کی تصاویر کھینچنا۔ یا تیروں سے جوا کھیلنا تمام نجس ہیں اور یہ عمل شیطان کے عمل ہیں۔ اور شراب اور جوئے کی سزا اسی تازیانے ہیں۔ اگر آزاد ہے تو چالیس تازیانے ہیں۔ اور زنا کے متعلق حکم ہے کہ زانی و زانیہ کو بعد ثبوت زنا کے، جس کی گواہی چار گواہوں نے دی ہو۔ یا علیحدہ علیحدہ وہ خود اقرار کریں۔ تو غیر شادی شدہ کے لئے سزا اسّی تازیانے مقرر ہیں۔ اگر زانی و زانیہ شادی شدہ ہیں۔ تو انہیں سنگسار کرنا چاہیئے۔

رشوت کے باب میں حدیث شریف ہے کہ :۔

"الراشی والمرتشی کلاہما فی النار"

یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخ میں جائیں گے خصوصاً اگر قاضی رشوت لے۔ بے انصافی اور عدم عدل کا مرتکب ہو تو اسی وعید میں داخل ہے۔ اس کو اس کے منصب قضا سے معزول

کیا جائے گا۔ اور دوسرے کو اس کی جگہ مامور کیا جائے گا۔

اگر معاذاللہ، حرام کو حلال کرے اور حلال کو حرام تو کافر گردانا جائیگا

اگر اسی اعتقاد سے کام کرے تو فہو المراد اس کا قتل درست ہے۔ جیساکہ مرتد کا قتل۔

حکم:۔

قاضی کو چاہیئے۔ کہ اپنے علاقہ کے تمام اہل اسلام کے کسب اور ذریعہ معاش کی پوری طرح تحقیق کرے۔ اگر ان میں سے کوئی تجارت میں ملکہ رکھتے ہوں اور ناداری کی وجہ سے تجارت نہ کرتے ہوں۔ اور بغیر معاش کے ہوں۔ تو ایسے لوگوں کو پچاس سے سو روپے تک سرکار سے دلائیں۔ اور انہیں کام پر لگائیں۔

اور

زراعت پیشہ لوگوں نے اگر عدم استطاعت کی وجہ سے زراعت چھوڑدی ہو۔ اور بے روزگار ہوں۔ اور تکلیفوں میں بسر کرتے ہوں۔ تو ہر ایک کو دو ہل اور بیلوں کے علاوہ بالائی خرچ کے لئے بیس سے تیس روپے تک دئے جائیں۔ عامل علاقہ سے زراعت کے قابل جگہ بھی دلائیں اور جس قدر تخم کی ضرورت ہو۔ وہ سرکار سے دلاکر انہیں زراعت کے کام پر لگائیں۔ سال دو سال کے بعد، بشرطیکہ ان کی حالت اچھی ہو۔ تو سرکار کا روپیہ بتدریج قسط وار وصول کیا جائے۔

ان کاموں کے لئے جو روپیہ عامل سے لیا جائے، اس کی رسید خود

قاضی اپنے مہر و دستخط سے دے۔ اور جس شخص سے روپیہ وصول ہو، اس کی بھی اسی طرح رسید دے۔ اور یہ حساب اپنے ماتحت متصدی سے لکھوایا جائے۔

حکم :-

"قاضی کو چاہیئے۔ کہ مساجد و معابد کو گرد و غبار سے پاک و صاف رکھے سفیدی کرائے۔ اور فرش مصفا رکھے۔ چراغ روشن کرے۔ اور صحن مسجد کو جھاڑو دے۔ کہ خس و خاشاک سے پاک رکھے۔ اور یہاں گلہائے رنگارنگ کے درخت لگا کر ہر صورت سے مسجد کو مزین، مصفا اور منور رکھے۔ تاکہ نہ صرف مسلمانوں کو کشش محسوس ہو۔ بلکہ دوسروں کو بھی یہاں آنے کی ترغیب ہو۔ اور وہ مسلمانوں کے عبادت کے طریقوں کو دیکھیں اور اس صورت سے اپنی ضلالت کے طریقوں کو چھوڑ کر شریعت دین ہدیٰ کی طرف رجوع کریں۔ تدبیر اس کی یہ ہے۔ کہ قاضی ہمیشہ ان لوگوں کے مردوں اور عورتوں کے حالات کا خبر گیراں رہے۔ اور ان کی بہتری کا اظہار کرے اور پند و نصائح اور میٹھی باتوں سے ان کے دلوں کو مسخر کرے۔ اور اس کے بعد بالکل رازداری سے اس طور پر کہ ان کے عزیز و اقارب تک کو خبر نہ ہو، تاکہ وہ اس کو منع نہ کر سکیں، دعوت اسلام دے۔ اور جو لوگ دین اسلام میں داخل ہونے کا اظہار کریں، انہیں دین میں داخل کرے۔ اگر ان میں سے کوئی دو سو روپے تک کا قرض دار ہو۔ تو قاضی کو چاہیئے۔ کہ اس کو یہ روپیہ سرکار سے دلا کر قرض سے نجات دلائے۔ اور ان میں سے جو شخص تجارت

جاننا ہو۔ اور تہی دستی کی وجہ سے یہ کام نہ کرتا ہو۔ تو اس کو پچاس سے سو روپے تک دے۔ اور زراعت پیشہ لوگوں کو ڈھل اور بیلوں کے علاوہ بالائی خرچ کے لئے بیس سے تیس روپے تک نیز جس قدر تخم کی ضرورت ہو سرکار سے دلایا جائے۔ اور کاشت کے قابل زمین بھی عامل سے دلائی جائے۔[۱]

ان حکمناموں کے بعد صفحہ ۱ سے صفحہ ۴۳ تک فقہ کی کتابوں سے طہارت کلمہ۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج اور امر و نہی کے متعلق مسائل انتخاب کر کے لکھے گئے ہیں۔ جو عام طور پر تمام مذہبی کتب میں ملتے ہیں۔ اس لئے میں نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ البتہ آخری صفحہ پر حاکم وقت کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اگر وہ حکومت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ اور امر و نہی کے احکام جاری کرنے کے باب میں غافل ہو۔ تو اس کو اس طرح آگاہ کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ مچھر ہاتھی کو آگاہ کر دیتا ہے۔ یعنی انصاف کے معاملہ میں بادشاہ سے بھی درگذر نہ کرنی چاہیئے۔

---

[۱] قراین سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان نے غریب مسلمانوں کی امداد اور اشاعت اسلام کے متعلق جو احکام دیئے تھے۔ ان پر سوائے چند کے باقی جانشینوں نے کوئی عمل نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف جعلی و فرضی دستاویزات بنا کر خود اپنے رشتہ داروں کے لئے زمینیں حاصل کر لیں۔ اور یہی وہ وجہ ہے۔ کہ انتزاع سلطنت کے بعد زمین کے وسیع رقبے بلکہ گاؤں کے گاؤں قاضیوں کے خاندانوں میں پائے گئے۔

صفحہ ۴۳ پر ضابطۂ رسوم قضا درج ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

(۱) بچوں کی تعلیم کے لئے ہر گھر سے "پاؤ فلم[1] کنتی رایا" ہر ماہ لیا جائے۔

(۲) نکاح خوانی کے لئے ایک روپیہ اور چار طاہا (آنے) لئے جائیں۔

(۳) بسم اللہ خوانی کے وقت ایک روپیہ۔ اور اس کے علاوہ ہر مسلمان کے گھر سے سالانہ ایک فلم لیا جائے

(۴) بچوں کے نام رکھنے کی رسم کا ایک روپیہ۔

(۵) ذبح گاؤ کے لئے پاؤ فلم کنتی رایا اور بکرے کے لئے ایک آنہ مقرر ہے۔

(نوٹ :۔ صفحہ ۳ سے ۳۷ تک سلطان کے ایجاد کردہ مہینوں کے نام اور سالوں کے نام ہیں۔ سلطان نے یہ نام فصل کے لحاظ سے رکھے تھے۔ کیونکہ اسلامی مہینوں کے نام فصلوں کے مطابق نہیں تھے (اور نہیں ہیں) اس کے بعد چار سطروں میں پیمائش کا حساب ہے۔ جو سلطان نے رائج کیا تھا)

یہاں پہنچکر یہ حکمنامہ ختم ہوگیا۔ اخیر میں تاریخ اور سلطان کے دستخط اس طرح پر درج ہیں :۔

تحریر فی التاریخ ہفتم ماہ ہاشمی۔ سال جلوس ۱۱۹۹ ہجری۔

" بنی مالک :۔ "

---

[1] فلم سکہ کا نام ہے :

سلام کے متعلق سلطان کا حکم

عجم کے تکلفات - روحِ اسلام

اسی کتاب میں عجم اور سلطنتِ خداداد کے عنوان سے ایک مضمون دیا گیا ہے اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ اہلِ نوائط نے نواب حیدر علی کو شاہانہ رسم و رواج سکھانے کے لئے دربار میں سادگی کی بجائے تکلفات لے آئے - انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس بہانے سے شریعت اسلامی میں بھی رخنہ اندازیاں شروع کردیں -

اسلام نے کسی کی تعظیم و سلام کے لئے جو سیدھے سادے اصول مقرر کئے تھے، ان کے عوض انہیں خلافِ شان اور خلافِ ادب قرار دے کر تعظیم اور سلام کے لئے یہ اصول، رواج دئے۔ کہ بڑے آدمیوں یا شایخوں یا پیروں کے آنے پر محفل ہو یا مجلس، لوگ اُٹھ کھڑے ہوں، جھک جھک کر آداب تسلیمات بجا لائیں - ان کے ہاتھوں کو چومیں یا بوسہ دیں - اور چھ چھ سات سات دفعہ زمین تک ہاتھ لے جا کر اپنی پیشانی تک لائیں - اور بجائے السلام علیکم "کے" آداب عرض "، تسلیم عرض " کے الفاظ استعمال

ہونے لگے۔

یہ رواج اس قدر عام ہوگیا کہ شاہی درباروں اور مجلسوں سے نکل کر مسجدوں تک آگیا۔ جہاں کسی امیر آدمی کے آنے پہ اس کی [illegible] کے لئے لوگ اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ سلطان اس سے متنفر تھا [illegible] قسم کے سلام کا جواب دینا بند کر دیا۔ یہ حالت تو اس [illegible] تک رہی جبکہ اس کو کچھ اختیارات بھی حاصل نہیں تھے۔

ولکس اور بورنگ دونوں نے اپنی تاریخوں میں لکھا ہے کہ:

("سلطان اس قدر مغرور ہو گیا تھا کہ کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔[1])

اس جواب نہ دینے کا معاملہ بھی جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، بالکل صحیح ہے

---

[1] آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنے کے متعلق مقامی روایت ہے اور خود راقم الحروف نے بھی بہت لوگوں سے سنا ہے! "ارمغانِ حیدری" کا مصنف بھی لکھتا ہے "سلطان کی آنکھ [illegible] خاص قسم کی چمک تھی۔ وہ اگر نظر بھر کر کسی کو دیکھتا تھا تو وہ شخص بیہوش ہو جاتا تھا۔ ایسے [illegible] کے ہونے پر کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھتا تھا۔" اس قسم کے چند واقعات دوسری قدیم تاریخوں میں بھی ملتے ہیں۔ آنکھوں کی اس صفت کو آجکل کی اصطلاح میں [illegible] "[illegible] روانی" یا "(Animal Magnetism)" کہتے ہیں۔ اور یہ [illegible] مشق و ریاضت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ مگر پاک باطن اور جری طبیعت ہونا ضروری ہے۔

لیکن باپ کے بعد تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنی کل مملکت میں مسلمانوں کے نام مندرجہ ذیل حکمنامہ جاری کیا۔ جس کو کرک پیٹرک نے اپنی کتاب کے ضمیموں کے صفحہ ۹۱ پر بطور نوٹ دے کر اس کا اقتباس اپنی جانب سے حسب ذیل دیا ہے:۔

حکمنامہ

اس حکمنامہ کا مقصد یہ ہے۔ کہ کسی کی آمد پر اس کی تعظیم کے لئے جو طریقے سلام کرنے کے۔ اٹھ کھڑے ہونے کے۔ یا اُس کے ہاتھ کو چومنے یا بوسہ دینے کے مروج ہیں۔ یہ تمام ایام جاہلیت کی رسوم ہیں۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف ہیں۔ اس لئے حکم دیا جاتا ہے۔ کہ آیندہ ہر کلمہ گو (مسلمان) ان خلاف شریعت اصولوں سے پرہیز کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ملنے پر درست السلام علیکم کہے۔ اور جواب میں وعلیکم السلام کہا جائے۔[۲]

شاہی دربار میں آنے کے لئے اس نے صرف یہ قاعدہ مقرر کیا تھا۔ کہ لوگ نہایت خاموشی اور ادب سے آکر اپنی اپنی

---

[۱] اس حکمنامہ کے اجرا کا سال بقول کرک پیٹرک ۱۷۸۳ء ہے۔

[۲] کرک پیٹرک نے اس حکمنامہ کو تعجب انگیز کہا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ بحری احکام کے نیچے بھی سلطان کا یہ حکمنامہ موجود ہے۔

جگہ بیٹھ جائیں[1]۔ اس کے دربار میں لوگ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ایک ... خود اس نے یہ سنکر تعجب کیا۔ کہ حیدر آباد میں نظام علی خاں کے دربار میں لوگ تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔ کرک پیٹرک نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸۴ پر یہ الفاظ ... سلطانی تحریر سے اس طرح دیئے ہیں :-

اس زمانہ (۱۷۸۴ء) میں نظام علی خاں کا ایلچی مفتخر خاں[2] نے حاضری کی اجازت چاہی۔ میں نے اس کو طلب کیا۔ اور جب وہ آگیا۔ تو میں نے اس کو پانچ ہزار روپیہ نقد اور ایک خلعت دی۔ اس موقع پر میں نے اس سے دریافت کیا کہ آجکل نظام علی خاں کا شغل کیا ہے۔ مفتخر خاں نے جواب دیا کہ یہ جشن نوروز کا زمانہ ہے۔ اور نظام علی خاں دربار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس جواب پر میں نے پوچھا۔ کہ کیا آپ کے آقا دربار نوروز کے موقع پر بیٹھے رہتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ کھڑے ہوتے ہیں یا نظام علی خاں کے بیٹھنے کے لئے کوئی اونچی جگہ مقرر ہے[3]۔ تفصیلاً کہا جائے۔

۱۔ کرک پیٹرک نے نوٹ میں لکھا ہے۔ کہ وہ لوگ جنہیں طرہ کلغی پدک یا دوسرے امتیازات حاصل تھے انہیں حکم تھا۔ کہ وہ دربار میں انہیں پہن کر آئیں۔ فوجی افسران کو شتر مرغ کے پروں کی کلغیاں بھی تھیں۔

۲۔ کرک پیٹرک نے اپنے نوٹ میں اس نام کو "افتخار خاں" بھی لکھا ہے

۳۔ کرک پیٹرک نے یہاں نوٹ میں سلطان کے یہ الفاظ دیئے ہیں :-

" تمام ایستادہ شدہ آقائے شما نہ روزانہ می نشینند یا چیزے بلند باشد کہ برآں نہ روزانہ می نشینند "

مفتخر خاں میرے کہنے کا مطلب نہیں سمجھا، اس نے صرف اپنا اگلا جواب دہرایا جس کے بعد میں نے دو تین دفعہ کرید کرید کر یہی سوال کیا۔ لیکن اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اور اس نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا۔"

دربارِ سلطانی ان جاہلانہ رسم و رواج سے بالکل پاک اور اسلامی سادگی کا پورا نمونہ تھا۔ سلطان کے درباروں اور دوسری مجلسوں کے متعلق "حملات حیدری" کا مصنف لکھتا ہے:۔

"محتاط ایسا کہ کسی امر میں بہ مصداق خیر الامور اوسطہا کے اعتدال سے باہر قدم نہ رکھتا۔ ایسی مزاح و ہزل کا جس سے کسرِ شانِ اسلام پائی جائے، کیا امکان کہ اس پیروِ شریعت کی مجلس میں مذکور نکلے۔"

مسلمانوں کی حالت اس جاہلانہ رسم و رواج کی بدولت اس قدر بگڑ گئی تھی۔ کہ مساجد تک میں لوگوں کی آمد پر ان کی تعظیم و تکریم اٹھ اٹھ کر ہونے لگی تھی۔ یہ دیکھ کر سلطان نے مسجدِ اعلیٰ کی شمالی دیوار میں ایک دروازہ بنایا جس سے وہ آکر دروازہ کے پاس ہی اپنی جگہ بیٹھ جاتا تھا۔ (یہ دروازہ اب بند کر دیا گیا ہے)

اور یہ تعجب سے دیکھا جائے گا۔ کہ اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کی مجلسوں اور محفلوں میں بڑے آدمیوں کے آنے پر لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر آنے والا کوئی پیر یا مشائخ ہو تو

اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور چومتے ہیں۔ بلکہ وہ خود اپنا ہاتھ اسی غرض سے دراز کر دیتا ہے۔

بجائے "السلام علیکم" کے "آداب عرض" کا رواج اب بھی میسور و سرنگاپٹم کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اور خصوصاً اہلِ نوائط اس کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

اور اخیر میں میں یہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ خدا جانے اس قسم کے حکمنامے جو قاضیوں۔ پیروں۔ مشائخوں اور عام مسلمانوں کے نام سلطان نے اپنے سترہ۱۷ سالہ عہدِ حکومت میں جاری کئے تھے کس قدر انگلستان میں موجود ہیں۔ اگر یہ مل جائیں۔ تو سلطان نے احیائے اسلام کے لئے جس قدر بھی کوششیں کی تھیں۔ منظرِ عام پر آجائیں گی۔

"کرک پیٹرک نے یہ جو "سلام" کے متعلق حکمنامہ دیا ہے۔ اس کو غیر اہم سمجھتے ہوئے متن میں نہیں۔ بلکہ نوٹ میں دیا ہے لیکن یہ جس قدر سلطان کے کیرکٹر پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کا اندازہ قارئین کر سکتے ہیں۔

کتاب "فتح المجاہدین"

اِس کتاب کا ذکر مکاتیبِ سلطانی میں کئی جگہ آیا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق یہاں تشریح کی جاتی ہے۔

(۱) اس کتاب کا مصنف خود سلطان ہے۔ یعنی سلطان نے اس کا مسودہ تیار کیا تھا۔ اور وہ تمام قوانین جو اس کتاب میں ہیں سلطان نے وضع کئے تھے۔ دیباچہ میں میر زین العابدین شوستری جو سلطان کا میر منشی تھا۔ اور جس کو غلطی سے اس کتاب کا مصنف سمجھا جاتا ہے۔ لکھتا ہے :۔

"اس ناتجربہ کار یعنی ضعیف المخلوقین زین العابدین کو آنحضرت (سلطان) نے مثلِ سابق حکم دیا کہ آتش خانہ۔ فوج کشی اور سپاہ کی تنظیم کے قواعد جو سلطان نے ایجاد و اختراع فرمائے تھے۔ سلک تحریر و رشتہ تنذیر میں لائے۔"

(۲) وجہ تصنیف۔ دیباچہ میں لکھا جاتا ہے کہ:۔

۱۱۷۰ھ میں نمک حرام امیروں کی وجہ سے سلطنت تیموریہ

پیدا اختلال و ضعف آگیا۔ جس کی وجہ سے نصاریٰ جو سواحل ہند پر تاک میں بیٹھے تھے، بعض سبک مغزان بے ہوش اور خزانِ[1] دین فروشی کے ذریعہ ملک گیری شروع کی اور تمام مملکت بنگالہ اور ملک کرناٹک و دکن کے بعض علاقوں اور بندرِ سورت کو اپنے قبضہ میں لے آئے اور یہاں کلبانگ اذان کو پادریوں کی صدائے ناقوس میں پنہاں کر دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمانوں کی آبرو اور مال ان کے دست بے داد کا شکار ہوا اور اسرائے اسلام بلاد چین و فرنگ میں خرید و فروخت کے لئے پہنچ گئے۔

. . . .

منجملہ اور اسباب کے جو اہلِ فرنگ کی کامیابی کا ذریعہ ہیں، ایک ذریعہ یہ بھی ہے۔ کہ ان کا فنِ جنگ توپ اور بندوق پر ہے اور چونکہ ہندوستانی اس فن میں ناتجربہ کار ہیں، اس لئے سلطان نے یہ کتاب لکھائی۔ تاکہ یہ علم شریف اور ہنرِ لطیف (فنِ جنگ) جو بلادِ ہند میں مفقود اور نایاب ہے۔ اس طریقے سے رواج پائے۔ اور اس کے وسیلے سے دین خیر الانام کا اعادہ کرنے کے لئے مظفر و منصور ہوں"

---

[1] ۔ بنگال میں میر جعفر کو نمک حرام "کلائیو" کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد لکھا گیا ہے کہ :-

" اس کتاب کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ مسلمانوں کو ضروریاتِ دین کے مسائل سے واقف کراتے ہوئے، ان کو جہاد سے جو ان پر فرض ہے۔ آگاہ کیا جائے۔"

سنہ تصنیف ۱۱۹۷ھ ۱۷۸۳ء (تخت نشینی کے پہلے سال)

اس کتاب کو سلطان نے دو قسطوں میں شائع کیا۔

(۱) پہلی قسط میں اس کتاب کا دیباچہ اور صرف پہلے دو باب لکھے گئے۔" اس کے نسخے ہزاروں کی تعداد میں لکھوا کر تمام سلطنت کے اندر ائمہ مساجد، مشایخوں، پیروں۔ اور سجادہ نشینوں میں تقسیم کئے گئے۔ کہ مسلمانوں کو تعلیم دیں۔ سلطنت سے باہر بھی یعنی بنگال، حیدرآباد۔ مرہٹواڑی اور کاٹھیاواڑ وغیرہ میں بھی اس کتاب کی تقسیم ہوئی۔ اس لئے یہ حصہ ہر جگہ پایا جاتا ہے

(۲) دوسری قسط وہ ہے۔ جو کتاب مکمل لکھنے کے بعد خاص سلطنت کی فوجوں میں تقسیم ہوئی۔ پوری کتاب آٹھ بابوں پر مشتمل ہے۔

باب اول میں عقاید و نماز۔ منع تمباکو۔ نمک حرامی۔ ترکہ۔ نہی عن المنکر امر بالمعروف اور جہاد کے مسائل ہیں۔

باب دوم میں فالنامۂ اذن علی۔ اسمائے نو مقررہ برائے تفہیم حساب لفظ وزن و تعداد مقرر کردہ۔ و حساب گز شرعی ہے۔

باب سوم سے آٹھویں باب تک جنگ محاصرہ قلعہ شکنی و قلعہ سازی کے اصول۔ فوجی احکام۔ پیادہ فوج۔ سوار فوج۔ نیزہ برداروں اور توپچیوں

کے متعلق ڈرل وغیرہ کے قواعد وضوابط ہیں ۔

کرک پیٹرک نے ان ابواب میں سے پانچویں باب کا ترجمہ اپنی کتاب میں دیا ہے ۔ جو احکام سلطانی کے تحت لکھا جا چکا ہے ۔

اب دیکھنا یہ ہے ۔ کہ سلطان نے اس کتاب کے پہلے دو باب کیوں عام طور پر تقسیم کیئے ۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے ۔ کہ :-

جو مسلمان سلطنت خداداد اور جنوبی ہند میں آباد تھے ۔ وہ سب کے سب دکن اور مرہٹواڑی سے یہاں آئے ہوئے تھے[1] ۔ ان ملکوں کی چار سو سالہ رہائش[2] اور مرہٹوں سے میل جول نے ان مسلمانوں پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا ۔ اور ان کے ہر کام میں مرہٹی و ہندی رسوم سرایت کر گئی تھیں ۔ اور اس طرح مسلمان اپنے مذہب سے بالکل دور ، حکومت کے بل پر زراعت و تجارت سے نفور ۔ اور عیش و عشرت میں پڑکر کاہل اور نکمے بن چکے تھے ۔ حقیقی نیکیوں کو چھوڑ کر رواجی نیکیاں اختیار کر لی تھیں ۔ اور انہیں کو باعث نجات سمجھا جاتا تھا ۔ مختصراً یہ کہ مسلمانوں کی جو

---

[1] ۔ یہ سو سال در جنوبی ہند میں مسلمان کچھ تو بیجاپوری فوجوں کے ساتھ اور کچھ عالمگیر کی فوجوں کے ساتھ سترھویں صدی کے اخیر میں آئے تھے ۔ ان سے پہلے جو چند مسلمان کہیں کہیں آباد تھے وہ ملک کافور اور سلطان محمد بن تغلق کے ساتھ آئے ہوئے تھے ۔

[2] دکن میں مسلمانوں کی آمد کا زمانہ تیرھویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے

حالت تھی۔ وہ یہ ہے :-

(۱) نماز روزہ اور دوسرے امور شرعی سے بالکل غافل تھے۔

(۲) مرہٹواڑی کی بود و باش نے مسلمانوں میں وہ تمام رسم و رواج لے آئے جو ہندؤوں میں شادی۔ بیاہ۔ موت اور غم میں رائج تھے۔ شادیوں کے جشن مہینوں تک رہتے تھے۔ ان میں آتش بازی۔ کسبیوں کا ناچ اور شب گشت ضروری تھا۔ مہر میں مچھر کی چربی بھی باندھی جاتی تھی۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ نہ چربی ملے اور نہ دولہا دلہن کو چھوڑ سکے۔ ہلدی۔ مہندی۔ تیل اور کنگن کی رسمیں ہوتی تھیں۔ کالی پوت اور کانچ کی چوڑیوں کے بغیر سہاگ نہ چڑھتا تھا۔ اہل نوائط میں ان رسموں کے علاوہ بیوی کی صحنک اور رت جگا مخصوص طور پر رائج تھے۔ موت میں تیجا۔ دسواں۔ بیسواں اور چہلم ضروری تھا۔ غرض روز پیدائش سے لے کر مرنے کے بہت بعد تک بھی مسلمان ان رسموں اور رواجوں میں جکڑا ہوا تھا اور آج بھی جکڑا ہوا ہے۔ گو بڑے بڑے شہروں میں بہت سے رسم و رواج کم ہو رہے ہیں)

(۳) مرہٹواڑی میں دسہرہ نہایت دھوم دھام اور کھیل تماشوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ انگاروں پر چلنے کی رسم بھی قدیم سے جنوبی ہند میں رائج تھی۔ مسلمانوں نے محرم کے دس دن ایسے ہی کھیل تماشوں کے لئے مخصوص کر لئے۔ تعزیوں اور علموں کے ساتھ ٹیبر۔ ریچھ وغیرہ وغیرہ جانوروں کے سوانگ بھرے جاتے تھے۔ گروہ بنا کر نقلیں کی جاتی تھیں۔ سونٹے بجا کر بے سرو پا نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔

(نوٹ:۔ سلطان نے جیسا کہ مکاتیب کے تحت لکھا جا چکا ہے محرم کی تمام بدعات کو جبراً بند کرا دیا تھا اس کے بعد حکومت مسلط مذہبی آزادی کے نام پر جو برکات ہندوستانیوں کو دیں۔ ان میں محرم بھی شامل ہو گیا۔ اور یہی محرم آج بھی کم و بیش جاری ہے۔ بلکہ اب تو درگاہوں میں جو مہبط انوار الٰہی ہیں۔ ان سونے والوں کو بلا کر پڑھوایا جاتا ہے۔ اور اس قدر شور و غل ہوتا ہے کہ پناہ بخدا)

(۳) برہمنوں کی دیکھا دیکھی سیدوں نے اپنے متعلق دعویٰ کیا کہ وہ بہ حیثیت آلِ نبیؐ کے دوسرے مسلمانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں شیخوں نے اس دوڑ میں خلفائے راشدین اور دوسرے صحابیوں سے اپنے نسب نامے جوڑے۔ اور اس سلسلہ میں ہندوؤں کی طرح مسلمانوں میں بھی اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتیں بنا دیں۔

(۴) شادیوں کے سلسلے میں حسب و نسب کی تحقیق و تلاش میں مہینے بلکہ برسوں لگ جاتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کی اس قدر توہین کی جاتی تھی۔ کہ خاندانوں میں مستقل دشمنی اور عداوت پیدا ہو جاتی تھی اور ایک دوسرے کے تباہ کرنے پر فریقین آمادہ رہتے تھے۔

(۵) ہندوؤں میں برہمن پرستی تھی۔ جھوٹے پیروں نے مسلمانوں کو پیر پرستی سکھائی۔ اور مریدوں کو تعلیم دی۔ کہ بغیر پیر کے توسط کے خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

(۶) بت پرستی تو اسلام میں منع تھی۔ لیکن اسی بت پرستی کو پیروں اور

سجادہ نشینوں نے قبر پرستی۔ علم پرستی۔ نعلین پرستی۔ اور تعزیہ پرستی کی صورت میں جاری کیا۔ پتھروں اور خصوصاً سنگِ مرمر پر قدموں کے نقش بنا کر ان کی تعظیم بلکہ پرستش تک ہونے لگی۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کے نقش ہیں۔

(جنوبی ہند کے اکثر مندروں میں بھی اسی قسم کے نقش پوجے جاتے ہیں اور ہندو انہیں سیوا کے قدموں کا نقش کہتے ہیں)

(۷) ہندوستان میں سالانہ جاتروں کا رواج تھا۔ جس سے برہمنوں کو آمدنی تھی۔ پیروں اور سجادہ نشینوں نے درگاہوں میں مزارات پر سالانہ عرسوں کا صرف اس لئے انتظام کیا۔ کہ ان کو بھی آمدنی ہو۔

(نوٹ:۔ یہ رواج آجکل اس قدر بڑھ گیا ہے۔ کہ کوئی ہفتہ یا مہینہ خالی نہیں جاتا۔ کہ عرسوں کے اشتہارات شائع نہ ہوتے ہوں)

(۸) جس طرح ہندو عورتیں جاتروں میں شریک ہوتی ہیں۔ اسی طرح مسلمان عورتیں بھی عرسوں میں شریک ہونے لگیں (اور اب اس زمانہ میں عورتیں جلسوں میں بھی بے پردہ شریک ہونے لگی ہیں۔ اور انتہا کہ مرد خود عورتوں کو جلسوں کی صدارت کی دعوت دینے لگے ہیں)

(۹) پیروں اور سجادہ نشینوں نے گیروے کپڑے یا سبز و سیاہ لباس پہن کر اس کا نام تصوف رکھا۔ اور عام مسلمانوں کو ترک دنیا کی تعلیم دی۔ لیکن اپنے گھر بھرنے لگے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی ۔۔۔ گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
نذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا ۔۔۔ ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے برہمن

(۱۰) مسئلہ وحدت الوجود کو جو ہندو مذہب اور فلسفہ کا اہم جزو ہے،- اس کو اختیار کر لیا - اور
مسلمانوں کی زندگی کو ناکارہ بنا یا گیا۔[1]

مسلمانوں میں مذکورہ بالا برائیاں موجود ہونے کا ثبوت ان کتابوں سے بھی ملتا ہے - جو اسی زمانہ میں چند حق پرست علما نے لکھی تھیں - جیسے مولوی باقر آگاہ وغیرہ کی کتابیں ہیں -

مسلمانوں سے برائیاں دور کرتے ہوئے ، اسلام کے بنیادی مسائل جیسے کلمہ ، نماز ، روزہ وغیرہ سکھلانے کے بعد ضروری تھا - کہ ان کو اس بڑے مقصد کے لئے تیار کیا جائے - جس کا نام جہاد ہے - اسی مقصد سے سلطان نے اس کتاب میں قرآن مجید سے ۳۰ آیات اور متعدد احادیث دیتے ہوئے ان کی تفسیر بیان کی ہے - چونکہ یہ تمام مسائل مذہبی کتب میں بھی ملتے ہیں - اس لئے میں یہاں ان کا دہرانا مناسب نہیں سمجھتا -

غرض :-

جہاں تک اُس زمانہ کے مسلمانوں اور سلطان کا تعلق تھا - وہ اِن کے اِن حالات کو بہ نظرِ غائر دیکھتا رہا ، اور تخت نشین ہوتے ہی جبکہ تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں آ گئے ، تو اس نے ایک مجدّدِ وقت اور ماہر طبیب کی طرح

---

[1] مسئلہ وحدت الوجود کا موجد یا مصنف محی الدین ابن عربی اندلسی ہے - اس نے سپین میں راہبوں کی زندگی دیکھ کر اس سے یہ اثر لیا تھا -

اصلاحِ اعمالِ ملت شروع کی - اور صحیح ترین نسخہ تجویز کیا۔ لیکن یہ دوا مریض کو پلانے کے لئے جن ہاتھوں میں دی گئی - وہ وہی مشائخ - پیر اور سجادہ نشین ہیں - جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے -

اب بجا طور پہ یہاں سوال ہوگا - کہ خود سلطان کا مسلک کیا تھا؟ اس کے جواب میں صرف اس قدر لکھنا کافی ہے - کہ کتاب "فتح المجاہدین" کے پہلے دو باب میں جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے - ان میں کہیں کہیں حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے حوالے دئے گئے ہیں - اس نام کی موجودگی ہی بتائیگی - کہ سلطان کے عقاید اور مسلک کیا تھا -

---

ضمیمہ

(۱) ترکی اور فرانس کو سفارتیں اور ان کے مقاصد
(۲) فتح نگر (بدنور) منگلور (تحریر سلطانی)
(۳) تاریخ شاہنور
(۴) تاریخ کرنول
کرک پیٹرک کی کتاب سے

(۵) تاریخ کڑپہ — متفرق کتابوں سے

ضمیمہ نمبر ۱

ترکی اور فرانس کو سفارتیں اور ان کے مقاصد

سلطان نے ترکی اور فرانس کو جو سفارتیں بھیجی تھیں اور انہیں جو ہدایات دی تھیں وہ ہدایات ایک ہدایت نامہ کی صورت میں مجھے مل گئیں۔ اس ہدایت نامے کے اکثر و بیشتر خطوط جو سفر کی تیاری یا سفر کے متعلق، لنگر شے غلام علی یا شاہ نور اللہ وغیرہ کے نام ہیں

کرک پیٹرک کے مجموعہ میں آچکے ہیں۔ صرف چار خطوط ایسے ہیں۔ جو اس نے نہیں دیئے ہیں بجائے اصل فارسی عبارت یا ترجمے کے یہاں ان کا ماحصل دے رہا ہوں۔ اس لئے کہ اس موضوع پر تاریخ سلطنت خداداد میں نہایت شرح و بسط سے لکھا جا چکا ہے بلکہ وہ خطوط بھی اس کتاب میں دیئے گئے ہیں جو ٹیپو سلطان نے سلطان ترکی، شاہ ایران اور امیر افغانستان وغیرہ کو لکھے تھے۔

یہ ہدایت نامہ یا رجسٹر جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ ایک چھوٹی سی مجلد چرمی کتاب ہے۔ جو سرنگاپٹم کے بنے ہوئے کاغذ پر لکھی ہوئی ہے۔ سفارت کو جو خطوط بطور ہدایات لکھے گئے، اس میں ان کی نقل یا نقل کی دوسری کاپی ہے۔ میں اس ہدایت نامہ کیلئے شہر میسور کے مشہور قومی کارکن اور تاجر ذی وقار جناب محمد سیٹھ صاحب میسوری۔ ایم۔ ایل سی کا مشکور ہوں جنہوں نے مجھے اس کی نقل لے لینے کی فراخدلی سے اجازت دی۔

سبب ؎

ماحصل :۔

سلطان کے مقاصد اس سفارت سے حسب ذیل تھے :۔

(۱) پہلا مقصد ترکی سے باہمی فائدہ کے لئے ایک تجارتی اور فوجی معاہدہ کرنا تھا۔

(۲) دوسرا مقصد فرانس سے ایک معاہدہ کرنے کا تھا۔ کہ بوقت ضرورت

؎ میں نے یہ رائے اس لئے قائم کی ہے۔ کہ اس کی عبارت میں کہیں کہیں کچھ غلطیاں معلوم ہوتی ہیں لیکن ان سے نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فرانس، سلطنتِ خداداد کی فوجی مدد کرے۔ اس کے عوض سلطان، فرانسیسیوں کو تجارتی مراعات دینا چاہتا تھا۔

(۳) تیسرا مقصد۔ انگلستان جاکر شاہِ انگلستان کو، ایسٹ انڈیا کمپنی کے ظلم وستم سے جو وہ ہندوستان میں کر رہی تھی۔ آگاہ کرنا تھا۔

(۴) چوتھا مقصد۔ ترکی سے معاہدہ کرکے بندرگاہ بصرہ اجارہ داری پر حاصل کرنا تھا۔ کہ یہاں ایک بحری سٹیشن بنائے۔ اور اس کے عوض ترکی کو وہ اپنا ایک بندرگاہ دینا چاہتا تھا۔

(۵) پانچواں مقصد۔ ملک کی صنعت وحرفت کو اور زیادہ ترقی دینے کے لئے سلطان کو کاریگروں کی ضرورت تھی۔ اس کا ذکر اس نے سفارت کے ہر خط میں کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ ترکی اور فرانس سے ماہرین کو بھیجا جائے۔ یا ساتھ لے آئے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اگر ترکی میں صنعت وحرفت نہیں ہے تو ترکی میں صنعت وحرفت کو ترقی دینے کے لئے سلطنت خداداد سے ماہرین بھیجے جائیں گے۔

(۶) چھٹا مقصد۔ سامانِ جنگ بنانا ہو یا سامانِ تجارت ان دونوں کے لئے (جس طرح آج پٹرول کی ضرورت ہے) اس زمانہ میں معدنی کوئلہ کی ضرورت تھی۔ اور اس ضرورت کو سلطان نے محسوس کرتے ہوئے سفارت کے ہر خط میں اس پر زور دیا ہے۔ کہ زمین میں کوئلہ گندھک اور سونا دریافت کرنے والے ماہرین کو ترکی اور یورپ سے اپنے ہمراہ لایا جائے۔

(نوٹ:۔ سلطان نے صرف ترکی اور فرانس کو ہی سفارت نہیں بھیجی۔ بلکہ ایران۔ افغانستان اور یمن اور دوسری عربی ریاستوں کو بھی سفارتیں بھیجی تھیں۔ ان میں سے ایران سے وہ بندر بوشہر اور یمن سے بندر عدن اجارہ داری پر مانگے تھے اور ایران کو بوشہر کے عوض اپنی سلطنت کا ایک بندر دینا منظور کیا تھا۔ ان بندرگاہوں کے طلب کرنے سے سلطان کا مقصد ساحلِ ہندوستان کی حفاظت تھی۔ اور ان اسلامی ممالک سے معاہدے کرکے تمام عالمِ اسلام کو متحد کرنا تھا کرک پیٹرک نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ خلیج فارس کی عربی ریاستوں میں انگریزوں کے خلاف جو خیالات نشوونما پائے ہیں۔ وہ سلطان کی سازشوں کا نتیجہ ہیں) محمود

ضمیمہ نمبر ۲

فتح نگر (بدنور) و منگلور

(سلطانی یادداشتوں سے)

میسور کی دوسری جنگ جس کا خاتمہ ۱۷۸۴ء میں ہوا - اور انگریز شکستیں اٹھا کر طالب صلح ہوئے تھے - اس کا کچھ ذکر مکاتیب میں آ چکا ہے - لیکن کسی تاریخ میں ان معرکوں کی تفصیل نہیں ملتی یہاں کرک پیٹرک کی کتاب سے ان آخری دو لڑائیوں کی تفصیل دی جاتی ہے - نگر اور منگلور کو حیدر علی کے پالک شیخ ایاز نے غداری کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا -

کرک پیٹرک لکھتا ہے :-

" سلطان کی یادداشتوں میں اس سفر کے متعلق اس کی ایک خاص تحریر ملی ہے - افسوس ہے کہ یہ مکمل نہیں ہے - کیونکہ اس مسودہ کا وہ اگلا حصہ نہیں ملا جس میں سرنگا پٹم سے بدنور کی طرف سلطانی سفر کا حال اور جنرل میتھیوز (Mathews)

ے جو پہلے مرتب ہوئے تھے۔ ان کا بیان تھا لیکن جو حصہ ملا ہے اس میں چند ابتدائی لڑائیوں کے ذکر کے بعد سلطانی تحریر اس طرح شروع ہوتی ہے :۔

"توپوں اور بندوقوں کے فیر ہونے پر چند آدمی جو تماشائی تھے مارے گئے۔ اس کے بعد فوج اسداللٰہی اور فرانسیسیوں نے راستہ کے دونوں جانب بڑھ کر ایک اور فیر کیا۔ اس فیر کی آواز سن کر میں جو ۳۰۰ گز کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ڈویژن لے کر آگے بڑھا۔ اس وقت ساٹھ کے قریب انگریز واصل جہنم ہوئے تھے۔ اور باقی انگریزوں کا تعاقب ہو رہا تھا۔ انہوں نے بھاگتے ہوئے دو توپیں چھوڑ دی تھیں۔ جو انہوں نے پہلے پکڑ لی تھیں جب اس طرح ان تمام نصرانیوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ تو ان کا ناکارہ سردار دل شکستہ ہو کر اپنی تمام فوج کو جمع کر کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا۔

اس سردار کی چار تحریریں چار مقتول انگریزی افسروں کے جیبوں سے ملیں۔ اس دن ہم نے تین سو نصرانیوں کو قید کیا۔ اور ۲۰ توپیں پکڑیں۔ اس کے دوسرے دن میں نے دو ہزار لائٹ انفنٹری۔ پیدل فوج کے سپاہی لے کر قلعہ سے باہر ان کے بارود اور اناج کے مخزنوں پر قبضہ کر لیا۔ ان مخزنوں پر قبضہ کے چند گھنٹے بعد دشمن نے چار ہزار کی فوج ہم پر حملہ کرنے کے لئے بھیجی۔ یہ فوج ایک خفیہ راستہ سے آئی تھی۔ اس میں اور فوج اسداللٰہی میں لڑائی شروع ہو گئی جس میں دونوں طرف کے سپاہیوں نے دست بدست بندوقوں اور تلواروں سے حملے کئے۔ اس موقع پر بھی دو سو نالائق جہنم

رسید ہوئے۔ فوج اسداللہی کے چند سپاہیوں نے بھی شربت شہادت پیا ہمارے ایک رسالدار کو جو زخمی ہوگیا تھا۔ ان نصرانیوں نے گرفتار کر لیا۔ اور اپنے ساتھ لے گئے۔

تیسرے دن میں نے ان مخزنوں سے بارود اور اناج نکال کر ایک محفوظ جگہ پہنچا دیا۔ اس دن نصرانیوں نے توپوں کے ذریعہ راجہ کے محل کو آگ لگا دی جو قلعہ کے باہر شہر میں تھا۔ اور انہوں نے اس قدر گولہ باری کی۔ کہ بیرون شہر کی دیوار میں بالشت بھر جگہ بھی ایسی باقی نہ رہی۔ جہاں گولے کا نشان نہ ہو۔

چوتھے دن میں نے اپنے مورچوں کو دارالامارت اور مسجد کے اندر قریب بڑھایا اور ان مورچوں پر بڑی توپیں نصب کرائیں نصرانیوں نے شہر کے اندر کے مخزنوں سے تقریباً پچاس ہزار گولے اور بہت سی بارود قلعہ میں منتقل کی۔ باقی سامان جس میں دو لاکھ گولیاں۔ ایک لاکھ رطل سیسہ اور پانچ لاکھ رطل بارود تھی۔ ہمارے ہاتھ آیا۔

اس کے بعد پھر ایک اونچی جگہ دیکھ کر میں نے مورچے قائم کئے۔ اور ان پر توپیں چڑھائیں۔ ہماری یہ کارروائی دیکھ کر ان بے دین نصرانیوں نے بہت سخت گولہ باری کی۔ جب یہ نصرانی تھک گئے۔ تو سرکار اسداللہی کی توپوں نے اپنی گولہ باری شروع کی۔ اس میں ہمارے چار سے پانچ ہزار تک گولے صرف ہوئے۔ اس طرح ہم نے چار پانچ دن تک گولہ باری جاری رکھی۔ نصرانیوں نے دوسرے دن ایک گولہ بھی نہیں مارا۔ ہماری پہلے دن کی گولہ باری اس قدر سخت تھی۔ کہ قلعہ کے اندر توپوں تک ایک متنفس بھی نہیں آسکتا تھا۔

یہ دیکھ کر ان کا نالائق کمانڈر جنرل میتھیوز ایک تہ خانہ بنا کر اس میں پناہ گزین ہو گیا۔ قلعہ میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی باقی نہ تھی۔ جہاں اسد الٰہی فوج کے گولے نہ پڑے ہوں۔ اور ان نصرانیوں کا خون نہ بہا ہو۔

پانچویں دن ان نصرانیوں نے طوفان اور بارش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی خفیہ جگہ سے نکل کر ہمارے استحکامات پر حملہ کیا۔ لیکن احمدی فوج جو اس موقع پر تھی۔ نہایت ہوشیار ثابت ہوئی۔ ان دشمنوں کو تلواروں اور سنگینوں سے پیچھے ہٹا دیا۔ بلکہ بہت سے نصرانیوں کی ٹانگیں پکڑ کر خندقوں میں پھینک دیا۔ باقی نصرانیوں نے اپنے زخمیوں کو چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کی۔

اس کے بعد میں نے اپنے مورچوں کو قلعہ کے دروازے کی جانب اور آگے بڑھایا۔ اور ہر طرف توپوں اور بندوقوں سے اس قدر شدید آتش باری کی گئی۔ کہ ایک نصرانی کو بھی فصیل پر یا اپنی توپوں کے پاس آنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اس کے دوسرے دن نصرانیوں نے میرے پاس صلحنامہ بھیجا جس میں مندرجہ ذیل سات شرطیں تھیں:۔

(۱) جب ہم قلعہ خالی کر کے باہر نکلیں۔ تو شہر کے باشندے اور سرکار اسد الٰہی کی فوج کے لوگ نہ ہمارے منہ پر تھوکیں۔ اور نہ گالی دیں۔ اور نہ زخمی کریں۔

(۲) ہم اپنا نجی سامان اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ توپیں۔ بندوقیں اور فوجی سامان پر سرکار اسد الٰہی قبضہ کر لے۔

(۳) ہمارے قبضہ میں سرکارِ خداداد کا جو کچھ روپیہ، مال اور مویشی ہوں گے انہیں ہم سرکار کے حوالے کر دیں گے۔ اگر ان میں ایک دام یا درم کا مال بھی

ہمارے پاس نکلے۔ تو ہم مجرم ٹھہریں گے۔ جو سزا مناسب سمجھی جائے۔ دی جائے۔

(۴) ہم کو سمندر تک بحفاظت پہنچایا جائے۔

(۵) سرکار خداداد کے چند جہاز ہم کو جانے کے لئے عاریتاً دئے جائیں اور سفر کے لئے ہم کو اناج اور دوسرا سامان بھی دیا جائے۔ ان کی معینہ قیمت ہم اپنی جگہ پہنچکر ادا کریں گے۔

(۶) ہمارے جو لوگ بذریعہ جہاز جانا چاہیں۔ انہیں جہاز مہیا کئے جائیں۔ اور جو لوگ براہ خشکی سفر کرنا چاہیں۔ انہیں بمبئی تک ایک حفاظتی دستہ دیا جائے۔

(۷) سرکار خداداد کے دو بڑے افسر ہمارے جہاز پر سوار ہونے تک بطور یرغمال ہمارے ساتھ رہیں۔ اور اسی طرح ان کے عوض ہمارے دو بڑے افسر آپ کے پاس رہیں گے۔ جب آپ کے دو سردار واپس آجائیں۔ تو ہمارے دو سرداروں کو واپس بھیج دیا جائے۔

میں نے ان شرائط کو قبول کرتے ہوئے دو عہد نامے (ایک فارسی میں اور ایک انگریزی میں) تیار کئے۔ ان پر میرے دستخط اور مہر ہوئی اسی طرح نصرانیوں کے سردار نے بھی دستخط اور مہر کی۔ ایک کو میں نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور دوسرا نصرانیوں کو دیا۔

دوسری صبح تمام نصرانی تیار اور جمع ہوکر، سرکار کے توشہ خانہ سے مصالحہ لے کر چھروں، گھوڑوں، اور بیلوں پر جن پر سرکار حیدری کا نشان

پڑا ہوا تھا۔ لاد کر اور کچھ اپنے ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکلے۔ سب سے پہلے ان نصرانیوں کا ناسردار[1] قلعہ کے دروازے سے باہر نکلا۔ اور اپنی تلوار اپنے ہاتھ سے ہمارے حوالہ کر دی۔ جس کے بعد دو ہزار دو سو نصرانی اور آخر میں دس ہزار دیسی (ہندوستانی) سپاہیوں نے جو ان کے ساتھ تھے، باہر نکل کر اپنے اپنے ہتھیار زمین پر رکھ دئیے۔ اور اُس کیمپ کی طرف گئے۔ جو پہلے سے ان کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے دوسرے دن میں نے ان نصرانیوں کے ناسردار (جنرل میتھیوز) اور دوسرے ناسرداروں کو حضوری میں طلب کر کے ان سے کہا۔ کہ "جو عہد نامہ اب ہوا ہے، وہ بالکل صحیح ہے یا نہیں؟" انہوں نے جواب دیا۔ کہ "بالکل صحیح ہے۔"

نصرانیوں کے اپنے کیمپ میں چلے جانے کے بعد میں نے اپنے بیس سرداروں کو ان کے پاس بھیجا۔ اس وقت میں نے ان سرداروں کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ :۔

اس کا کیا سبب ہے۔ کہ عہد نامہ کے خلاف تم نے، تمام سرکاری روپیہ اور اسباب اور ان قیدیوں کو جو تم نے سرکاری علاقہ میں گرفتار کیا تھا، اپنے سپاہیوں کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ لے لیا۔ اور یہ بھی بتائیں۔ کہ تم ان جانوروں کو جن پر سرکاری نشان پڑا ہوا ہے۔ مصالحہ بار کر کے کیوں لے گئے

---

[1] کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ سلطان نے ہر جگہ سردار کو ناسردار لکھا ہے۔ دشمنوں کے سرداروں کو اسی طرح وہ ہر جگہ اور ہر تحریر میں لکھتا ہے۔

اور قلعہ خالی کرنے کے وقت سرکاری توشہ خانہ کے اسباب کو کیوں اپنے آدمیوں میں تقسیم کیا؟"

اس کے جواب میں انہوں نے کہا۔ کہ انہیں ان باتوں کا بالکل علم نہیں ہے۔ اگر یقین نہ آئے۔ تو ان کی سرکاری تلاشی لی جائے۔

یہ سن کر ہم نے کہلا بھیجا۔ کہ "یہ تمہارے واسطے اچھا ہے۔ کہ میرا قطعی حکم جاری ہونے سے پیشتر جن جن آدمیوں کے پاس ہمارا سرکاری روپیہ ہے، خود ہی حوالے کر دیں۔ اور ان قیدیوں کو بھی رہا کر دیا جائے۔" انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا۔ کہ ان کے کسی آدمی کے پاس بھی ایک دام تک نہیں ہے۔ اور نہ ان کے پاس کوئی قیدی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ تجویز بھی خود ہی پیش کی۔ کہ ایک پہرہ بٹھا کر ان کی تلاشی لی جائے۔ آخر بہت کافی گفتگو اور حجتوں کے بعد ہمارے سرداروں نے ان سے اسی بات کا تحریری عہد نامہ لے لیا۔

اس کے دوسرے دن ان کے کیمپ کے گرد حفاظتی دستہ متعین کر کے انہیں دوسرے کیمپ کو منتقل کیا گیا۔ جب یہ لوگ باہر نکلے۔ تو ہمارے سرداروں نے ان کی ایک ایک کی تلاشی لی۔ معلوم ہوا۔ کہ ان لعنتیوں نے طلائی ہن پگوڈے اور جواہرات اپنے لباس کی تہوں میں۔ بکروں کے سروں میں سوراخ ڈالکر ان میں چھپائی تھی۔ (در کلہ گوسفندان سوراخ نمودہ دراں ہون پر کردہ بودند سلطانی تحریر) روٹیوں کے اندر۔ حقوں کی نے اور پینیدوں میں بھی چھپائے ہوتے ہیں۔ اور بعضوں نے تو ایسی جگہ چھپایا تھا۔ جو نا قابل بیان ہے۔ (و مخصوص در مواضع مخصوصہ خود ہم ہون ہا پوشیدہ کردہ بودند سلطانی تحریر)

اس کا سراغ ہمارے بھنگیوں اور دوسرے سامریوں نے لگایا۔ بہت سے کم عمر لوگ جن میں مرد بھی تھے۔ اور عورتیں بھی۔ اور جو سرکاری ملک کے باشندے تھے، نصرانیوں کے دئے ہوئے لباس میں پائے گئے۔ ان قیدیوں نے اپنی ہی مرضی سے چیخ چیخ کر اپنے آپ کو ثابت کیا۔ اس ذریعہ سے پانچ سو آدمی ملے۔

"تلاش ختم ہونے پر میں نے ان کے نامرداروں کو علیحدہ نصرانی سپاہیوں کو علیحدہ اور دوسرے کافروں کو علیحدہ کرکے کہا۔ چونکہ تم نے اپنے ہی لکھے ہوئے عہدنامہ کے خلاف کیا ہے۔ لہذا تم تمام کو قید کیا جاتا ہے" اور ان قیدیوں کو میں نے ملک میں پھیلا دیا۔ اس تلاش میں دس یا بارہ مسلمان عورتیں جو سید اور شیخ تھیں، جنہیں ان نصرانیوں نے بمبئی یا بنگالہ میں اپنی کنیزیں بنا لیا تھا، رہا کرکے اپنے اپنے وطن چلے جانے کا حکم دیا۔

فتح منگلور

اس تمام کارروائی کے بعد گھاٹ پار کرکے پانچ چھ دن کی مسافت کے بعد میں کوڑیال بندر (منگلور) پہنچا۔ جہاں سرکار حیدری نے ایک نہایت عمدہ قلعہ بنایا تھا۔ اور جس پر پندرہ بیس سال کے عرصہ میں بیس لاکھ روپئے خرچ ہوئے تھے۔ اس قلعہ کو ایک نمک حرام دغا باز نے جو یہاں کا حاکم تھا غداری کرکے نصرانیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ میں نے شہر کے قریب اپنا کیمپ

ڈالا۔

قلعہ کی کمان ایک نامی سردار نصرانی کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے اپنا توپخانہ ایک اونچی جگہ نصب کیا تھا۔ اور اُس کے ماتحت تین سو نصرانی اور ایک ہزار دوسری فوج تھی۔ میں نے اپنا کیمپ متعین کرنے کے بعد شہر پر قبضہ کرنے کے لئے ایک قشون کو بھیجا۔ یہ قشون جب باہر کی دیوار کے قریب سے گزر رہی تھی۔ تو جو نصرانی فوج یہاں متعین تھی۔ اس نے اس قشون پر حملہ کر دیا۔ جس پر دونوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ جو شام تک ہوتی رہی دن کا وقت میں نے تمام ضروری سامان جمع کر کے رات کو نصرانیوں کے مورچہ کے مقابل مورچہ بنا کر پندرہ توپیں چڑھائیں۔ اور دو قشونوں کی یلغار کرنے والی پارٹی تیار کر کے رات ہی میں ایک نشیبی جگہ پر متعین کر دیا۔ اس کو حکم دیا گیا کہ نمازِ صبح تک یہاں چھپے رہیں۔ اس کے بعد جب ہماری توپوں سے پہلی فائر ہو۔ تو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے نصرانیوں پر ٹوٹ پڑے اور خوب خونریزی کر کے ان کافروں کو ان کی نمایاں جگہ سے بھگا دے۔ اس پارٹی نے ایسا ہی کیا۔ بہتوں کو قید کیا۔ اور مفرورین کا تعاقب کرتے ہوئے قلعہ کے دروازے تک پہنچ گئی۔ یہاں میں نے خدا کی مدد سے اس پارٹی کے استحکام کا سامان کیا۔ یعنی ان کے لئے خندقیں تیار کیں۔ اس واقعہ کے دو دن بعد تک میں نے اس جگہ کا محاصرہ کرتے ہوئے دو مورچے اور تیار کئے۔ پہلے دن دونو جانب سے شدید گولہ باری ہوئی۔ دوسرے دن حیدری فوج کے توپچیوں نے اتنی معقول اور صحیح نشانہ بازی کی۔ کہ قلعہ کی دس توپیں اپنی جگہ سے نکل گئیں۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں۔ اور بہت سے نصرانی واصلِ جہنم ہوئے۔

آخر میں نصرانیوں نے اپنی تمام توپیں چھوڑ دیں۔ اور اس قابل نہ رہے کہ قلعہ کی دیوار تک آکر اپنی صورت دکھا سکتے۔ اس دوران میں میں نے اور دو تین مورچے بنا کر ان پر کچھ بلند انداز توپیں چڑھائیں۔ اور ان سے بڑے بڑے پتھر پھینکنے شروع کئے۔ اس پیمان بے دین نصرانیوں نے قلعہ کے اندر پناہ لے لی۔ اور خندقیں کھود کر ان میں چھپ گئے۔

انہی دنوں میں اس ملک کی بارشیں جو چھ ماہ تک مسلسل ہوتی رہتی ہیں۔ شروع ہو گئیں۔ دو ماہ کے عرصہ میں باوجود بارشوں کی سختی کے میں نے اپنے مورچوں کو قلعہ کی خندق تک آگے بڑھایا۔ اس دوران میں محصورین نے دو بار باہر نکل کر آدھی رات کے وقت چھاپے مارے۔ ان میں سے ایک وقت ایسا ہوا کہ میں خندقوں کے قریب ایک مکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ بندوقوں کے فائر کا معمول سے زیادہ شور ہوا۔ میں یہ سن کر بارش اور اندھیرے کے باوجود جلدی سے اپنے سپاہیوں کی مدد کے لئے خندقوں تک پہنچا۔ اور فوج اسدالٰہی کے سرداروں سے کہا۔ کہ "انشاء اللہ، خدا کی مدد سے کل عین دوپہر کے وقت جب آفتاب سر دن پر ہوتا ہے۔ ان بے دین نصرانیوں کے مورچوں اور خندقوں پر پہنچ کر اپنے پیادہ سپاہیوں کے ہاتھ سے ان کے سروں کو کاٹ کر رکھ دوں گا۔ جو چوروں کی طرح رات کے وقت باہر نکلتے ہیں۔

اس کے مطابق خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے میں نے احتشام کے تیس سپاہیوں کی ایک پارٹی تیار کی۔ اور اس کے علاوہ تیس نہایت دلیر اور جواں مرد جوانوں کا انتخاب کر کے ایک اور پارٹی بنائی۔

اور دونوں کو ملا کر پچیس پچیس کی دو ٹکڑیاں بنائیں۔ ایک ٹکڑی کو ٹھیک دوپہر کے وقت قلعہ کے دروازہ کے مورچہ پر اور دوسری کو خندق پر بھیجا۔ جہاں یہ ان بے دینوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور تقریباً چالیس ناپاک طینتوں کے سر کاٹ لئے۔ بقیۃ السیف میں تھوڑے خندقوں میں گرے۔ اور باقی مرغی کے چوزوں کی طرح بھاگ کر نزدیک کے سوراخوں میں پناہ کے لیئے گھس گئے۔ اس کے بعد سرکار الٰہی کے یہ جانباز اپنے قیدیوں کو لے کر واپس آئے۔ یہاں تک کہ آخرکار یہ نصرانی ہماری فائر سے اس قدر تنگ آ گئے۔ کہ جب کبھی کوئی سرکار حیدری کا آدمی نظر آتا۔ تو اپنی بندوق اپنے کندھے تک اٹھا کر اور ٹوپی اتار کر بندر کے مانند جھک کر سلام کرتے تھے۔

ایک دن یہ نصرانی صبح ہی صبح حملہ کر کے ہمارے مورچوں تک پہنچ گئے۔ میں اس وقت اپنی قیامگاہ میں اپنی معمولی ورزش ختم کرنے کے بعد بیٹھا ہی تھا۔ کہ آدمیوں اور بندوقوں کی آواز سن کر باہر نکلا۔ اور اسد الٰہی کی ایک کمپنی لے کر مورچہ کے کنارے تک دوڑ کر پہنچا۔ اور یہاں نصرانیوں کو کھڑا ہوا پایا۔ اسد الٰہی کے سپاہیوں نے فوراً ہی تلواروں اور سنگینوں سے حملہ کر کے ان میں سے بہتوں کو جہنم رسید کیا۔ اور تھوڑوں کو قید کیا بقیۃ السیف بھاگ گئے۔

مختصراً یہ کہ تین ماہ کے عرصہ میں دونوں طرف سے اتنی خونریزی ہوئی کہ خندقوں میں آدمیوں کے خون اور مٹی میں ملے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ سردی۔ بارش اور کیچڑ کی وجہ سے سپاہیوں

کے پیر کی انگلیاں سڑ گئی تھیں۔ اور وہ بہت جبر کے ساتھ کھڑے ہو سکتے تھے۔

ان اندھیری راتوں میں اکثر سخت بارش اور ہوا ہیں جس کی مثال میری مملکت کے اور کسی حصّہ میں نہیں ملتی ۔ میں گشت لگا کر دیکھتا تھا کہ ضروری کام باقاعدہ ہو رہے ہیں یا نہیں۔ اور احمدی فوج مستعد ہے یا نہیں ایسے موقعوں پر یہ اتفاقات ہوتے ہیں کہ میرے دو تین سردار اور دوسرے لوگ رات کے اندھیرے میں اچانک باولیوں میں جو اس وقت بھری ہوئی تھیں ، اور نیچے اس پر جہاں کھٹنوں کھٹنوں پانی بہتا تھا۔ گر گئے اور انہوں نے جام شہادت پیا۔ اور کسی کو ان حادثوں کا پتہ بھی نہ چلا۔

" کرک پیٹرک نے سلطان کی یادداشت کے مضمون کو یہاں ختم کر دیا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ :۔ " اس جنگ کے آخری نتیجہ کو خط نمبر ۱ اور ۲، ۳، ۴ کے نیچے پڑھا جائے ۔ جہاں اس نے ان پر تبصرہ کیا ہے ۔۔ خط نمبر ۱ میں اس نے صرف صلح ہو جانے کا ذکر کیا ہے لیکن خط نمبر ۲، ۳، ۴ کے تحت میں اس نے سلطانی یادداشتوں سے خود سلطان کی یہ تحریر دی ہے ۔ جو جنگ کے آخری دنوں کے متعلق ہے ۔

" خندق کو پاٹ کر میں فصیلِ قلعہ کے پاس پہنچ گیا تھا ۔ اور اب صرف فصیل کا اڑانا باقی تھا ۔ اس کے علاوہ میں نے ایک مورچہ ایک ایسی جگہ بنایا تھا ۔ جو قلعہ کے دروازہ کے عین مقابل اور اونچی جگہ پہ تھا یہاں سے

توپوں اور بندوقوں سے جو گولے اور گولیاں برستی تھیں، ان کی وجہ سے ایک نصرانی کو بھی قلعہ کے برجوں یا فصیل پر آنا مشکل تھا۔ اس طرح تنگ آکر نصرانیوں نے صلح کی درخواست بھیجی۔ اور صرف ہتھیار حوالے کر دینے کی شرط پر تکرار کر رہے تھے۔ کہ عین اس موقع پر فرانسیسیوں کے نا سردار اور معین الدین کے خطوط ملے (معین الدین کو میں نے ایک ڈویژن دے کر فرانسیسیوں کی کمک پر کڈلور بھیجا تھا) اس فرانسیسی نے لکھا تھا۔ کہ "کڈلور کے قلعہ کے سامنے جنگ ہوئی جس میں فرانسیسیوں کو جو تعداد میں پانچ ہزار تھے، انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ اس شکست کی وجہ سے ہم نے قلعہ میں پناہ لی ... ور قلعہ کے دروازہ کو بند کر لیا اس شکست کے دوسرے دن انگریزوں نے قلعہ میں شاہ فرانس کا ایک خط بھیجا۔ جس میں لکھا ہوا تھا۔ کہ" انگریزوں سے صلح ہو چکی ہے اور بسی (B SSY) نے جوان کا نامراد سردار تھا۔ اور جس کی عمر اسی یا نو سال کی تھی۔ اور جو اپنی عقل سے معذور ہو چکا تھا۔ اس خط کو دیکھ کر صلح کر لی۔ اور ان دونوں قابل لعنت مردودوں نے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کر لی۔ کڈلور میں فرانسیسیوں کو اس لئے شکست ہوئی تھی۔ کہ انہوں نے اس موقع پر سرکار خداداد کی فوج سے جو انگریزوں کے عقب میں پانچ چھ کوس پر تھی۔ کوئی مدد نہیں چاہی۔

یہ خبریں جب یہاں پہنچیں۔ تو جو فرانسیسی سردار بنام ... یہاں تھا۔ اس کو بھی فرانسیسی گورنر سے اسی وقت خط پہنچا۔ کہ

میرا ساتھ چھوڑ کر کڈلور آجائے۔ اس وقت اس کے ماتحت تین سو فرانسیسی تھے۔ نہ صرف یہی لوگ چلے گئے۔ بلکہ ان کے ساتھ بہت سے دوسرے نصرانی بھی جو عرصہ بیس سال سے اسد اللّٰہی فوج میں ملازم تھے۔ چلے گئے۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ وہ نمک حرامی پر بھی آمادہ تھے۔ اس وقت میرے لئے آسان تھا کہ کاسگنی اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دوں۔ کیونکہ انہوں نے اس سرکار کا نمک کھایا تھا۔ لیکن مَیں نے ضبط سے کام لیا۔

اس کے بعد یہ نصرانی انگریزوں سے پاسپورٹ لے کر منگلور سے نکل کر ماہی چلے گئے۔ اور اپنے پیچھے کیمپ میں ایک سو کے قریب بیماروں کو چھوڑ گئے۔ انہیں میں نے سامانِ رسد دے کر ماہی بھجوا دیا۔

(کرک پیٹرک نے مضمون یہاں ختم کر دیا ہے)

ضمیمہ نمبر ۱

تاریخ شاہنور

(نوٹ: ۔ کرک پیٹرک نے یہ مضمون میر علی حسین کرمانی کی کتاب "تذکرۃ البلاد والحکام" سے لیا ہے۔ کرمانی نے یہ کتاب ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے کرنل میاںیث کے زیر ہدایت لکھی تھی۔ شاہنور کے متعلق اس نے لکھا ہے۔ کہ اس جاگیر کو نوابی کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے حاکموں کو یہ خطاب حاصل نہیں تھا۔ اور نہ انہوں نے کبھی اختیار کیا)

اس پٹھان خاندان نے جس نے دکن کی تاریخ میں تین سو سال تک نمایاں جگہ حاصل کی۔ ہر افغانی قبیلے کی طرح اپنا سلسلۂ نسب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابی تھے، ملاتا ہے۔ اس دعوے میں چاہے وہ صحیح ہو یا غلط، اس کے افراد مملکت بیجاپور میں بڑے عہدوں پر تھے جن میں سے ایک

جان نثار خاں

بھی ہے۔ جو اسمٰعیل عادل شاہ کے عہد حکومت میں امیر کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ بڑے تن و توش کا مالک اور سیاہ رنگ تھا۔ اس کو دکن کے لوگ "کالا پہاڑ" کہتے تھے۔ یہ امیر ایک لڑائی میں جو اسماعیل عادل شاہ کے جانشین اور احمد نگر کے نظام شاہ میں ہوئی، مارا گیا۔ اس کا بڑا بیٹا

عزیز میاں

جس کو "فتح لشکر خاں" کا خطاب حاصل تھا، اس کا جانشین ہوا۔ اس کو علی عادل شاہ کے دربار میں ایک ہزار پانچسو سواروں کا منصب اور نقارہ اور علم رکھنے کی اجازت حاصل تھی۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح سیاہ رنگ اور جنگجو تھا۔ اور باپ ہی کی طرح میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا

جبّار میاں میانہ

جانشین ہوا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اس نے کسی لڑائی میں شکست نہیں کھائی اس کے سپاہی اس کو بہت چاہتے تھے۔ اس کی اس بہادری کی وجہ سے بیجاپور والوں نے اس کو بنکاپور کی حکومت دی۔ اور اس کے ساتھ پنج ہزاری کا منصب دیتے ہوئے چار ہزار سواروں کی کمان بھی دی۔ اس جاگیر پر جبّار میاں نے اپنے فرزند بہلول خاں کو متعین کیا۔ یہ بہلول خاں اپنے دادا کی طرح سیاہ رنگ کا ہونے کے علاوہ دادا سے بھی بڑھ کر تن و توش والا تھا۔ اور کپڑے نہایت غلیظ پہنتا تھا۔ جس کی وجہ سے رعایا اس کو

رنگتی کالا پہاڑ کہتی تھی رنگتی کے معنی کنڑی زبان میں غلیظ کے ہیں۔ یہ بہت سنگ دل اور بے رحم طبیعت کا انسان تھا۔ اس نے اپنی دھاک بٹھا کر یہاں کی سرکش رعایا کو اپنے قابو میں کیا۔ اس کی وفات ۱۵۲۲ء میں ہوئی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا

بہلول خاں

نے بنکاپور سے اپنا مقام حکومت سانور ہلی کو منتقل کر دیا۔ اور پھر اس جگہ کو شاہنور (شاد نور) کا نام دیا۔ اس نے اس شہر کی خوب آرائش کی۔ اپنا محل اور کئی بڑے اور وسیع بازار بنائے۔ شاہنور کی آبادی کے ساتھ ہی بنکاپور تباہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ آج اس کا نام و نشان تک نہیں۔

اس کے بعد تاریخ میں بہلول خاں کا نام و نشان عالمگیر کے زمانہ میں ملتا ہے۔ اس وقت عالمگیر دکن کا وائسرائے بن کر یہاں آیا ہوا تھا۔ اس زمانہ میں بیجاپور کی حالت زوال پذیر تھی جس طرح بیجاپور کے بہت سے سردار اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھ کر غداری کرتے ہوئے عالمگیر سے مل گئے۔ بہلول خاں نے بھی یہی کیا۔ اس نے شاہزادے کے دربار میں حاضر ہو کر نذر دی جس کے صلہ میں بنکاپور کی حکومت اس کو عطا کر دی گئی۔ اس کی وفاداری کے بعد اس کو ضروری معلوم ہوا کہ بیجاپور سے اپنی حفاظت کے لئے ایک بڑی فوج تیار کر رکھے۔ چنانچہ اس نے یہ فوج تیار کی۔ اسی زمانہ میں اس

---

۱ کرمانی لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں یعنی [illegible] میں شاہنور کی حالت وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔ یہ پہلے ایک نہایت خوشنما جگہ تھی خوبصورت باغات [illegible] ہر قسم کے میوہ دار درخت تھے۔ اب یہ جگہ [illegible] تمام گھروں سے [illegible] ہے۔

نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اپنے دوست خضر خاں پنی کو کرنول کی جاگیر دلائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مدتِ حکومت ۴۹ سال ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا:۔

دلیل خاں

مسند نشین ہوا۔ اس نے مسند نشین ہوتے ہی مناسب سمجھا کہ اندر ہی اندر بیجاپور سے بھی تعلقات جاری رکھے۔ یہ تعلقات قطعی مکاری پر مبنی تھے جب وقت عالمگیر نے بیجاپور کا محاصرہ کیا۔ تو اس نے دو ہزار سواروں اور چار ہزار پیادہ فوج کے ساتھ عالمگیری فوج کا ساتھ دیا۔ اور خوب سرگرمی دکھلائی۔

تسخیر بیجاپور کے بعد جب عالمگیر نے احمد نگر پر اپنے فرزند محمد معظم کو بھیجا۔ تو یہاں شاہزادہ معظم نے اس کے فتح ہو جانے پر اپنے باپ سے منحرف ہو کر خود شہنشاہ بننے کے خیال سے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اپنا سکہ چلایا۔ عالمگیر کو جب یہ خبر ملی۔ تو اس نے اپنے امیروں کو جمع کر کے کہا کہ "کوئی ہے۔ جو شاہزادے کو زندہ گرفتار کر لائے۔ اس وقت دلیل خاں نے اس کا بیڑا اٹھایا۔ شہنشاہ نے اسی وقت "دلیر خاں" خطاب بخشا۔ اسی شب یہ پٹھان اپنی فوج لے کر شہنشاہی کیمپ سے نکلا۔ اور شاہزادہ معظم کو خط لکھا کہ وہ شہنشاہ کے سلوک سے بیزار ہو کر اس کی اطاعت میں آنے کے لئے تیار ہے انجان شاہزادے نے اس کی اجازت بھیج دی۔ دلیر خاں نے یہاں پہنچ کر کچھ ایسی خوشامدوں سے کام لیا۔ کہ شاہزادے کا نہ صرف مقرب بن گیا

بلکہ اس کے اور اس ساتھیوں کے خیمے بھی شاہزادے کے خیمے کے پاس نصب ہو گئے۔

دوسرا دن شہزادے کی کوچ کا دن تھا۔ دلیر خاں صبح ہی صبح شاہزادے کے خیمہ میں گیا۔ اور درخواست کی کہ اس کے خاص ہاتھی پر سوار ہو کر اس کو اعزاز بخشا جائے۔ شاہزادہ نے اس کو قبول کر لیا۔ اور دلیر خاں بھی پیچھے خواصی میں بیٹھا۔ اس نے ایسا انتظام کیا تھا کہ شاہزادے کے حفاظتی دستے کے اردگرد اپنا دستہ رکھا۔ ہاتھی نہایت تیز چلنے والا تھا۔ کوچ کا اشارہ ہوتے ہی ہاتھی چل نکلا۔ اور اس تیزی سے چلا کہ سوائے شاہزادے کے حفاظتی دستہ اور پٹھان کی فوج کے باقی تمام فوج پیچھے رہ گئی۔ شروع شروع میں کچھ گمان نہ ہوا لیکن جوں جوں راستہ طے ہوتا گیا، شاہزادے کے دستہ میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ اس پر پٹھانوں نے اس دستہ کے بڑے بڑے افسروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن ساتھ ساتھ دلیر خاں شاہزادے کی دلجوئی بھی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کو کمال حفاظت کے ساتھ عالمگیر کے سامنے لے آیا۔ شہنشاہ نے اس کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔

اس کے بعد تسخیر گولکنڈہ۔ دولت آباد اور شولاپور میں دلیر خاں نے نہایت نمایاں حصہ لیا۔ اور ۳۲ سال حکومت کی خدمت کر کے ۱۶۹۱ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا

عبدالغفار خاں

مسند نشین ہوا۔ اس نے خان جہان خاں سے جب وہ دکن کا وائسرائے ہوکر آیا۔ اپنی جاگیر کی سند کی تصدیق کرالی۔ اس کے عہدِ حکومت میں مرہٹی کے دلیش پانڈے خاں گھورپڑے نے سر اٹھایا۔ تو اس نے اپنے بھتیجے خان میاں کو اس پر بھیجا۔ خان گھورپڑے نے اس کو شکست فاش دی جس کے بعد عبدالغفار خاں خود ہی مرہٹی پر بڑھا۔ اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ لیکن اسی وقت اس کو معلوم ہوا کہ مرہٹی (؟) والوں کی مدد کو مرہٹے آرہے ہیں۔ تو اس نے گھورپڑے سے صلح کرلی اور اس کو بہادر کا خطاب اور خلعت بھی دی۔ خان جہان کے انتقال کے بعد جب میر حسین علی (جو دہلی کے بادشاہ گر بھائیوں میں سے تھا) دکن کا وائسرائے بن کر آیا۔ تو اس نے اپنے بیٹے غفور میاں کو بہ طور پیشکش نذر گزاری اور نئے سرے سے سند حاصل کی۔ ۲۸ سال کی حکومت کے بعد اس کے انتقال پر اس کا بیٹا

غفور میاں

اس کا جانشین ہوا۔ اسی زمانہ میں مرہٹوں کے ایک خاندان "راستا" نے اس علاقہ پر تاخت شروع کردی تھی۔ مصری کوٹہ کی جنگ میں اگرچہ مرہٹوں کو شکست ہوئی۔ لیکن راؤ راستا نے گوپال راؤ گھورپڑے سے مدد طلب کرکے دو سال تک اس کو اس قدر تنگ کیا۔ کہ آخر کار اس نے ایک لاکھ روپیہ نقد اور مصری کوٹہ ان کے حوالے کرکے صلح کرلی۔ ۹ سال حکومت کرنے کے بعد اس کا انتقال ہوا۔ اور اس کا بیٹا:۔

عبدالمجید خاں

حاکم ہوا۔ اس وقت دکن کا وائسرائے آصف جاہ اول تھا۔ عبدالمجید خاں[1] نے اس کو نذر نہیں بھیجی۔ اور نہ سند کی تصدیق کرائی۔ آصف جاہ حیدرآباد سے شاہنور پر بڑھا لیکن حاکم کرنول نے بیچ میں پڑ کر صلح کرادی۔ اور اس وقت عبدالمجید نے دو لاکھ روپیہ نقد مع تحائف نذر گزار کر جاگیر کی سند از سر نو حاصل کی۔ کرناٹک کی تسخیر میں یہ بھی حاکم کرنول کی طرح آصف جاہ کے ساتھ رہا۔ آصف جاہ کے انتقال کے بعد جب ناصر جنگ دکن کا وائسرائے ہوا۔ اور دربار دہلی کی طلبی پر دہلی روانہ ہوا۔ تو حیدرآباد میں مظفر جنگ کو چھوڑ گیا۔ یہاں اس نے اپنی صوبہ داری کا اعلان کیا۔ تو ناصر جنگ کو سفر ملتوی کر کے راستہ ہی سے واپس آنا پڑا۔ اس وقت ناصر جنگ نے کڑپہ کرنول اور شاہنور کے پٹھانوں کو طلب کیا۔ تو یہ بادل ناخواستہ اس کے شریک تو ہو گئے۔ لیکن جب ناصر جنگ جنوب کی طرف بڑھا۔ تو ان پٹھانوں (یعنی کڑپہ۔ کرنول اور شاہنور والوں) نے سازش کر کے اس کو شہید

۱۔ شاہنور کے جاگیرداروں کو آصف جاہ نے اور نہ اس سے پہلے اور بعد کے صوبہ داروں نے کبھی نواب تسلیم کیا۔ اور نہ ان کی کامل آزادی اور حکومت کو تسلیم کیا۔ ٹیپو سلطان نے بھی اسی لئے جاگیر مشروطہ لکھی ہے۔

(ہسٹوریکل اینڈ پولیٹیکل ویو آف دی دکن)

کر دیا[۱]۔ اس واقعہ کے بعد سات سال بعد تک عبدالمجید خاں زندہ رہا۔ اور آخر

۱؎ نواب ناصر جنگ شہید آصف جاہ اول کا دوسرا فرزند تھا۔ باپ کی وفات کے بعد ۱۷۴۸ء میں مسند نشین ہوا۔ یہ ایک نہایت بیدار مغز اور محب وطن حکمران تھا۔ جس پر تاریخ دکن کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ لیکن یہ ہندوستان کی بدقسمتی تھی کہ مظفر جنگ نے (جو ناصر جنگ کی بہن کا بیٹا تھا) اس کے خلاف بغاوت کی۔ مظفر جنگ کو قید کر لیا گیا لیکن اس کے چند دن بعد ہی جنجی کے قریب کڑپہ۔ کرنول اور شاہنور کے غدار پٹھانوں نے سازش کر کے ناصر جنگ کو شہید کر دیا۔ اکثر و بیشتر تاریخوں میں لکھا گیا ہے کہ فرانسیسی گورنر ڈوپلے نے یہ سازش کرائی تھی۔ کتاب ناصر جنگ شہید کے مصنف [illegible] فاروقی حیدرآبادی نے بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ڈوپلے نے یہ سازش کیوں کرائی۔ جو تاریخیں ہمارے سامنے ہیں۔ وہ یا تو انگریزوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ یا ان ہندوستانیوں کی جن پر مصلحت کا رنگ بہت غالب ہے۔ غور سے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ ناصر جنگ نے فرانسیسیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس نے فرانسیسیوں کو کرایہ کے ٹٹوؤں سے زیادہ وقعت نہیں دی۔ بلکہ اس کے خلاف فورٹ سینٹ جارج مدراس کے ریکارڈ بتاتے ہیں۔ کہ اس نے انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کے احکام جاری کئے۔ اور اس کے چند دن بعد ہی اس کی شہادت ہوتی ہے۔ ان حالات میں فرانسیسیوں کو سازش کا بانی بنانا تعجب خیز ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ اگر ڈوپلے سازش کر کے ناصر جنگ کی شہادت کا باعث ہوا تھا۔ تو ان پٹھانوں نے مظفر جنگ کے خلاف کیوں سازش کی۔ اور اس کو کیوں قتل کر دیا جبکہ مظفر جنگ خود ڈوپلے کا طرفدار تھا۔ بہرحال یہ ایک تاریخی گتھی ہے۔ جس کو ابھی تک سلجھایا نہ جا سکا جب تک فرانسیسی بیانات بھی ہمارے سامنے نہ ہوں۔ کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

۳۲ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا۔ اور اس کا جانشین

عبدالحکیم خاں میانہ

ہوا۔ اس کی مسند نشینی کے ساتھ ہی نظام علی خاں (حیدر آباد) کی فوجوں نے اس ملک کو اجاڑنا شروع کر دیا۔ اور مرہٹوں نے سرہٹی۔ گدک اور مصری کوٹھ پر قبضہ کر لیا۔ حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ سوائے شاہ نور کے عبدالحکیم کے پاس کچھ نہیں رہا۔ اس وقت بسالت جنگ اور رکن الدولہ نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی۔ لیکن مرہٹوں نے جن ۱۶ محال پر قبضہ کیا تھا، انہیں نہیں چھوڑا۔ کرمانی لکھتا ہے کہ وہ "شاہنور جو اس حالت کو پہنچ گیا ہے تو دراصل وہ انتظام خداوندی تھا۔ جو تاہر جنگ کی شہادت کا بدلہ ہے۔ یہی حالت کرنول اور کڑپہ کی بھی ہو گئی۔

نواب حیدر علی نے جب دھاڑواڑ پر قبضہ کیا۔ تو عبدالحکیم نے ایک فوج تیار کر کے مرہٹوں کی طرفداری میں روانہ کی۔ انوٹی کے پاس جنگ ہوئی جس میں پٹھانوں کو سخت شکست ہوئی۔ اور حیدر علی نے بڑھ کر بنکاپور اور شاہنور پر حملہ کر دیا[1]۔ اس سے گھبرا کر عبدالحکیم نے اس شرط پر صلح کر لی کہ اس کے خاندان کی عزت و شرف کو بحال رکھا جائے۔ حیدر علی نے اس کو قبول کرتے ہوئے اپنے بیٹے کریم شاہ (ٹیپو سلطان کے سوتیلے بھائی) کی شادی اس کی

---

[1] ۔ انوٹی کے معرکہ میں حیدری فوج کی کمان نواب فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کے ہاتھ میں تھی۔ حیدر علی اس وقت دھاڑواڑ کے قریب مرہٹوں سے لڑ رہے تھے۔

لڑکی سے کر دی - اور اس کے بیٹے عبدالخیر خاں سے اپنی ایک بیٹی جو نہ صرف ٹیپو سلطان کی بلکہ کریم شاہ کی بھی سوتیلی بہن تھی، شادی کی - اور ساتھ ہی یہ شرط بھی منوائی کہ سالانہ پیش کش ادا کرے - اور وقت ضرورت فوج بھی مہیا کرے - اور یہی وجہ ہے کہ بعد میں حیدر علی نے جس قدر لڑائیاں لڑیں - ان میں سے اکثر لڑائیوں میں شاہنور کے پٹھانوں کی فوج بھی شریک رہی ہے - حیدر علی نے شاہنور سے جانے سے قبل بہت سا علاقہ عبدالحکیم خاں کو اس خیال سے دیا کہ یہ سرحدی ریاست جو مرہٹی علاقہ اور ان کے علاقہ کے درمیان تھی وفادار رہے - لیکن اس نے ہمیشہ غداری سے ہی کام لیا - یہاں تک کہ ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کی وفات ہوئی اور سلطان تخت نشین ہوا - تو اس نے نہ نذر بھیجی اور نہ تہنیت کا کوئی خط لکھا -

اس وقت سلطان انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا - وہ منگلور فتح کر کے جب رانی بنور کے راستے واپس ہوا تو عبدالحکیم خان نے اس وقت ڈر کر اپنے بڑے بیٹے خیر امیاں کو چالیس ہزار روپیہ بطور نذر اور قیمتی تحائف دے کر سلطان کی خدمت میں بھیجا - سلطان نے اس کی بہت آؤ بھگت کی اور جاگیر کی سند دے کر واپس کیا لیکن عبدالحکیم نے اس کے ایک سال بعد ہی جب مرہٹوں سے سلطان کی جنگ چھڑی تو مرہٹوں کا ساتھ دیا اور جس وقت سلطان شاہنور کے قریب پہنچا - تو مرہٹوں کے ساتھ بھاگ گیا اس وقت سلطانی فوج کے کسی شاعر سپاہی نے یہ تاریخ کہی :-

"حکیم خاں میانہ سب کچھ چھوڑ کے آپ بھاگا"

حکیم خاں کی اس غداری سے سلطان متحیر ہو گیا۔ اور اس نے میر صادق کو شہر میں بھیجا۔ کہ مفرور کے مال و املاک پر قبضہ کر لے۔ اس عرصہ میں خیر امیاں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ننگے سر سلطان کے پاس آیا۔ سلطان نے اس کی بہت خاطر داری کی۔ بلکہ اپنے نزدیک ہی ٹھہرایا۔ (دیکھو خط نمبر کے نیچے نوٹ) جب مرہٹوں۔ نظام اور سلطان میں صلح ہوئی۔ تو نظام اور راؤ راستا کی سفارش پر یہ جاگیر سلطان نے حکیم خاں کو واپس دے دی۔ جب میسور کی تیسری جنگ شروع ہوئی۔ تو عبد الحکیم نے پھر مرہٹوں کا ساتھ دیا۔ ۱۷۹۲ء کی صلح کے بعد سلطان کا نصف علاقہ جو اتحادیوں نے لے لیا۔ اس میں یہ جاگیر بھی مرہٹوں کے زیر تحت چلی گئی۔ عبد الحکیم خاں اسی سال مر گیا۔ اور اس کا بیٹا عبد الخیر خاں اس کا جانشین ہوا۔ (کرک پیٹرک نے مضمون یہاں ختم کر دیا ہے)

کرک پیٹرک نے شاہنور کے جاگیرداروں کے عہد حکومت کی جو تاریخیں دی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

نام	آغاز	مدت حکومت	وفات
(۱) جان نثار خاں	..	..	۱۵۴۱ء
(۲) عزیز میاں	۱۵۳۱ء	..	..
(۳) جبار خاں میانہ	..	..	۱۶۱۲ء
(۴) بہلول خاں	۱۶۱۲ء	۴۸	۱۶۶۰ء
(۵) دلیل خاں یا دلیر خاں	۱۶۶۰ء	۳۱	۱۶۹۱ء

نام	آغاز	مدت حکومت	وفات
(۶) عبدالغفار خاں	۱۶۹۱ء	۲۸	۱۷۱۹ء
(۷) غفور خاں	۱۷۱۹ء	۹	۱۷۲۷ء
(۸) عبدالمجید خاں	۱۷۲۷ء	۳۱	۱۷۵۸ء
(۹) عبدالحکیم خاں	۱۷۵۸ء	۳۴	۱۷۹۲ء
(۱۰) عبدالخیر خاں (خیرا میاں)	۱۷۹۲ء	"	"

نوٹ: معلوم ہوتا ہے کہ میسور کی تیسری جنگ کے شروع میں جب عبدالحکیم خاں نے مرہٹوں کا پھر ساتھ دیا۔ تو عبدالخیر خاں کی بیوی جو سلطان کی سوتیلی بہن تھی۔ اپنے شوہر سے جدا ہو کر سرنگاپٹم آگئی۔ کیونکہ کرک پیٹرک لکھتا ہے۔ کہ سرنگاپٹم کے زوال پر وہ محل میں موجود تھی۔ اور انگریزوں نے اس کو بھی پنشن دی۔ شاہنور سے خاندان سلطانی کا جو دور کا تعلق تھا۔ وہ بھی خیرا میاں کی بیوی کے واپس آجانے سے منقطع ہو گیا

(محمود)

ضمیمہ نمبر۴

تاریخ کرنول

نام کی وجہ تسمیہ:-

کرنول کا اصل نام کنڈنول تھا۔ جو باریک کتے ہوئے دھاگے کو کہتے [illegible] اس دھاگے سے یہاں نہایت نفیس کپڑا بنایا جاتا تھا۔ جس کو سیلا کہتے ہیں۔ کنڈنول کثرتِ استعمال سے کنول اور بعد میں کرنول ہو گیا۔ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب نے اس کا نام قمرنگر رکھا۔ جو زیادہ مشہور نہیں ہوا۔ اس زمانہ میں یہاں شطرنجیاں بنائی جاتی ہیں۔

جغرافیہ:-

"کرنول علاقہ مدراس میں سرحد حیدرآباد سے لگا ہوا ہے۔ [illegible] ہے۔ یہاں دریائے کرشنا اور اس کا معاون تنگ [illegible] دونوں مل جاتے ہیں۔ آب و ہوا نہایت گرم ہے۔"

تاریخ میں کرنول کا نام صرف شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ سے ملتا ہے۔ مکاتیب میں جس نواب کا نام آیا ہے وہ کرنول کا پیشوا [illegible]

نوابانِ کرنول پٹھان خاندان سے ہیں۔ اس خاندان کا مورثِ اعلےٰ خضر خاں پنی تھا۔ جو پور قبائی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ پٹھان عالمگیر کی فوج میں ایک معمولی درجہ کا افسر تھا۔ عالمگیر کی فوجیں جس وقت دکن میں آئیں تو خضر خاں کی دوستی یہاں شاہنور کے حاکم بہلول خاں سے ہوئی۔ اور یہ دوستی اس قدر بڑھی کہ بہلول خاں نے جو عالمگیر کے دربار میں خاصہ اثر رکھتا تھا۔ خضر خاں کو کرنول کی جاگیر اس شرط پہ دلائی۔ کہ شہنشاہی خدمت کے لئے تین ہزار سوار اور سات ہزار پیادے رکھے جائیں۔ اس علاقہ سے چونتیس لاکھ روپیہ، سالانہ محاصل وصول ہوتے ہیں۔

جس وقت عالمگیر سے یہ جاگیر دلائی گئی۔ تو کرنول ابھی بیجاپور کے ایک افسر کے ماتحت تھا۔ خضر خاں، بہلول خاں کو ساتھ لے کر آیا۔ ان دونوں کی متحدہ فوجوں کو دیکھ کر کچھ تو خوف سے اور کچھ رشوت وغیرہ سے اس افسر نے قلعہ ان کے حوالے کر دیا۔ اس جاگیر کے انتظام سے فارغ ہو کر خضر خاں اس محاصرہ میں شریک ہوا۔ جو عالمگیر نے اورنگ آباد کا بذاتِ خاص کیا تھا۔ ایک دن جب وہ شہنشاہ کی خدمت میں جا رہا تھا۔ تو راستہ میں شیخ منہاج نے اس کو قتل کر دیا۔ معلوم نہیں ہوا۔ کہ ان میں پہلے سے دشمنی تھی۔ یا اور کوئی بات ہوئی۔ شیخ منہاج اپنی تیز زبانی کے لئے نہایت مشہور تھا۔

اس قتل کی خبر شہنشاہ کو ملی۔ تو اس نے مصلحتاً دورانِ جنگ میں فوراً ہی قصاص لینا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن یہی خبر جب کرنول پہنچی۔ تو خضر خاں کا بیٹا داؤد خاں پٹھانوں کی ایک بڑی جمعیت لے کر اورنگ آباد کی طرف بڑھا۔ عالمگیر

کو جب یہ خبر ملی۔ تو اس نے ایک بے چینی سی محسوس کی۔ اس کو خوف تھا۔ کہ داؤد خاں کے آجانے سے فوج میں ایک انتشار پھیل جائے گا۔ کیونکہ اس میں شیخ منہاج کے بھی بہت سے طرف دار تھے۔ اس وقت ذوالفقار خاں نے جو شہنشاہ کا خانساماں تھا۔ شہنشاہ کو اطمینان دلایا۔ کہ وہ داؤد خاں کو سمجھا بجھا کر راستہ پر لے آئے گا۔ یہ خانساماں خضر خاں کا منہ بولا بھائی تھا۔ اس نے داؤد خاں کو لکھا۔ کہ وہ اپنے باپ کے معاملہ کو شہنشاہ کی مرضی پر چھوڑ دے داؤد خاں نے اس نصیحت کو قبول کر لیا۔ اور اپنی فوج کو کرنول واپس بھیج دیا۔ پھر ذوالفقار خاں کے پاس آیا۔ جہاں اس نے اس کو عالمگیر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور داد خواہی چاہی۔ ابھی اس مقدمہ کی پوری کارروائی بھی نہیں ہوئی تھی۔ کہ شیخ منہاج اپنے ہی ایک ملازم کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد داؤد خاں، عالمگیر فوج میں رہا۔ اور اس نے بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ اور عالمگیر کی وفات کے بعد جو خانہ جنگیاں ہوئیں۔ ان میں بھی وہ شریک تھا۔ اور انہی لڑائیوں میں مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی

علی خاں:۔

حاکم کرنول ہوا۔ ساڑھے پانچ سال حکومت کرنے کے بعد اس کی وفات پر اس کا بیٹا:۔

ابراہیم خاں:۔

جو ادہونی کا بھی حاکم تھا، اس کا جانشین ہوا۔ اس نے کرنول کو خوب رونق دی۔ قلعہ جو اب تک مٹی کا تھا، پتھر کا بنایا۔ بہت سے پٹھان قبیلوں کو

بلا کر آباد کیا۔ جس وقت خان جہان خاں دکن کا وائسرائے بن کر آیا۔ تو اس نے پانچ لاکھ روپیہ نذر کرکے اپنی جاگیر کی نئی سند حاصل کی۔ اس کے بعد جب ۱۷۲۰ء میں آصف جاہ اول وائسرائے بن کر آیا۔ تو برہان پور جاکر اس نے اظہارِ اطاعت کی۔ اس سے خوش ہوکر آصف جاہ نے بھی خانِ جہان کی دی ہوئی سند کی تصدیق و تجدید کی۔ اس کے چار سال بعد اس کی وفات پر اُس کا بیٹا

الف خاں پنی۔

مسند نشین ہوا۔ اس نے آصف جاہ کے دوسرے فرزند ناصر جنگ سے بہت دوستی بڑھائی بلکہ کہا جاتا ہے کہ ناصر جنگ کو آصف جاہ سے منحرف کرنے میں جن لوگوں نے حصہ لیا تھا۔ ان میں ایک الف خاں بھی تھا۔ لیکن جب ناصر جنگ نے اطاعت کر لی۔ تو آصف جاہ نے ان لوگوں کو جو ناصر جنگ کے شریک تھے، کوئی سزا نہیں دی۔ صرف اپنے روبرو آنے سے منع کر دیا۔

آصف جاہ کی اس کارروائی سے اوروں کے ساتھ الف خاں کو بھی خوف پیدا ہوگیا۔ لیکن جب آصف جاہ کرناٹک کی تسخیر کے لئے جنوبی ہند پر بڑھا۔ تو اس نے تمام جاگیرداروں کے نام احکام بھیجے۔ کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر آئیں۔ اور شریک ہو جائیں۔ اس وقت الف خاں نے موقع سے فائدہ اُٹھاکر اپنے بیٹے بہادر خاں کے ماتحت ایک بڑی فوج مع نذرانہ بھیج کر معافی کی خواستگاری کی۔ آصف جاہ نے نہ صرف معافی دی۔ بلکہ ابراہیم خاں سے بہت اچھا سلوک بھی کیا۔ اور رخصت کی اجازت بھی دی۔ بیٹا جب

یہ خوشخبری لے کر کرنول پہنچا۔ تو الف خاں خود ہی آصف جاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور ان تمام لڑائیوں میں حصہ لیا۔ جو کرناٹک میں ہوئیں جس کے بعد آصف جاہ نے اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت دی۔ تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد اس کی وفات پر اس کا بیٹا

بہادر خاں پنی

جس کا دوسرا نام ہمت بہادر بھی تھا، مسند نشین ہوا

یہ وہی بہادر خاں یا ہمت بہادر ہے جس نے ناصر جنگ کو شہید کیا۔ اس غداری میں نہ صرف کرنول کا نواب بلکہ شاہنور اور کڑپہ کے پٹھان بھی شامل تھے۔ ناصر جنگ کی شہادت کے کوئی ڈیڑھ ماہ بعد یہ غدار خود اپنے ہی ہم ذات پٹھانوں کے ہاتھ سے رائی چوٹی کے ہنگامہ میں مارا گیا۔ جس کے بعد اس کا بیٹا

منور خاں پنی

مسند نشین ہوا۔ یہی منور خاں ہے جس کا دوسرا نام ہمت خاں بھی ہے۔ (مکاتیب میں اسی کا ذکر ہے) رائی چوٹی میں جس وقت ہنگامہ ہوا۔ منور خاں کرنول سے دور ننھیال میں تھا۔ گدک کے پالیگار نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کرنول پر قبضہ کر لیا۔ منور خاں یہ دیکھ کر ننھیال سے کڑپہ آیا۔ اور یہاں عبدالغنی خاں حاکم کڑپہ سے کمک مانگی۔ اس نے بجائے فوجی کمک دینے کے نقد روپیہ دیا۔ اس روپیہ سے اس نے سات سو پیادے اور تین سو سوار جمع کر کے کرنول پر چڑھائی کر دی۔ اس چھوٹی سی فوج کو دیکھ کر پالیگار نے بجائے قلعہ بند ہو کر لڑنے کے کھلے میدان میں آکر مقابلہ کیا۔ پالیگار

کی اس فوج کو پٹھانوں نے نہایت آسانی سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اور قلعہ پر قابض ہو گئے

کرمانی لکھتا ہے۔ کہ یہ فتح منور خاں کے دست و بازو سے نہیں ہوئی بلکہ ایک پیر صاحب کی دعا سے، جن کا نام مستان شاہ تھا، حاصل ہوئی تھی بہر طور منور خاں نے قلعہ پر قبضہ کر کے حکومت شروع کی۔ چونکہ اس کی مسند نشینی کی اجازت دکن کے وائسرائے سے نہیں لی گئی تھی۔ اس لئے نواب صلابت جنگ کے وزیر شاہنواز خاں نے کرنول پر فوج کشی کر دی۔ منور خاں نے اسوقت کامل اظہار اطاعت کرتے ہوئے نذرانہ پیش کیا۔ اور اس طرح حکومت بحال رہ گئی ابھی اس سے چھٹکارا حاصل ہوا ہی تھا۔ کہ کرنول کے دروازے پر اور ایک زبردست دشمن آموجود ہوا۔ اور یہ جنوبی ہندوستان کا نامور ہیرو اور فاتح حیدر علی تھا۔ حیدر علی کی دھاک کرنول پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ اس سے پیشتر اس ہیرو نے شاہنور کے پٹھان نواب کو شکست دے کر اس کو اپنا باجگزار بنالیا تھا۔ منور خاں اس حملہ آور سے نبرد آزمائی کے لئے تیار رہا۔ اور بقول کرمانی اس نے اپنے پیر و مرشد مستان شاہ ولی سے کمک چاہی۔ منور خاں کو ان پر پورا بھروسہ تھا۔ انہوں نے اس کو یقین دلایا۔ کہ دشمن کو کامل شکست ہوگی اور خود بھی سوار ہو کر فوج کے ساتھ نکلے۔ اس وقت منور خاں ننگے سر اور ننگے پاؤں پیر صاحب کے ساتھ ساتھ تھا۔ پٹھانوں کی یہ فوج پورے یقین کے ساتھ حیدر علی کے مقابل آئی۔ یہ دیکھ کر حیدر علی کے مشیروں نے جنہیں شاہ صاحب کی پہلی کرامت کی خبر مل چکی تھی۔ حیدر علی کو مشورہ دیا۔ کہ

بغیر لڑائی کے واپس ہو جائے۔ ورنہ ممکن ہے۔ کہ شاہ صاحب کی بد دعا لگ جا
اس موقع پر حیدر علی نے اپنے تمام مشیروں اور افسروں کو جمع کر کے پوچھا
"کیا میری حکومت اور میرا خاندان بھی اسی طرح ایک ۔۔۔
نہیں ہے۔ جس طرح کرنول ہے؟"
اس سوال پر سبھوں نے کہا۔ کہ "یہ بالکل سچ ہے" اس پر حیدر علی نے

جب یہ بات ہے۔ تو میں ان دونوں دلیوں کو ایک دوسرے
لڑنے کیلئے چھوڑتا ہوں۔ دیکھیں کون غالب آتا ہے۔ میں تو شاہ صاحب
سے لڑنے نہیں، بلکہ صرف منور خاں کی گردن سیدھی کرنے آیا
ہوں۔"

یہ کہہ کر حیدر علی نے اپنی فوج بڑھائی۔ شاہ صاحب نے جب یہ دیکھا
کہ مقابلہ کے لئے حیدر علی کی فوج بڑھتی ہی چلی آ رہی ہے۔ تو انہوں نے سب سے
پہلے میدانِ جنگ سے واپسی کی راہ لی۔ منور خاں نے جب یہ دیکھا۔ تو ہمت
ہار دی۔ اور پیر صاحب کے پیچھے پیچھے آیا۔ انہوں نے مشورہ دیا۔ کہ حملہ آور کو
کچھ روپیہ دے کر راضی کر لیا جائے۔ چنانچہ اس نے حیدر علی کی خدمت میں ایک
لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کیا[۲]۔ حیدر علی نے اس نذرانہ اور اظہارِ اطاعت کو قبول
کر لیا۔"

---

[۱]۔ غالباً یہاں مراد ٹیپو مستان ولی رح ہے۔ جن کا مزار ارکاٹ میں ہے۔ جن سے حیدر علی نے
فرزند کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی۔ اور فرزند کے پیدا ہونے پر ٹیپو سلطان نام رکھا۔
[۲]۔ کرنل ولکس نے بھی اپنی تاریخ میں یہی واقعات لکھے ہیں۔"

اس واقعہ کے بعد منور خاں ۱۷۹۰ء تک حیدر علی اور بعد میں ٹیپو سلطان کو خراج دیتا رہا۔ لیکن اس سال جب نظام۔ مرہٹے اور انگریزوں نے سلطنت خداداد پر چڑھائی کی۔ تو منور خاں نے بھی اپنی فوج اپنے بیٹے الف خاں کے ماتحت دے کر سکندر جاہ کے ساتھ کر دیا۔ جو حیدر آبادی فوج کا سپہ سالار تھا۔

اس واقعہ پر یہ کہنا ضروری ہے۔ کہ نہ صرف کرنول بلکہ بہت سے سرحدی حاکم بہ یک وقت دو دو طاقتوں کے ماتحت ہوتے تھے۔ اور جس کا پلہ بھاری سمجھتے تھے۔ اس کے ہی ساتھ ہو جاتے تھے۔ کرنول کی حالت بھی یہی تھی منور خاں ۱۷۹۲ء میں مرگیا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا:۔

الف خاں

مسند نشین ہوا

(نوٹ:۔ کرک پیٹرک نے اپنا مضمون یہاں ختم کر دیا ہے۔ ذیل میں اس نوابی کے کچھ اور حالات دوسری کتابوں سے لکھے جاتے ہیں۔)

میسور کی تیسری جنگ ۱۷۹۲ء میں جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ سلطان کو شکست ہوئی۔ اور نصف ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ تو کرنول کا علاقہ نظام کے حصہ میں آیا۔ لیکن الف خاں بخلاف اپنے باپ کے ٹیپو سلطان کا طرفدار تھا۔ اس نے ۱۷۹۴ء میں کھلم کھلا نظام کی اطاعت سے انحراف کرکے ٹیپو سلطان سے مل گیا۔ نظام نے اس وقت چاہا۔ کہ کمپنی کی فوج

بھیجکر اسے راہِ راست پر لائے۔ لیکن اس وقت کے گورنر جنرل سر جان شور نے فوج دینے سے انکار کر دیا۔ کرنول کا نام پھر تاریخ میں ۱۷۹۶ء و ۱۷۹۸ء میں آتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ سلطان نے نظام کو جہاد پر متوجہ کیا۔ اور قرآن و حدیث سے حوالہ دے کر لکھا۔ کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ شریک ہو کر ان ممالک کو جو پہلے دار الاسلام رہ چکے ہیں۔ وہ کفار سے واپس لے۔

حیدر آباد کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نظام علی خاں اس پر آمادہ تھا۔ لیکن میر عالم اور ارسطو جاہ نے اس کی کوئی بات چلنے نہیں دی۔ اور نظام کو کرنول کے الف خاں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا۔ کہ سلطان نے کرنول پر بطور احتیاط قبضہ کر لینے کا پورا سامان کر لیا ہے۔ اس کے بعد حیدر آباد کی جانب پیش قدمی ہوگی۔ اور عین اس وقت نظام علی خاں سے اس کے بیٹے نے بغاوت کی۔ اس بغاوت کے متعلق شبہ کیا گیا۔ کہ سلطان اور کرنول کے الف خاں کا ہاتھ پس پردہ کار فرما ہے۔ یہی امر نظام کو سلطان سے اتحاد کرنے میں مانع آیا۔[۱]

---

[۱] ۔ گو حیدر آبادی تاریخیں نظام علی خاں کو حالات سے مجبور بتا کر اس کی مدافعت اس معاملہ میں چاہے کتنی ہی کریں۔ لیکن جس شخص کا دامن شروع سے داغدار رہا ہو۔ تاریخ کبھی اس کو معاف نہیں کر سکتی۔ اگرچہ یہ صحیح ہے۔ کہ میر عالم اور ارسطو جاہ شروع ہی سے آزادیٔ ہند کے دشمن (بقیہ دیکھو صفحہ ۲۹۸)

۱۷۹۹ء میں میسور کی چوتھی جنگ ہوئی۔ اور سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوگیا۔ نواس کے بعد کرنول کی نوابی کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔

کرک پیٹرک نے نوابانِ کرنول کے عہدِ حکومت کی جو تاریخیں دی ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۷) اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے بہٹو تھے۔ لیکن حیدرآباد کے امراء میں بہت سے سلطان کے طرفدار بھی تھے۔ لیکن جب نظام علی خاں خود کمپنی کا بندہ بے دام بنا ہوا تھا۔ نوان کی بات کہاں چلتی۔ اور نظام علی خاں کے حالات شروع سے دیکھتے ہوئے یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں۔ کہ جس شخص نے صرف دولت اور حکومت حاصل کرنے کے لئے اپنے حقیقی بھائی کو قتل کردیا ہو۔ تو وہ جہاد میں کس طرح شریک ہوتا۔ کرنل ولکس نے اپنی کتاب تاریخ میسور کے صفحہ ۲۶۹ پر لکھا ہے۔ کہ:۔

"نظام علی خاں نے اپنے بڑے بھائی صلابت جنگ کو ۱۷۶۱ء میں قتل کردیا۔"

اس کے بعد حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے ساتھ اس نے ۱۷۶۱ء سے ۱۷۹۹ء تک جو کچھ کیا۔ اس کی تفصیل کچھ اسی کتاب میں اور کچھ تاریخ سلطنت خداداد میں دی گئی ہے۔ اوپر کی تحریر سے یہ بھی واضح ہے۔ کہ سلطان نے اپنی تخت نشینی سے لے کر شہادت تک نظام علی خاں سے اتحاد کی کوشش کی۔ لیکن اس نے یا تو مرہٹوں کا ساتھ دیا۔ یا انگریزوں کا۔

نام	سن آغاز	مدت حکومت	سال وفات
خضر خاں	..	..	۱۵۷۴ء
داؤد خاں	۱۵۷۴ء	۳۸	۱۶۱۲ء
علی خاں	۱۶۱۲ء	۵½	۱۶۱۷-۱۸ء
ابراہیم خاں	۱۶۱۷-۱۸ء	۱۴½	۱۶۳۱ء
الف خاں	۱۶۳۱ء	۱۳	۱۶۴۴ء
بہادر خاں یا ہمت بہادر	۱۶۴۴ء	۷½	۱۶۵۰-۵۱ء
منور خاں یا رن مست خاں	۱۶۵۱ء	۴۰	۱۶۹۲ء
الف خاں	۱۶۹۲ء	..	-

ضمیمہ نمبر ۵

"تاریخ کڑپہ"

کڑپہ کے پٹھان خاندان کی تاریخ

(چونکہ مکاتیب میں کڑپہ کا ذکر آیا ہے۔ لیکن یہاں کی نوابی کا کوئی ذکر نہیں اور نہ کرک پیٹرک نے اس کی تاریخ دی ہے۔ اس لئے میں یہاں ڈسٹرکٹ گزیٹروں اور دوسری کتابوں سے کڑپہ کے پٹھان خاندان کی مختصر تاریخ پیش کرتا ہوں) (محمود)

میری کتاب تاریخ جنوبی ہند، جن لوگوں نے پڑھی ہے۔ اس سے واقف ہیں۔ کہ تالی کوٹہ کی جنگ (۱۵۶۴ء) کے بعد احمد نگر۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کے مسلمان حکمرانوں نے جنوبی ہند کی تسخیر کی طرف ایک زمانہ تک کوئی توجہ نہیں کی۔ اور بہت بعد میں گولکنڈہ کی تاریخ میں اس کا نام اکثر پایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں کے پالیگار یا تو خود مختار تھے۔ یا گولکنڈہ والوں کو خراج دیتے تھے شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ میں کڑپہ کا زیادہ ذکر نہیں ملتا

اس شہنشاہ کی وفات ۱۷۰۷ء کے سات سال بعد سب سے پہلے جس مسلمان حاکم کا نام ملتا ہے۔ وہ عبدالنبی خان ہے۔ یہ ایک پٹھان تھا۔ اس نے نہ صرف کڑپہ میں اپنی حکومت قائم کی۔ بلکہ بارہ محال یعنی چتوڑ، سلیم اور کوئمبتور پر بھی فوج کشی کر کے یہاں کے پالیگاروں کو اپنا مطیع بنایا۔ اس نے اپنے علاقہ کے شمال میں گنڈی کوٹہ میں اور جنوب میں گرم کنڈہ میں اپنی فوجیں مستقل طور پر بطور گیریسن رکھی تھیں۔ اننت پور ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں لکھا ہے۔ کہ اس نے اننت پور بھی فتح کیا۔ اور اس سے آگے بڑھ کر مروٹ لا پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ معلوم نہیں۔ کہ اس کی وفات کب ہوئی لیکن ۱۷۳۲ء میں نواب مہازد خاں کا نام ملتا ہے۔ جو عبدالنبی خاں کا بیٹا تھا۔ اس کے عہد میں مرہٹوں نے کڑپہ پر چڑھائی کی۔ جنگ میں اس کو شکست ہوئی۔ اس نے اپنے خاندان کو گنڈی کوٹہ بھیج دیا۔ اور خود جنوب کی طرف بھاگا۔ مرہٹے بھی تعاقب میں تھے۔ گوال چیرو گھاٹ پر پھر لڑائی ہوئی۔ یہاں بھی اس کو شکست ہوئی۔ تو اس نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد اور دوسرے تحائف دے کر صلح کر لی۔ مرہٹے اس کا علاقہ اس کو واپس دے کر آگے بڑھ گئے۔ ۱۷۴۲ء میں جب نظام الملک آصف جاہ اول جنوب میں آیا۔ تو اس موقع پر کڑپہ کے حاکم کے بیٹے اس کی فوج کے ساتھ تھے۔ اس وقت کڑپہ کا حاکم عبدالحکیم تھا۔ ناصر جنگ کی شہادت میں عبدالحکیم خاں بھی اس سازش میں شریک تھا۔ جو شاہنور اور کرنول کے پٹھانوں نے کی تھی۔ ناصر جنگ کے بعد جب مظفر جنگ نواب ہوا۔ تو ان پٹھانوں نے اس کے خلاف بھی سازش کی۔ جب مظفر جنگ پانڈیچری

سے نکل کر حیدر آباد واپس جا رہا تھا۔ تو ان پٹھانوں نے لکی رڈی کے پاس ۱۷۵۱ء میں اس کو بھی قتل کر دیا۔ یہ قتل اس طرح ہوا۔ کہ مظفر جنگ پٹھانوں کا تعاقب کرتے ہوئے ایک پہاڑی درّے میں گھس گیا۔ یہاں موقع پا کر حکیم خاں نے نیزہ مارا۔ مظفر جنگ نے بھی نیزے کا وار کیا۔ جس سے یہ پٹھان زخمی ہو گیا۔ اور بعد میں مر گیا۔ اس کے بعد عبدالسلام خاں حاکم ہوا۔

نواب حیدر علی نے اسی کے زمانہ میں کڑپہ پر فوج کشی کی۔ یہ فوج کشی ۱۷۶۲ء میں ہوئی تھی۔ ۱۷۶۹ء تک یہ برابر خراج ادا کرتا رہا۔ جس کے بعد اس نے خراج بند کر دیا۔ اس پر حیدر علی نے پھر فوج کشی کی۔ حاکم کڑپہ اور حیدر علی کے درمیان دریائے کنڈر کے کنارے جو پروڈتور سے دس میل کے فاصلہ پر ہے، ایک سخت معرکہ ہوا۔ جس میں کڑپہ والوں کو سخت شکست ہوئی عبدالسلام خاں یہاں سے کڑپہ کو بھاگا۔ حیدر علی نے اس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ عبدالسلام خاں یہاں سے بھی فرار ہوا۔ اور سدھوٹ میں قلعہ بند ہو گیا۔ حیدر علی نے یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور اس قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ وہ پٹھان جو اس سے پہلے معرکوں میں ان کے ہاتھ قید ہوئے تھے۔ وہ بھی حیدری کیمپ ہی میں تھے۔ ایک شب ان قیدیوں میں سے دو پٹھانوں نے موقع پا کر حیدر علی کو قتل کرنے کی نیت سے ان کے خیمہ کی قنات چاک کر کے اندر داخل ہوئے۔ اور حیدر علی کو سوتا ہوا سمجھ کر ایک نے اپنی تلوار کا بھرپور وار کیا۔ لیکن حیدر علی کی یہ عادت تھی۔ کہ کبھی وہ میدانِ جنگ میں

یا کوچ وغیرہ کے وقت اپنے خیمہ میں نہیں سوتے تھے۔ بلکہ باہر سپاہیوں کے ساتھ یا کسی اور جگہ سو جاتے تھے۔ خیمہ میں بستر پر تکئے وغیرہ رکھ کر اس کو اس طرح بنایا جاتا تھا۔ کہ گویا کوئی آدمی سو رہا ہے۔ پٹھان نے سچ مچ حیدر علی کو سوتا سمجھ کر وار کیا تھا۔ لیکن ادھر سے جب کوئی حرکت نہ ہوئی۔ تو اس پر حیرت چھا گئی۔ اس وار کی آواز سن کر حیدر علی کا ایک سپاہی جو خیمہ کے ایک کونہ میں سو رہا تھا، جاگ اٹھا۔ اور ابھی پٹھان کی حیرت دور نہ ہوئی تھی۔ کہ نیزہ لے کر اس پر بڑھا۔ دوسرا پٹھان اپنے ساتھی کی مدد کے لئے بڑھا۔ اور ابھی لڑائی ہو رہی تھی۔ کہ شور سنکر اور سپاہی بھی آ گئے۔ اور ان پٹھانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

صبح کو حیدر علی نے بعد تحقیق ان دو پٹھانوں اور ان کے ساتھیوں کو جو سازش میں شریک تھے، نہایت عبرتناک سزائیں دیں۔ جن سے ایک دہشت بیٹھ گئی۔ اس کے بعد حیدر علی نے سدھوٹ کا محاصرہ اور سخت کر دیا۔ یہاں تک کہ عبدالسلام صلح کا طالب ہوا۔ ایک عرصہ تک گفتگو ہوتی رہی کیونکہ شرائط صلح میں حیدر علی نے نواب عبدالسلام خاں کی بہن سے شادی کی ایک شرط بھی پیش کی تھی۔ کہا جاتا ہے۔ عبدالسلام کی یہ بہن حد درجہ خوبصورت تھی۔ اور اس کی خوبصورتی کا بہت شہرہ تھا۔ عبدالسلام نے کئی دفعہ انکار کیا۔ مگر حیدر علی نے بغیر اس شادی کے صلح کرنا نہ چاہا۔ آخر الامر یہ شادی ہوئی۔ جس کے بعد حیدر علی نے پٹھانوں کے اس خاندان کو یہاں سے نکال کر سرنگا پٹم میں آباد کیا۔ اور اس طرح کڑپہ کی نوابی کا خاتمہ ہو گیا۔

نوٹ :۔ حیدر علی کی اس بیگم کا نام بخشی بیگم تھا۔ زوال سرنگاپٹم کے وقت یہ بیگم محل ہیں موجود تھیں۔ سلطان کے شاہزادوں کے ساتھ ان کو بھی ویلور بھیج دیا گیا۔ ان کا مزار ویلور ہی میں ہے۔ جس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :۔

چوں ز دنیا بخشی بیگم جہت جنت شد وداع
بہر تاریخش او ہاتف بگفت از درد و آہ
سال گنبد زیب غرایب ۔ سال رحلت ایں بگو
۱۲۲۰ھ
زیب جنت زوجۂ حیدر ام سلطان بادشاہ
۱۲۱۹ھ

نوٹ: یہاں تک کرک پیٹرک کی کتاب سے اس کتاب کو تعلق تھا، وہ یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد میں نے اپنی جانب سے غداروں کے حالات۔ غداری کے اسباب اور سلطان کی شہادت اور نتائج لکھے ہیں۔ تاکہ کتاب جس طرز پر شروع کی گئی ہے۔ اسی طرز پر تاریخی حیثیت سے بالکل مکمل ہو جائے۔

خاتمۃ الکتاب

سلطنت خداداد کی تباہی اسلامی نقطۂ نظر سے

(۱) میر صادق

(۲) ٹیپو اور سلطنت خداداد

(۳) شہادت اور نتائج

(۴) خاتمۃ الکتاب

میر صادق

کرنل ٹمسن نے اپنی کتاب میں میر صادق کا حال اس طرح لکھا ہے :۔

"میر محمد صادق، ارکاٹ کا باشندہ[1] تھا۔ حیدر علی خاں نے اس کو اپنی فوج میں کوتوال کا عہدہ دیا۔ سلطان نے بھی اس کو اس عہدہ

---

[1] مورخ کرمانی بھی میر صادق کو ارکاٹ کا باشندہ لکھتا ہے۔ بعض انگریزی مورخین اس کا مولد بڑا بالاپور بتلاتے ہیں لیکن میسور میں عام طور پر مشہور ہے۔ کہ وہ حیدرآباد کے میر عالم کا بھائی تھا۔

پر برقرار رکھا۔ بعد میں بتدریج ترقی دے کر اس کو وزیر بنایا گیا سلطان کو اس پر حد درجہ اعتماد تھا۔

سلطان کی رعایا اس سے حد درجہ نفرت کرتی تھی۔ اور ان پر جو ظلم ہوتا تھا۔ اس کو وہ اسی کے نام سے منسوب کرتے تھے۔ سلطان کی تمام سکیموں کو اسی نے ناکام بنایا۔ محمود سوائے سلطان کے باقی سب اس کو غدار سمجھتے تھے۔ زوال سرنگاپٹم کے بعد کسی آدمی کو یہ یقین دلانا بالکل ناممکن تھا۔ کہ اس نے انگریزوں کو اس ملک میں آنے کی دعوت نہیں دی۔ یعنی ہر ایک یہی کہتا تھا۔ کہ میر صادق ہی انگریزوں کو یہاں لے آیا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ وہ بچکر نکلنا چاہتا تھا۔ مگر سلطان کے سپاہیوں نے اس کو قتل کر دیا۔ اور وہ بھیانک نظارہ کہ اس کی لاش جس طرح زخموں سے چور چور کی گئی تھی۔ صاف ظاہر کر رہا تھا۔ کہ وہ ان کے انتقام کا شکار ہوا ہے۔ ان کی نفرت کا جوش یہیں ختم نہیں ہوا۔ دفن ہو چکنے کے بعد قبر کھود کر اس کی لاش باہر نکالی گئی۔ اور دو ہفتے سے زیادہ اس کی لاش کی ہر قسم کی توہین کی گئی۔ مردوں، عورتوں اور بچوں نے اس کے گرد جمع ہو کر ہر قسم کی غلاظت اس پر ڈالی۔ یہاں تک کہ اس غیر معمولی نظارہ کو ختم کرنے کے لئے ہمیں سخت انتظامات کرنے پڑے۔"

سرنگاپٹم میں راقم الحروف کو . . . . . نے بتایا ہے
کہ میر صادق کو پہلے بنگلوری دروازہ میں جہاں اس کی لاش پڑی
تھی۔ انگریزوں نے قبلہ رو دفن کردیا تھا۔ لیکن بعد میں اس کی
لاش کو وہاں سے ہٹا کر بنگلوری دروازے سے کچھ فاصلہ پر قلعہ کی
مشرقی خندق کے کنارے دفن کیا گیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ
میں نے یہ قبر دیکھی ہے جو نہایت پختہ اینٹ اور گارے سے بنائی
گئی تھی۔ اور چونکہ انگریز نہیں جانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے
یہ قبر بجائے شمال جنوب کے مغرب مشرق سمت پر بنائی" راقم الحروف
کو بھی یہ جگہ دکھائی گئی۔ اب وہاں یہ قبر نہیں ہے۔ قبر کی بجائے
صرف ایک غار نما گڑھا باقی رہ گیا ہے۔ باوجود بہت سی شہادتوں
کے، بہت سے لوگوں کو یہ یقین نہیں ہے۔ کہ میر صادق مارا گیا
ان کا خیال ہے کہ وہ میر عالم کے ساتھ حیدرآباد چلا گیا۔ اس کے
قتل کی خبر صرف اس کو بچانے کے لئے گھڑی گئی تھی۔ لیکن بعض لوگ
اس کے قاتل کا نام لیتے ہیں۔ جو کڑپہ کا ایک پٹھان "قادر خاں"
نامی تھا۔ کسی نے اسی زمانے میں ایک مسدس بھی میر صادق پر لکھی تھی
جس میں قادر خاں کا نام لیا گیا ہے۔ بہر کیف ذلت، رسوائی اور
عبرتناک موت کی اس سے بڑھ کر مثال ہماری تاریخ میں شاید
ہی کوئی ہوئی ہو۔ فاعتبروا اولوالابصار
اگرچہ یہ صحیح ہے۔ کہ سلطان کی شہادت کا باعث میر صادق ہی ہے

لیکن ان غداریوں کی ابتدا میر صادق سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اہلِ نوالیط کے مہکری خاندان کے ایک فرد محمد مہدی مہکری سے شروع ہوئی۔ یہ غدار میسور کی تیسری جنگ کے زمانہ میں سلطان کا وزیر اعظم تھا[1]۔ اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ لکھا گیا ہے۔ کہ "میسور کی تیسری جنگ میں جب فوجی طاقت کے ذریعہ سلطان کو شکست نہ دی جا سکی۔ تو لارڈ کارنوالس نے کرنل ریڈ کے ماتحت سلطان کے امراء وزراء سے سازشیں کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ اور یہ سازشیں کامیاب ہوتی ہیں" یہ غدار اس جنگ میں انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے فتوحات شکستوں میں بدل جاتی ہیں۔ بہت ممکن تھا۔ کہ اسی جنگ میں سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو جاتا لیکن اتحادیوں کو ان کی اپنی مجبوریاں صلح پر آمادہ کر لیں۔

کرک پیٹرک اپنی کتاب کے ضمیمہ میں لکھتا ہے۔ کہ :۔

"سلطان نے اپنی اس شکست کے اسباب کی چھان بین کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تھا"

معلوم نہیں کہ اس کمیشن نے کیا فیصلہ دیا کیونکہ کرک پیٹرک نے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے لیکن تاریخیں ظاہر کرتی ہیں کہ محمد مہدی کو معزول کر کے میر صادق کو وزیر بنایا گیا۔ اس وقت اس غدار نے حلف اُٹھایا۔ اور رفتہ رفتہ اس قدر رسوخ حاصل کر لیا۔ کہ سلطنت کے تمام سیاہ و سفید

---

[1] نشانِ حیدری کا مصنف کرمانی لکھتا ہے۔ کہ میسور کی تیسری جنگ یعنی ۱۷۹۲ء میں اسی غدار نے سازش کر کے سرنگاپٹم میں قلعہ سے باہر میدان میں جو مورچے تھے۔ ان پر انگریزوں کو قبضہ دلایا یہ مورچے اُس جگہ تھے۔ جہاں میدان میں انگریزوں کا بنایا ہوا عیدگاہ ہے۔

کا مالک بن گیا۔[١]

میسور کی تیسری جنگ کے سات سال بعد جب میسور کی چوتھی جنگ شروع ہوتی ہے۔ اور لارڈ ولزلی بھی سازشیں کرانے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرتا ہے۔ تو

"اس وقت میر صادق کا نام نہایت نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ سلطان کی شہادت کا باعث بھی یہی غدار بنتا ہے۔"

کرنل ڈبلیو مائلس (W. Miles) اپنی کتاب تاریخ سلطان کے دیباچہ میں پہلے صفحہ پر لکھتا ہے:-

"پورنیا۔ [illegible] تھا اس نے غداری کی اور ملک کو انگریزوں [illegible] اور ان کے اتحادیوں کے حوالے کر دیا۔ کوئی قابل الزام بات نہیں ہے۔"

---

[١] پورنیا پر بھی یہ تعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس کے سامنے ایک ہندو ریاست قائم کرنے کا مقصد تھا جیسا کہ میسور میں لکھی ہوئی تاریخ ماڈرن میسور [illegible] کتاب کے صفحہ ١٣١ پر لکھا ہے -

"میسور کی رانی لکشما نے اس سے درخواست کی۔ کہ میسور میں ہندو راج قائم کرنے میں اس کی مدد کرے۔ لیکن وہ اس تجویز کا خواہاں نہیں تھا۔"

لارڈ آف دی کریسنٹ پادان انڈیا کا مصنف غداری کی ساری ذمہ داری پورنیا پر ہی رکھتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ پورنیا ہی غداری کا صدر تھا۔ [illegible] لیکن میرا اپنا خیال یہ ہے کہ سلطان کے مسلمان وزراء اگر سلطان کے وفادار ہوتے تو کبھی اس کی سازش کامیاب نہ ہوتی۔ بہرطور حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پورنیا نے ان کے ساتھ مل کر غداری کی۔ مگر اپنے مقصد کو ان سے چھپائے رکھا۔

اس ایک چھوٹے سے جملے میں کرنل میلس نے وہ سب کچھ مفہوم ادا کر دیا ہے جس پر دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ ان مسلمان غداروں اور خصوصاً میر صادق کے سامنے کونسا لالچ تھا کس چیز نے ان کو ہوس دلائی۔ بہت ممکن ہے۔ کہ اس غدار سے کوئی ایسا عہد کیا گیا ہو۔ جیسا کہ بنگال میں میر جعفر سے کیا گیا تھا۔ میر جعفر سے غداری کے معاوضہ میں وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ بنگال کی مسندِ نوابی اس کو دی جائے گی۔ اور یہ بعید از عقل نہیں۔ کہ میر صادق کو بھی یہ ہوس دلائی گئی ہو۔ لیکن سلطان کی شہادت کے ساتھ ہی اس کا بھی اچانک قتل کر دیا جانا[1] اس راز کو ہمیشہ کے لئے مقفل کر گیا۔ اور یہ شبہ اس لئے اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ حیدر آباد کی تاریخ میں لکھا گیا ہے۔ کہ :-

---

[1] سلطان کی شہادت مغرب کے وقت ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ میر صادق اس سے کئی گھنٹے پہلے قتل کر دیا گیا۔ کرمانی لکھتا ہے کہ "سلطان جب ڈیڑھ بجے کے قریب محل سے جنگ کیلئے باہر نکلا۔ تو اس غدار نے میر ندیم کے ذریعہ سلطان کی واپسی کا راستہ یعنی ڈڈی دروازہ بند کرا کے قلعہ سے باہر (غالباً انگریزی کیمپ) کو جانے کیلئے نکلا۔ تو اس وقت تک سرنگا پٹم میں سازش کی خبر پھیل چکی تھی کیونکہ سلطان شمالی فصیل پر انگریزی فوج کے نرغے میں گھر چکا تھا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی سلطانی وفاداروں نے ان غداروں کا خاتمہ کرنا شروع کر دیا۔ انگریزوں کو جب معلوم ہوا۔ تو انہوں نے باقی غداروں کے گھروں میں پہرہ بٹھا دیا۔ ورنہ تمام کے تمام غدار ختم ہو جاتے۔ میر صادق کو کڑپہ کے ایک سپاہی قادر خاں نے قتل کیا تھا۔"

"ٹیپو سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے۔ کہ ٹیپو سلطان سے سلطنت منتزع ہو جائے۔ اور وہ اس جنگ میں کام آ جائیں۔" (نشان علی خاں مطبوعہ حیدر آباد صفحہ ۲۱۶)

بہر طور یہ ایک ایسا معمہ ہے۔ کہ جب تک ولزلی کے پورے ریکارڈ ہمارے ہاتھ نہ آئیں، اس کو واضح طور پر حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ٹھیک ہے ولزلی کے سرکاری مراسلات (ڈسپیچز) شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ان میں صرف انہیں مراسلات کو جگہ دی گئی ہے۔ جو سیاسی مفاد کے خلاف نہیں ہیں۔

میر صادق کے ساتھ اور بھی بہت سے غدار ایسے تھے جو اس میں شریک تھے۔ جن کے کچھ نام تو کرمانی کی کتاب نشانِ حیدری میں اور کچھ دوسری کتابوں میں ملتے ہیں۔ کرنل جسن نے اپنی کتاب میں دو فہرستیں دی ہیں۔ ان میں پہلی فہرست میں ان افسروں کے نام ہیں۔ جو میسور کی اس آخری جنگ میں مقتول یا زخمی ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر تعداد مسلمانوں کی ہے۔ دوسری فہرست میں ان لوگوں کے نام ہیں۔ جنہیں ایسٹ انڈیا کمپنی سے پنشنیں دی گئیں۔ پہلی فہرست میں کرنل جسن کی تشریح سے معلوم ہوگا۔ کہ کن غداروں کو سلطان کے وفاداروں نے ختم کر دیا۔ اور دوسری فہرست (نمبر ۲) ان کی ہے جنہیں انگریزوں نے پنشنیں دیں۔ اور شاید یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ کس خدمت کا صلہ تھیں۔ جسن نے خود چند ناموں کے ساتھ تشریح دی ہے

فہرست نمبر ا

(از کتاب کرنل بیٹسن)

نام اُن سلطانی افسروں کے جو ٹیپو سُلطان کی آخری جنگ میں مقتول یا زخمی ہوئے

جنگ سداسیر ۶ مارچ ۱۷۹۹ء

نمبر شمار	عہدہ	نام	مقتول یا زخمی	کرنل بیٹسن کی تشریح	مزید تشریح
۱	میر میراں[1]	محمد رضا بنکی نواب	مقتول	..	مزار گنبد اعلیٰ کے چبوترہ پر ہے
۲	میر میراں	میر محمد میراں	مقتول	..	
۳	سپہ دار	غلام محی الدین	″	..	
۴	″	محمد امام	زخمی	..	یہ نام جنگ سرنگاپٹم میں بھی شامل ہے
۵	سپہ دار	شیخ محمد	زخمی	..	..
۶	″	محمد خاں	″	۴ مئی کو سرنگاپٹم میں حاضر تھا	ملولی کی لڑائی میں بھی یہ نام درج ہے
۷	بخشی[2]	معظم خاں	″	انگریزوں نے گرفتار کر لیا تھا	..
۸	″	باقر بیگ	″	۴ مئی کو سرنگاپٹم میں حاضر تھا	

[1] میر میراں: یہ عہدہ فوجی بورڈ کے ممبروں کا تھا۔ انہیں میں سے سپہ سالار منتخب ہوتے تھے۔ سلطنت میں بورڈ دو قسم کے تھے۔ سول اور فوجی۔

[2] بخشی: یہ عہدہ سپہ سالار کے اسٹاف افسروں کا تھا۔

جنگ ملولی ۲۷ مارچ ۱۷۹۹ء

نمبر شمار	عہدہ	نام	تاریخ	مقتول یا زخمی	اگر کوئی خصوصی کارنامہ	مزید تشریح
۱	بخشی	حسین حلیم		مقتول		
۲	موقب دار[1]	شیخ محمد		"		
۳	"	حیدر بیگ		"		
۴	"	داؤد بیگ		زخمی	۴ مئی کو سرنگاپٹم میں حاضر تھا۔	

جنگ سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء

محاصرہ کے دوران میں[2]

۱	فوجدار[3]	حسین علی خان بن قطب الدین خان	۱۶ اپریل ۱۷۹۹ء	مقتول	سلطان ٹیپو کی چوکی کی حفاظت میں جس نے جان دے کر یہ افسر نہایت خوبصورت بالکل نوجوان اور بہادر تھا۔

[1] موقب دار: سیلادار یعنی سوار فوج کا کمانڈر
[2] ٹیپو کی چوکی یعنی آخری جنگ میں سرنگاپٹم کا محاصرہ [illegible] دیوار اڑا دیا
ہوئیں اور دونوں لڑائیوں میں میر قمرالدین [illegible] شہید ہو گیا تھا
کے دوران میں بیرونی چوکیاں [illegible] مقتول یا زخمی ہو گیا آخری
معرکہ ۴ مئی کے دن ہوا۔ انگریزی فوج [illegible] سے قریباً ڈیڑھ
بجے قلعہ میں آ گئی۔ یہ معرکہ مغرب تک ہوا۔ اسی معرکہ میں حضرت سلطان شہید ہوا۔
[3] فوجدار: گورنر کا عہدہ تھا۔

نمبر شمار	عہدہ	نام	تاریخ	مقتول یا زخمی	تشریح از ٹائمس	مزید تشریح
۲	بخشی	حبیب خاں	۲۶ اپریل ۱۷۹۹ء	مقتول	پکشواں کے قریب حملہ میں	
۳	بخشی	شیر بیگ	۲۰ اپریل	"	بائیں غالی حفاظت میں	
۴	میر میراں	حسین علی خاں	۲۰ اپریل	زخمی	"	
۵	بخشی	صفدر خاں	۲۰ اپریل	"	"	زخمی ہونے کے بعد انگل گرد چلا گیا
۶	سپہ دار	امام الدین	۲۶ اپریل	زخمی	پکشواں کے قریب حملہ میں	زخمی ہونے کے بعد کہیں چلا گیا

۴ مئی یعنی قلعہ پر حملہ کا دن (سلطان کی شہادت اسی دن ہوئی)

نمبر شمار	عہدہ	نام	تاریخ	مقتول یا زخمی	تشریح از ٹائمس	مزید تشریح
۱	فوجدار	سید عبد[illegible] میر معین الدین یا	۴ مئی	مقتول	"	خطوط میں تشریح کی گئی ہے کرانی لکھتا ہے کہ زخمی ہو کر خندق میں گر کر مر گیا
۲	میر میراں	سید غفار	۴ مئی	مقتول	قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ پر جہاں انگریزی فوج قلعہ پر آئی۔	

نمبر شمار	عہدہ	نام	تاریخ	مقتول یا زخمی	تشریح از مصنف	مزید تشریح
۳	میر میران	سید شریف	۴ مئی	مقتول		
۴	"	محمد حسین بخشی	"	"		
۵	میر آصف[1]	میر محمد صادق	"	"	ان تینوں کو	
۶	"	سید محمد	"	"	سلطان کے	
۷	"	شیر خان	"	"	سپاہیوں نے قتل کر دیا ہے	کرمانی لکھتا ہے کہ اس کا پتہ ہی نہیں ... کا باشندہ تھا جو ... پور کے قریب ہے
۸	بخشی	غلام خداداد[2]	۴ مئی	مقتول	سلطان کے ساتھ انگریزوں سے جنگ کرتا ہوا شہید ہوا	

[1] میر آصف = وزیر

[2] غلام خداداد کے متعلق مقامی روایت ہے کہ جب آخر سلطانی ملازمت میں داخل ہوا تو سلطان نے اس کو اپنے باڈی گارڈ کا افسر بنایا تھا۔ ۴ مئی کے دن دوپہر سے مغرب تک سلطان کے پہلو بہ پہلو انگریزوں سے دست بدست جنگ کرتا رہا ہے۔ وہ آخری شخص تھا جو سلطان کے ساتھ آخر وقت تک تھا۔ سلطان کی شہادت سے پہلے غلام خداداد کی شہادت ہوئی تھی۔ اس کے بعد سلطان اکیلا ہو گیا۔ اگر کوئی باقی رہا تھا تو وہ اس کا ... غلام راجہ خان تھا۔ غلام خداداد کی شہادت بھی اسی جگہ ہوئی تھی جہاں سلطان کی شہادت ہوئی۔

نمبر شمار	عہدہ	نام	تاریخ	مقتول یا زخمی	تشریح اوٹسن	مزید تشریح
۹	بخشی	شیخ اسمٰعیل	۴ مئی	مقتول	قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ پہ	سید غفار کے بعد
۱۰	بخشی	سید عبدالبہا	۴ مئی		"	معلوم نہیں ہوا
۱۱	"	سید عبدالغمیر	"		"	کہ یہ دو نام دراصل کیا ہیں۔ انگریزی میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔ یعنی Bhanee Ghammun
۱۲		جہین بیگ تیغہ شیر بیگ	۴ مئی	مقتول "		
۱۳	میر توشن	سید بشیر	۴ مئی	"		
۱۴	سپہ دار	عبداللہ خان	"	"		
۱۵	"	سید محمد	"	"		
۱۶	"	سید شاہ علی	"	"		
۱۷	"	میر بدھن	"	[illegible]		
۱۸	"	شاہ محمد خان	"	[illegible]		
۱۹	"	محمد داؤد	"	[illegible]		

نمبر شمار	عہدہ	نام	تاریخ	مقتول یا زخمی	تشریح از بٹسن	مزید تشریح
۲۰	سپہ دار	سید محمد	۴ مئی	مقتول		
۲۱	〃	عبدالقادر	〃	〃		
۲۲	〃	محمد امام	〃	〃	جنگ سداسیر میں زخمی ہوا تھا اس بہادر افسر نے باوجود زخمی ہونے کے بھی سلطان کا ساتھ دیا۔	
۲۳	سپہ دار	محمد قاسم	۴ مئی	مقتول		
۲۴	〃	سید محمد	〃	〃		
۲۵	میر میراں	خان جہان خان	〃	〃		یہ تینوں نام شہیدوں کی فہرست میں بھی موجود ہیں
۲۶	〃	عبدالوہاب	〃	〃		
۲۷	〃	میر غلام حسین	〃	〃		
۲۸	میر خازن	سید امین	〃	〃		
۲۹	بخشی	عبدالقادر	〃	〃		
۳۰	〃	سید محی الدین	〃	〃		یہ اسم شہیدوں کی فہرست میں بھی موجود ہے
۳۱	سپہ دار	محمد باقر	۴ مئی	مقتول		

کل ۳۳ مقتول اور ۱۶ زخمی

"امن بن محمد درویش (جس کو فرانس بھیجا گیا تھا) مارا گیا۔ اور علی رضا کے چار رشتہ دار بھی مارے گئے (یعنی سلطان کے وفاداروں نے ختم کر دیا۔ محمود) ان کے علاوہ کئی شہری بھی اس معرکہ میں کام آئے" (ریٹسن)

مندرجہ بالا فہرست سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ سدا سیر اور ملولی کے معرکوں کو چھوڑ کر صرف ۴ مئی کے دن ۲۴ بڑے بڑے افسر مقتول ہوئے۔ ان میں تین کے متعلق یعنی میر صادق، سید محمد اور شیر خاں کے متعلق خود ریٹسن کو اقرار ہے کہ سلطان کے وفاداروں نے انہیں ختم کر دیا۔ دوسری تاریخوں میں میر معین الدین کا نام ملتا ہے۔ علی رضا کے چار رشتہ دار اور محمد درویش کے متعلق بھی شک نہیں رہا۔ باقی ناموں کے متعلق کہا نہیں جا سکتا کہ ان میں بھی کوئی غدار تھا یا نہیں۔ سید غفار کے نام کے متعلق شک نہیں۔ کہ وہ وفادار تھا۔ اسی طرح غلام خدا داد کا نام بھی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ یہ وہ جانباز افسر تھا جبکہ انگریزی فوج قلعہ اور شہر میں آ چکی تھی اور صرف شمالی فصیل پر سلطان لڑ رہا تھا۔ تو اس نے بھی ان سخت مایوس کن حالات میں سلطان کا ساتھ دیا اور اپنے دم واپسیں تک انگریزوں سے دست بدست لڑتا رہا۔ باقی افسر ممکن ہے کہ اسی فصیل پر یا دوسری جگہ کام آئے ہوں۔ فہرست میں چھوٹے افسروں کے نام نہیں ہیں۔ انگریزی حساب سے سلطانی سپاہ کی کل تعداد جو اس جنگ آزادی اور حفاظت وطن میں کام آئی۔ چار ہزار کے قریب ہے۔ اسلامی تاریخوں میں یہ تعداد بارہ ہزار کے قریب بتائی گئی ہے۔ اس میں شہریوں کی تعداد بھی شامل ہے۔ جو مسجد اعلیٰ میں اسی شام نماز

اس کے بعد بھی دو تین دن تک لوٹ اور غارت گری کے سلسلہ میں فاتح سپاہیوں کی درندگی کا نشانہ بنے تھے۔

فہرست نمبر ۲

ان سلطانی افسروں کے نام جنہیں انگریزوں نے پنشنیں دیں۔

کرنل ٹبسن اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۲ پر لکھتا ہے:-

گورنر جنرل کی ہدایت پر میسور کے معاملات طے کرنے کے لئے جو کمیشن مقرر ہوا تھا، اس کا اجلاس ۸ جون ۱۷۹۹ء کے دن ہوا۔ اور مندرجہ ذیل سلطانی افسروں کو پنشنیں دینا طے پایا۔

فسٹ کلاس:-

(۱) میر غلام علی خاں۔ میر صدور	تین ہزار پگوڈے سالانہ			ان میں پہلے تین افسروں کو پنشنیں دینے میں کمشنروں کو اس بات کا لحاظ تھا کہ انہوں نے انگریزوں کی خدمت کی تھی یا انگریزوں کے متعلق انکے خیالات اچھے تھے
(۲) میر غلام علی وکیل	"	"	"	
(۳) علی رضا	"	"	"	
(۴) بدر الزمان خاں	"	"	"	
(۵) سید محمد میر آصف	دو ہزار چار سو	"	"	

(نوٹ:- اس فہرست میں ٹبسن نے عمداً غلط بیانی سے کام لے کر مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ نمبر ۲ یعنی میر غلام علی وکیل کو تین ہزار پگوڈے سالانہ پنشن نہیں دی گئی۔ بلکہ اس کو صرف باون روپیہ ماہانہ کی پنشن ملی تھی۔ اس شخص کے حالات ڈسٹرکٹ گزیٹیر سیلم

مطبوعہ گورنمنٹ پریس مدراس ۱۹۱۰ء کے صفحہ ۲۲ پر ملتے ہیں اس میں لکھا ہے:[1]

میر غلام علی کو نواب حیدر علی نے ۱۷۸۸ء میں فرانس بھیجا تھا۔ یہ شخص چند سال بعد واپس آیا ۱۷۹۲ء میں یہ شخص سلطان کے شاہزادوں کے ساتھ مدراس میں تھا۔ شاہزادوں کی واپسی کے بعد سلطان نے اس کو محکمۂ بحر میں میر یم کا عہدہ دیا۔ زوال سلطنت کے بعد انگریزوں نے اس کو باون ۵۲ روپیہ ماہانہ کی پنشن دی ۱۸۱۲ء میں اس کو کشن گیری کے ضلع کا منصف بنایا گیا۔ وہ اس عہدے پر ۱۸۵۹ء تک رہا۔ اس کے بعد اس کو ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ کی پنشن دی گئی اس کا انتقال ۱۸۶۳ء میں کشن گیری میں ہوا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً ۹۷ سال کی تھی۔ اس کے خاندان میں ابھی تک بطور یادگار وہ تمغہ باقی ہے۔ جو شاہ فرانس لوی چار دہم نے اس کو دیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ بدالزماں خاں کے نام کو الزام سے بچانے کے لیے میر غلام علی وکیل کا نام بھرتی کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس فہرست میں سے میر غلام علی وکیل کے نام کو نکال دیا جائے۔ تو باقی چار نام ان اول درجہ کے غداروں کے ہیں جو سلطان کے وزیروں سے تھے۔ غلام علی خاں میر صدور (لنگڑا غلام علی) وہی غدار ہے جس کا نام کتاب سلطانی میں آیا ہوا ہے۔ اس شخص کو سلطان نے ترکی سفارت

---

[1] گزیٹر میں اس کا فوٹو اور اس تمغہ کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ جو شاہ فرانس نے اس کو دیا تھا۔

پر بھیجا تھا۔ اس کو جو ہدایات دی گئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو تاکید تھی کہ سلطان کے ارادوں سے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو آگاہ کرے۔ لیکن اس غدار نے ترکی میں انگریزی سفیر کو تمام رازوں سے آگاہ کر دیا۔ اور واپس آنے کے بعد بھی سلطانی رازوں سے انگریزوں کو آگاہ کرتا رہا۔ [illegible] بدر الزمان (وزیر جنگ) اہل نوائط سے تھے۔ سید محمد پہلے سرنگاپٹم کا قلعہ دار تھا۔ بعد میں میر آصف بنا۔ ان تمام غداروں نے انگریزوں کی پوری پوری مدد کی۔ فہرست میں میر قمر الدین سپہ سالار کا نام نہیں ہے جس کو ستر ہزار پگوڈہ سالانہ کی جاگیر دی گئی۔ میر معین الدین مر چکا تھا۔ ورنہ اس کو بھی جاگیر یا بڑی بڑی پنشن ملتی[١]۔ انگریزوں نے اس کے خاندان کو دو سو پگوڈے سالانہ کی پنشن دی۔ بٹسن لکھتا ہے۔ کہ اس کے خاندان میں اس وقت ۱۸ افراد تھے

سیکنڈ کلاس

(۱) خان جہان خاں[٢]	میر میراں	۲۰۰ پگوڈے سالانہ			
(۲) سید محی الدین	بخشی	״	״	״	ان میں آخر الذکر دو کو صرف
(۳) عبد الوہاب	میر میراں	״	״	״	اس لئے پنشن دی گئی کہ وہ
(۴) عبد القدوس	״	״	״	״	بدر الزمان خاں کے بیٹے
(۵) باقر علیخاں بن بدر الزمان خاں	۶۰۰	״	״	״	تھے۔ (ہ... ن)
(۶) ابو الحسن خاں بن بدر الزمان خاں		״			

---

١ خط نمبر ۲۰۰ دیکھا جائے۔ ٢ نواب خان جہان خاں فارسی کا بہت بڑا عالم تھا۔ جس نے "غرائب دہر" ایک ضخیم فارسی لغات زوال سلطنت سے ایک سال پہلے لکھنا شروع کیا تھا جو دس سال میں ختم ہوئی۔ "غرائب" تاریخی نام ہے۔ اس سے ۱۲۱۲ نکلتا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب قلمی ہی رہ گئی۔

(نوٹ :- اس فہرست میں پہلے تین نام زخمیوں کی فہرست میں بھی ملتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان کے وفاداروں نے انہیں قتل کرنا چاہا تھا لیکن یہ بچ گئے تھے)

متفرق کلاس

(۱) میر فتح الدین میر میراں	۴۲۰ پگوڈے سالانہ		یہ نام بھی زخمیوں کی فہرست میں ملتا ہے
(۲) سید یٰسین	۳۵۰	〃 〃	
(۳) شیخ محی الدین	۳۵۰	〃 〃	ان عہدہ داروں کو انکی
(۴) محمد حلیم	۳۵۰	〃 〃	پہلی تنخواہوں کا نصف
(۵) شیخ محمد	۳۵۰	〃 〃	بطور پنشن اس شرط پر دیا
(۶) سید شاہ عباس	۳۵۰	〃 〃	گیا۔ کہ وہ عمدہ چال چلن کے
(۷) محمد اسماعیل	۲۸۰	〃 〃	رہیں اور یہ پنشن صرف اس وقت
(۸) الہ محمد	۲۸۰	〃 〃	تک ملے گی جب تک انہیں
(۹) پیر ابراہیم	۳۱۵	〃 〃	اتحادی حکومتیں یا میسور کی
(۱۰) محمد سعید	۳۱۵	〃 〃	نئی ریاست میں کوئی دوسری
(۱۱) محمد اسماعیل	۳۱۵	〃 〃	ملازمت نہ دی جائے۔
(۱۲) حافظ محمد خاں	۳۱۵	〃 〃	(ٹبسن)
(۱۳) محمد حسین	۲۱۰	〃 〃	

نوٹ :- یہ تمام پنشنیں جس خدمت کا صلہ تھی۔ اس کے متعلق صراحت

کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ ان تمام فہرستوں میں ایک ہندو افسر کا نام بھی نہیں ہے۔ بٹسن نے ان غداروں کے نام بھی نہیں دیئے ہیں۔ جنہیں میسور کی نئی ریاست میں غداری کے صلہ میں ملازمتیں دی گئی تھیں۔ ان غداروں میں سب سے زیادہ نمایاں نام "پورنیا" کا ہے۔ جس کو نئی ریاست کا دیوان بنایا گیا۔ یہ غدار ۱۸۱۲ء میں سرنگاپٹم میں مرگیا۔

سلطان کے غلام راجہؒ خاں کو ریاست میں راجہ کی ملازمت میں بخشی کا عہدہ دیا گیا۔ لیکن چند دن بعد ہی یہ بیمار ہو کر میسور سے ارکاٹ جاتے ہوئے راستہ میں مرگیا۔ اس کی لاش میسور لاکر کولس گارڈن کے دروازے کے قریب دفن کی گئی۔ اس کو کرملا کولہ میں کچھ زمین بھی دی گئی تھی۔ بہرطور جب یہ غدار مرگیا۔ تو اس وقت سرنگاپٹم کے ایک ظریف شاعر نے جو میسور میں تھا۔ یہ قطعہ لکھا تھا

راجہ خاں اپنی جان بچانے کے واسطے
میسور چھوڑ راہی ہوا آرکاٹ کا
اتنے میں آکے جلد کری اس کو جب قضا
دھوبی کا گدھا گھر کا ہوا اور نہ گھاٹ کا

پنشن کی فہرستوں میں محمد مہدی نہکری کا نام بھی نہیں ہے جس نے ۱۷۹۱ء

لہ یہ ایک نو مسلم مرہٹہ تھا۔ اس کا پہلا نام راجہ راؤ تھا۔

کی جنگ میں غداری کی تھی۔ ممکن ہے۔ کہ اس وقت تک وہ مرچکا ہو۔ یا فہرست مکمل نہیں ہے۔ کیونکہ پنشنیں دینے کے لئے جو رقم منظور ہوئی تھی۔ وہ چالیس ہزار پگوڈوں کی تھی۔ البتہ میسور کی نئی ریاست میں ۲ مسلمانوں کو ملازمت دی گئی۔ ان میں باقر علی خاں، غلام محی الدین نہکری، احمد خاں، چھوٹے راجہ خاں اور قاضی سید علی کے نام ملتے ہیں۔ انہیں میسور کی نئی ریاست کی صدر عدالت میں جج مقرر کیا گیا تھا۔

بہر طور ان فہرستوں سے صاف ثابت ہے۔ کہ ایک نہایت گہری اور منظم سازش تھی۔ جو سلطان کے خلاف کی گئی۔ جس کی وجہ سے اس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور یہ بھی تعجب سے دیکھا جائے گا۔ کہ اس وسیع سلطنت میں جس میں صدہا قلعے تھے۔ اور ہر قلعہ میں فوج موجود تھی۔ دوران جنگ میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ حالانکہ انگریزی مورخوں کے قول کے مطابق تمام فوجی سپاہی خصوصاً احمدی سلطان کے بے حد وفادار تھے۔ بات یہ ہے۔ کہ غدار وزرا نے سلطان کے نام سے احکام بھیج دئے تھے۔ کہ سلطانی حکم کے بغیر وہ اپنا مقام نہ چھوڑیں۔ بٹسن اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۵ پر لکھتا ہے:۔

" تمام سلطنت پر نہایت آسانی سے قبضہ ہوگیا۔ اور کسی جگہ کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ سلطانی قانون کے مطابق تمام بڑے افسروں کے اہل وعیال پایہ تخت میں رہتے تھے (اس لئے اپنے اپنے اہل وعیال کے خیال سے کسی نے کوئی حرکت نہیں کی)"

گو یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ سازشوں کی وجہ سے انگریزی فوج نے اچانک

سرنگاپٹم پہنچکر محاصرہ کر لیا تھا۔ اور یہ محاصرہ ۵ر اپریل سے ۴ر مئی تک رہا۔ اس ایک ماہ کے عرصہ میں سپہ سالار میر قمرالدین بہت کچھ کر سکتا تھا لیکن یہ خود انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ لیکن یہ ابھی تک ایک معمہ ہے۔ کہ سلطان کا سب سے بڑا فرزند شاہزادہ فتح حیدر نے جو وارث سلطنت اور سپہ سالار بھی تھا۔ کچھ نہیں کیا۔ اور قلعہ جانے کے بعد بھی (یعنی سلطان کی شہادت کے بعد) جب میر میران سید ناصرالدین اور ملک جہان خاں نے اس سے کہا۔ کہ صرف سرنگا پٹم کا ایک قلعہ گیا ہے۔ باقی وسیع سلطنت اور اس کے ذرائع اور فوج ہمارے ساتھ ہے۔ تو جنگ جاری رکھی جائے۔ فتح حیدر نے (بقول کرمانی) نزاکت حالات اور بیعانۂ شور کا احساس کرتے ہوئے ان کی بات قبول نہیں کی۔ انگریزوں نے پورنیا اور میر قمرالدین کو قول نامہ دے کر اس کے پاس بھیجا۔ نشان حیدری سے معلوم ہوتا ہے کہ قول نامہ کے ذریعہ اس کو تاج و تخت کا یقین دلایا گیا تھا۔ شاہزادہ نے اطاعت کر لی۔ لیکن جب اس خاندان کو تاج و تخت سے محروم کر دیا گیا۔ تو شاہزادہ نے انگریزی کمیشن کو قول نامہ پر توجہ دلائی۔ لیکن انگریزوں نے اس قول نامہ کی دوسری ہی توجیہ کی۔ اور اس بدقسمت خاندان کو پنشن دے کر ویلور کھینچا گیا۔ اور پھر یہاں سے کلکتہ کو۔

ؔ سلطانی فوج کی کل تعداد کرک پیٹرک کے حساب سے ایک لاکھ اسی ہزار تھی بٹسن کے حساب سے سرنگاپٹم میں قلعہ کے اندر چودہ ہزار فوج مقیم تھی قلعہ سے باہر تقریباً اکیس ہزار جو فتح حیدر اور قمرالدین وغیرہ کے ماتحت تھی۔ اور باقی تمام مملکت کے اور قلعوں میں مقیم تھی۔

ملک جہان خانؒ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ یہاں سے نکل کر کچھ فوج تیار کی اور تقریباً دو سال تک انگریزوں سے لڑتا رہا۔ چونکہ اس کے پاس کوئی قلعہ اور دوسرے ذرائع نہیں تھے۔ اس کو شکستیں ملیں۔ اور آخر دو سال کے بعد کوٹلہ بھنور کی لڑائی میں شہید ہو گیا۔

عجم اور سلطنت خداداد

اس کتاب میں میر صادق، میر غلام علیؑ[1]، میر معین الدین، میر قمر الدین بدرالزمان خان نائطہ اور محمد مہدی نکہری کے نام آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں نے کسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ ع :-

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس باب میں میں اسی مصرعہ کی تشریح کرنا چاہتا ہوں جس چراغ سے اسلام کے گھر کو آگ لگ گئی۔ اس کا نام ہے :-

"عجم"

یہ عجم ہی ہے جس نے شروع سے لے کر اب تک اسلام میں رخنے ڈالے[2] اور اسلامی سلطنتوں کو تباہ کر دیا۔ میں یہاں خلافت بنی امیہ۔ خلافت عباسیہ یا سلطنت مغلیہ کے واقعات لکھنا نہیں چاہتا۔ کہ یہ حکومتیں کس طرح عجم کے ہاتھوں

---

[1] میر صادق اور میر غلام علی دونوں شیعہ تھے۔

[2] اسلام کی تاریخ پر اگر خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے افتراق کا ذمہ وار تقریباً سو فی صدی عجم ہے۔ اور یہی افتراق مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب ہے۔

تباہ ہوئیں۔ یہ سلطنت خدا داد کی ایک تاریخ ہے ۔ اس سلطنت کی تباہی میں عجم نے جو حصہ لیا ۔ میں اس کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔

سلطنت خدا داد کی تباہی میں عجم کا بہت زبردست ہاتھ ہے جس طرح دوسری اسلامی حکومتیں عموماً اور دکن کی اسلامی حکومتیں خصوصاً، عجم کے ہاتھوں تباہ ہوئیں، تاریخ نے انہیں واقعات کو اس سلطنت میں بھی دہرایا

"میر"[1] ایک خطاب ہے ۔ جو ان مسلمانوں نے اختیار کیا۔ جو عرب و عجم کی مخلوط پیدا وار تھے ۔ عرب میں خطاب "سید" کا رواج اسلام کے ساتھ ساتھ آیا۔ اور یہ خطاب اہل بیت کے لئے مخصوص تھا۔ عجم نے عرب کو نیچا دکھانے کے لئے جن حربوں کو استعمال کیا۔ ان میں ایک یہ بھی تھا ۔ کہ عرب و عجم کے اتصال سے جو اولاد پیدا ہوئی ۔ اس کو میر کا خطاب دیا۔ جو خالصتہً ایک فارسی لفظ ہے ۔ مگر سید کے ہم معنی ہے ۔

عجم کا سب سے بڑا حربہ "سازش" ہے ۔ جس سے اس نے بہت بڑا فائدہ اٹھایا۔ اسی سازش نے بنی امیہ ۔ بنی عباس اور دوسری اسلامی سلطنتوں کا تختہ الٹ دیا۔ اسی لئے ایک مورخ کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ :۔

"عجم گھن کا کیڑا تھا ۔ جو عصائے اسلام کو اندر ہی اندر کھا گیا"

---

[1] میر۔ خطاب میر کی ابتدا اس طرح ہوئی ۔ کہ جس لڑکے کا باپ عجمی اور ماں سیدہ ہو تو اس کو میر کہا گیا ۔ اسی طرح جنوبی ہند میں جس لڑکے کا باپ شیخ اور ماں سیدہ ہو تو اس کے نام کے ساتھ شریف استعمال ہوتا ہے ۔

کرنول
گوتی
کڑپہ
نلور
چتوڑ
ارکاٹ
کولار
مدراس

لہذا جو اثر شروع سے خون میں آچکا تھا۔ اس سے ہندوستان میں آئے ہوئے "میر" کس طرح علیحدہ رہ سکتے تھے۔ بنگال کا میر جعفر، حیدرآباد کا میر عالم اور میسور کا میر صادق اس کی بین مثالیں ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں، یہ میر ہی تھے جنہوں نے سازشوں سے ہندوستان کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم۔ ننگِ دیں۔ ننگِ وطن (اقبال)

عجم نے عراقیوں میں "نسلی حربہ" امتیاز حسب و نسب اور رنگ و خون بھی پیدا کیا۔ اسلام نے اس کو عرب میں مٹا دیا۔ عجم نے پھر اس کو زندہ کیا۔ اور اس نظریہ کو ہندوستان میں پھیلانے والے وہ "اہلِ نوائط" ہیں۔ جو عجم (کوفہ) سے ہندوستان آئے۔

ان اہلِ نوائط کے متعلق کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں خود اہلِ نوائط کی تاریخ "سعادت نامہ"[1] کے حوالے اور نوائط کے بہت سے افراد کی زبانی تصدیق کر کے اس طرح لکھتا ہے:-

"پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجاج بن یوسف نے جو خلیفہ عبدالملک بن مروان کی جانب سے عراق کا گورنر تھا۔ اور جو اپنے ظلم و ستم کے لئے مشہور ہے، چند معزز اور مالدار افراد بنی ہاشم کو اس قدر ستایا کہ وہ اپنا وطن کوفہ (جو اس زمانہ کا مشہور شہر تھا۔ اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے نزدیک اور دریائے فرات کے مغربی کنارے پر ہے) چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اور یہاں کے

---

[1] سعادت نامہ، کرناٹک کے پہلے نائطہ نواب محمد سعید عرف سعادت اللہ خاں کی تاریخ ہے اور خود اہلِ نوائط کی لکھی ہوئی ہے۔

باشندوں کی مہربانیوں سے اپنے اہل وعیال اور سامان وغیرہ ساتھ لیکر نکلے۔ اور خلیج فارس کے کنارے آکر جہازوں پر سوار ہو کر ہندستان آئے۔"

پھر آگے چل کر دلکس لکھتا ہے:۔

کوفہ سے نکل کر بنی ہاشم کا یہ خاندان ہندوستان کے اس حصّے میں پناہ گزیں ہو گیا جس کو کوکن کہا جاتا ہے۔ اور یہاں یہ نوآیت کہلائے جس کی معنی نئے آنے والے کے ہیں۔ یہ لفظ فارسی اور مرہٹی زبان کا مخلوط لفظ ہے۔ جس کے معنی فارسی لفظ "نو" سے نیا" اور مرہٹی لفظ آیت" سے آنے والا ہے۔[۱]

---

[۱] اس لحاظ سے اس لفظ کی صحیح ہجہ "ت" سے نوایت ہوتی ہے۔ لیکن تمام کتابوں میں شروع سے آخیر تک اس لفظ کو "ط" سے نوائط لکھا گیا ہے۔ اسی۔ لئے میں نے بھی موخر الذکر ہجہ کو برقرار رکھا ہے۔ مورخ طبری نے اس لفظ کی معنی "ملاح" کے لکھے ہیں۔ اہل عراق وعجم عرصہ دراز سے ہندستان کے ساحلوں پر تجارت کے لئے کشتیوں میں آتے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں سے، نوائط بمعنی ملاح کہتے ہوں۔ اور اس کی تادیل ہندوستان میں نوآیت ہوئی ہو۔ مرہٹی زبان میں نیا کو نوا اور آنے والے کو آیتا کہتے ہیں۔ اس لئے جنوبی ہند میں "نوایتا" بہت زیادہ مروج ہے۔ دونوں لفظ اپنے اپنے معنی کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ لفظ نوائط کی جو دوسری تادیلیں کی گئی ہیں۔ وہ روایت اور درایت کے لحاظ سے بالکل غلط ہیں۔ زیادہ وضاحت کے لئے میری کتاب "تاریخ جنوبی ہند" دیکھی جائے۔ (بقیہ نوٹ دیکھو صفحہ ۳۳۳ پر)

ان لوگوں نے اپنے حسب و نسب اور خون کو آمیزش سے پاک رکھنے کے لئے، عام مسلمانوں کے بڑے بڑے خاندانوں تک میں شادی کرنے سے انکار اور احتراز کیا۔" (صفحہ ۱۵۰)

سعادت نامہ کی اس روایت کو جس کی خود اہلِ نوائط نے تصدیق کی ہے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھنا یہ ہے۔ کہ جو لوگ کوفہ سے نکل کر ہندوستان آئے۔ وہ بنی ہاشم تھے۔ یا کوئی اور۔"

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۲) ولکس کی تاریخ اور تزک والاجاہی میں لکھا ہے کہ اہلِ عرب و عجم جو تجارت کیلئے جنوبی ہندوستان میں آئے۔ ان کی اولاد جنوب مشرقی ساحل پر رہے مالابار میں موپلا اور کوکن یعنی مرہٹواڑی میں نوائط کہلائی۔ اس آخرالذکر لفظ کا اطلاق ان تمام خاندانوں پر ہوتا ہے۔ جو مرہٹواڑی میں آباد ہوئے یعنی بیوپاری، ملاح اور پناہ گزینوں نے یہاں کی ملکی عورتوں سے شادیاں کیں اور جو اولاد ہوئی۔ وہ ملکی قانون "مرماکتائیم" کی رو سے ماں کے خاندان سے منسوب ہوئی جیسے پھالٹے، پھٹانے، چمکر، موتھے، گرٹے، چپیدے، اور گھاٹے وغیرہ۔ یہی نام آج بھی خالص ہندو و مرہٹہ خاندانوں میں ملتے ہیں۔ طاہر بھی ایک ایسا ہی خاندان ہے۔ جو شاہ طاہر دکنی کی وجہ سے طاہر کہلایا۔ اس خاندان کے متعلق نظام الملک اول کا مقولہ ہے۔ شاہ طاہر کی طرف سے یہ طاہر ہوئے۔ ورنہ دمرای کے پٹھانے ہی ہیں۔ نہکر وہ بھی نوائط کا ایک خاندان ہے جو نہکر (شمالی مرہٹواڑی کے ایک) گاؤں سے منسوب ہے۔ بہت ممکن ہے۔ کہ ان نووارد وں میں چند لوگ ایسے بھی ہوں۔ جو اہلِ و عیال کیساتھ آئے ہوں۔

• • • • • • • • • •

• • • • • ۔۔ اور ان کی نسل ہندوستان میں مخلوط نہ ہوئی ہو۔ اور یہ بھی سچ ہے۔ کہ انہوں نے دوسرے مسلمانوں میں شادیوں سے احتراز کیا۔ جیسا کہ آجکل بھی دیکھا جاتا ہے۔"

اہلِ نوائط کی اس روایت میں کہا گیا ہے۔ کہ حجاج بن یوسف کے ظلم سے بچنے کے لئے یہ لوگ ہندوستان آئے۔ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ حجاج بن یوسف کا زمانہ ۷۲ھ کا ہے۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے گیارہ سال بعد کا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی (جو خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے) شہادت ۶۱ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد اہلِ بیت کو یزید نے بہ اعزاز و اکرام حجاز بھیج دیا۔ یزید کا انتقال ۶۴ھ میں ہوا۔ اس کے بعد معاویہ بن یزید نے چند دن کے بعد خلافت سے دست برداری حاصل کر لی۔ اسی سال ذی الحجہ میں مروان خلیفہ ہوا۔ اور رمضان ۶۵ھ میں اس کی وفات پر عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا۔

یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ مکہ معظمہ میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ تو دوسری جانب کوفہ میں مختار ثقفی قاتلان حسین سے بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بنی ہاشم سے سازباز شروع کر دی اور اس کام کے لئے اس نے اپنے ایجنٹوں کو مکہ روانہ کیا۔

اب بنی ہاشم کے رویہ کو دیکھئے۔ اس خاندان کے معزز افراد یا سردار مندرجۂ ذیل تین اصحاب ہیں:۔

(۱) حضرت امام زین العابدین۔ (۲) حضرت ابن عباس۔ (۳) حضرت محمد بن حنیفہ۔

ان تینوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت نہیں کی۔ بلکہ بالکل غیر جانبدار رہے۔ ۷۲ھ ذیقعدہ میں عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو حضرت ابن زبیرؓ کے

مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس نے کعبہ پر آتش زنی اور سنگ باری کی، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے۔

اس وقت حضرت زین العابدینؒ۔ محمد بن حنیفہ اور حضرت ابنِ عباس کہ یہیں ہی مقیم تھے[1]

اس لئے حجاج بن یوسف پر یہ الزام کہ اس نے بنی ہاشم پر مظالم کیے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ اب دوسرا واقعہ مختار ثقفی کا دیکھئے۔

" مختار کے ایجنٹ نے جب مکہ آکر قاتلانِ حسینؓ سے بدلہ لینے میں بنی ہاشم کی مدد چاہی۔ تو حضرت امام زین العابدینؒ نے اس کی درخواست قبول نہیں کی بلکہ اس کی مخالفت کی۔" (سیر الصحابہ جلد ششم۔ صفحہ ۲۶۲)

" مختار ثقفی نے یہ تحریک اپنی خاص سیاسی مصلحتوں کو مدِنظر رکھ کر شروع کی تھی۔ کوفی اس کے ساتھ مل گئے۔ جو تمام تر عجمی تھے۔"

(سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۲۶۶)

ان مذکورہ بالا تحریروں سے صاف ثابت ہے۔ کہ بنی ہاشم مکہ یا مدینہ چھوڑ کر کہیں باہر نہیں گئے۔ اور اس سلوک کو جو ابھی گیارہ سال پہلے ان کوفیوں نے حضرت امام حسینؓ اور اہل بیت سے کیا تھا، دیکھتے ہوئے، قیاس میں بھی نہیں آسکتا۔ کہ بنی ہاشم پھر کوفہ جائیں۔ لہٰذا یہ روایت قطعاً غلط ہے۔ کہ حجاز میں حجاج بن یوسف کے مظالم سے تنگ آکر بنی ہاشم کوفہ آگئے ہوں۔ اور پھر کہا جاتا ہے

---

[1] سیر الصحابہ جلد ششم۔ صفحہ ۲۷۰ (دار المصنفین اعظم گڑھ)

کہ یہاں بھی جب حجاج کے مظالم شروع ہوئے۔ تو یہ ہندوستان آگئے۔

اوپر ثابت کیا گیا ہے۔ کہ بنی ہاشم حجاز چھوڑ کر باہر نکلے ہی نہیں۔ نیز یہ کہ حجاج نے ان پر کوئی ظلم ہی نہیں کیا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اس وقت عبداللہ بن زبیرؓ یا مختار ثقفی کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں۔ کہ حجاج نے ابن زبیرؓ کے معاملہ سے فارغ ہوکر کوفہ کی گورنری سنبھالی۔ اور یہاں ان لوگوں سے انتقام لیا۔ جو مختار ثقفی کے حلیف تھے۔ یہ لکھا جاچکا ہے۔ کہ مختار کا ساتھ دینے والے تمام عجمی کوفی تھے۔ حجاج نے انہیں سے انتقام لیا[1]۔ سیر الصحابہ جلد ششم میں حضرت ابن زبیرؓ کے حالات دیکھے جائیں۔ تو نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ:۔

"حجاج جب کوفہ کا گورنر ہوا۔ تو اُس نے کوفہ والوں سے بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ ان عجمیوں سے بدلہ لیا۔ جو مختار کے ساتھی تھے۔ اور بنی اُمیہ کے مخالف"،

---

[1] حضرت امام حسینؓ کے حالات میں پتہ ملتا ہے۔ کہ کوفی پہلے تو حضرت امام حسینؓ کے طرفدار تھے۔ اور انہوں نے امام کو کوفہ بلایا تھا۔ لیکن جب یزید کے گورنر عبداللہ بن زیاد نے سیم و زر کی تھیلیاں پیش کیں۔ اور ڈرایا دھمکایا۔ تو انہوں نے ہوا کا رُخ دیکھ کر حضرت مسلمؓ کو جو امام حسینؓ کے سفیر تھے شہید کر دیا۔ اور بعد میں انہی لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کو بھی شہید کیا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد جب بنی اُمیہ کے خلاف مختار ثقفی نے قاتلانِ حسینؓ سے انتقام لینے کا دعویٰ کیا۔ تو سوائے چند کے جن کو مختار نے قتل کیا۔ باقی قاتلانِ حسینؓ اس کے ساتھ مل گئے۔ اور یہی وہ لوگ تھے۔ جن سے حجاج نے انتقام لیا (نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ کوفہ سے بھاگے وہ بھی قاتلانِ حسینؓ تھے) (تفصیل کے لئے سیر الصحابہ جلد ششم دار المصنفین دیکھی جا)

سعادت نامہ کی روایت کو سامنے رکھ کر اوپر دیئے ہوئے تاریخی واقعات کو دیکھیں۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ یہ بنی ہاشم نہیں تھے۔ جو ہندوستان بھاگ کر آئے۔ بلکہ کوفی اور عجمی تھے۔ اب رہا نسب نامہ۔ تو یہ تو ولکس کے قول کے مطابق ہمیشہ سے دستور رہا ہے۔ کہ مسلمانوں میں جو شخص بھی مالدار ہوا، نسب نامہ تیار کرنے لگا۔ اس لحاظ سے بنی ہاشم سے۔ قریش سے۔ یا کسی اور سے نسب جوڑنا کوئی مشکل امر نہیں تھا (اور آج بھی نہیں ہے)

بہرطور یہ لوگ جو کوفہ سے آئے۔ مرہٹواڑہ میں اقامت گزیں رہے۔ لیکن جب دکن میں اسلامی (بہمنی) سلطنت قائم ہوئی۔ تو ان کی غریب الوطنی اور علم و فضل کو دیکھ کر ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ اور بڑے بڑے عہدے ملنے شروع ہوئے۔ اور ان لوگوں کو "ولایتی" بھی کہا جاتا تھا۔ (کیونکہ اس زمانہ میں ولایت سے مراد عجم تھا) رفتہ رفتہ جب ان لوگوں نے سلطنت کے اندر کافی اثر و اقتدار حاصل کر لیا۔ تو دکن کے قدیم مسلمان امرا کی (جن سے اس سلطنت کی بنیاد پڑی تھی) حسب و نسب کے اعتبار پر تحقیر کرنی شروع کی۔ اور واقعی ہوا بھی یہ کہ آخری بہمنی سلاطین نے انہیں اپنے درباروں میں بجائے بائیں بازو کے، جہاں اب تک ان کی نشست تھی۔ دائیں بازو اور دکن کے قدیم مسلمان اُمراء کو بائیں بازو پر جگہ دی۔ دکنی اُمرا اس تحقیر کو برداشت نہ کر سکے۔ اور ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ دربار کے اندر، اور باہر ہر جگہ آویزش شروع ہو گئی دونوں جانب کے طرف داروں میں اتنی لڑائیاں ہوئیں کہ گلبرگہ کی گلیاں روزانہ خون میں رنگی جانے لگیں۔ اس خانہ جنگی نے آخر بہمنی سلطنت کو ختم ہی کر کے چھوڑا۔

جو جہاں تھا۔ وہ وہاں آزاد ہو گیا[1]

اس طرح بہمنی سلطنت کے خاکستر پر جو پانچ سلطنتیں قائم ہوئیں۔ وہ بیدر۔ ورنگل۔ احمد نگر۔ بیجا پور اور گولکنڈہ ہیں۔ یہ ایک ان سلطنتوں میں منتشر ہو گئے۔ لیکن یہاں بھی وہی رقابت اور وہی خانہ جنگیاں رہیں۔ اور ان سلطنتوں کی ایک دوسری سے آویزش بھی انہیں کی رہین منت ہے۔ یہاں تک کہ ان سلطنتوں کا خاتمہ یکے بعد دیگرے۔ عالمگیر اورنگ زیب کے ہاتھوں ہوا۔ اور اس خاتمہ میں جن لوگوں کا ہاتھ تھا۔ وہ بھی اہل نوائط تھے۔ جنہوں نے غداری کر کے انہیں عالمگیر کے حوالے کیا[2]

دکن کی فتح کے بعد جب عالمگیر نے جنوبی ہند فتح کیا۔ تو انتظامی لحاظ سے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ مغربی حصہ کو جس میں میسور شامل ہے۔ بالا گھاٹ اور مشرق کے ساحلی حصہ کو پائین گھاٹ[3] کا نام دیا۔ اور انتظام کے لئے دو نوابیاں سرا[4] اور ارکاٹ[5] میں قائم کی گئیں۔

دکنی سلطنتوں سے غداری کا کچھ نہ کچھ ثمر تو اہل نوائط کو بھی ملنا ہی تھا۔ اور

[1،2] ۔ ان واقعات کے لئے دکن کی تاریخیں یا کم از کم انگریزی تاریخ ہسٹورک لیانڈ مارکس آف دی دکن دیکھی جائے۔

[3] ۔ گھاٹ کی معنی پہاڑی کے ہیں۔

[4] ۔ سرا علاقہ میسور میں بنگلور سے ستر میل شمال میں واقع ہے۔

[5] ۔ ارکاٹ ۔ مدراس علاقہ میں ویلور کے قریب ہے۔

چونکہ عالمگیر کی فوجوں کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند بھی آئے، انہیں یہاں بڑے بڑے عہدے ملے۔ یہاں تک کہ جب مغل سردار داؤد خاں، جو دکن اور جنوبی ہند کا فوجدار (وائسرائے) تھا۔ جنوبی ہند سے شمالی ہند کو، اورنگ زیب کی جانشینی کے جھگڑوں کے سلسلے میں واپس طلب کیا گیا۔ تو اس نے ارکاٹ کی نوابی ان ہی اہل نوائط کو تفویض کر دی۔ اس طرح ارکاٹ کا پہلا نائط نواب محمد سعید عرف سعادت اللہ خاں ہوا۔ سرا کی نوابی دہلی کے ہی یکے قدیم خاندانوں میں تھی۔ مغلیہ سلطنت کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر محمد سعید نے چاہا کہ سرا پر بھی قبضہ کر لے۔ اور اس سلسلہ میں ارکاٹ اور سرا میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔" (تاریخ میسور از ولکس صفحہ ۱۵۴)

ابھی اس بات کو چند ہی سال گزرے تھے کہ نظام الملک آصف جاہ اول، دکن کا وائسرائے یا گورنر جنرل مقرر ہو گیا۔ اور اس حیثیت سے سرا اور ارکاٹ کی نوابیاں بھی اس کے ماتحت آ گئیں (نظام الملک آصف جاہ اول کو سلطنت مغلیہ کے زوال میں مؤرخ چاہیں جس قدر بھی الزام دیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کی زبردست سیاست اور فوجی مہارت نے دکن اور جنوبی ہند کو مرہٹوں کے قبضہ میں جانے سے بچا لیا) اس کی دوربین آنکھوں نے دیکھ لیا تھا کہ دکن ہو یا خاص جنوبی ہند، یہاں مسلمانوں کی خانہ جنگی کا باعث (یعنی سرا اور ارکاٹ کی آویزش) صرف اہل نوائط ہیں۔ اس نے ان کو ختم کر دینا چاہا۔ اور موقع کی تلاش میں رہا۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں یعنی ۱۷۳۲ء میں ارکاٹ کے پہلے نواب سعادت اللہ خاں کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کا لڑکا دوست علی بغیر نظام الملک سے منظوری حاصل کئے مسند نشین ہو گیا۔[1] نظام الملک اس کارروائی سے برافروختہ تو ہوا۔ لیکن

---

[1] ولکس صفحہ ۱۵۴

شمالی ہندوستان یعنی دِلّی کے معاملات اس طرف پوری طرح توجہ مبذول کرنے سے باز رکھتے تھے۔ لیکن وہ بالکل غافل بھی نہیں رہا۔ یہ آسی کی سیاست تھی کہ ان کے "حسب ونسب اور رنگ و خون کے غرور" کو توڑنے کے لئے عام مسلمانوں میں ان کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی۔ اور ہر جگہ نوائط پر آوازے کسے جانے لگے خود نظام الملک کا یہ مقولہ ابھی تک زبان زد عوام ہے۔

شاہ طاہر کی طرف سے یہ ظاہر ہوئے ورنہ دمڑی کے پھٹانے ہی تھے

(طاہر اور پھٹانے، نوائط خاندانوں کے نام ہیں۔ دمڑی ایک پائی کو کہا جاتا ہے۔ اور مدراس علاقہ میں اب بھی پائی کے لئے یہی لفظ مروج ہے۔ پھٹانے بھنے ہوئے چنوں کو کہتے ہیں)

نظام الملک، جب نادر شاہ کے حملہ کے بعد، دلّی کے معاملات سے فارغ ہو کر دکن آیا۔ تو اُس کو ایک موقع خود بخود حاصل ہو گیا۔ یہ موقع اس طرح حاصل ہوا کہ خود اہلِ نوائط کے دو خاندانوں میں، جو ویلور اور ارکاٹ میں تھے، سازشیں اور رقابتیں شروع ہو گئیں۔

"ویلور میں بہن نے اپنے شوہر مرتضٰی علی کو ارکاٹ کی نوابی دلانے کے لئے، اپنے حقیقی بھائی صفدر علی[ا] کا جو ارکاٹ میں نواب تھا۔ زہر دے کر خاتمہ کر دیا۔ لیکن اُس کی یہ اُمید بر نہ آئی۔ صفدر علی کا انتقال

[ا] صفدر علی۔ ارکاٹ کا تیسرا نائط نواب تھا۔ اس کا ایک بہنوئی مرتضٰی علی تھا۔ اور دوسرا چندا صاحب ہے۔ جو کرناٹک کی مشہور شخصیت ہے۔ یہ فرانسیسیوں کا طرف دار تھا۔

ہوتے ہی ارکاٹ والوں نے اس کے شیر خوار بچے کو مسند پر بٹھا دیا۔ ویلور والوں نے اس کی مخالفت کی تو ارکاٹ والوں نے نظام الملک سے مدد چاہی۔ نظام الملک جو موقع کی تلاش میں تھا۔ ارکاٹ آیا۔ اس نے یہاں دیکھا کہ نوائطوں کا ہر خاندان اپنے آپ کو نواب کہتا ہے۔ اس نے تمام دعویداران مسند کو اپنے سامنے طلب کیا۔ اور اپنے چوبداروں کو حکم دیا کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو نواب کہے اس کو پیٹا جائے چنانچہ اس دن اس قسم کے اٹھارہ نوابوں کو پیٹا گیا۔" (تاریخ میسور از ولکس صفحہ ۱۵۰)

غرض نظام الملک نے آخر میں فیصلہ کیا کہ ارکاٹ کی نوابی صفدر علی کے ننھے بچے محمد سعید کو دی جائے۔ اور سرپرستی کے لیے اس نے پہلے خواجہ عبداللہ کو اور بعد میں انوارالدین کو مقرر کیا لیکن اس بچے کو بھی چند دن کے بعد قتل کر دیا گیا۔ بعض نوائط اس کا الزام ویلور کے مرتضیٰ علی پر رکھتے ہیں۔ جو پہلے سے دعوے دار مسند تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ محمد حسین طاہر نے قتل کرادیا۔ بہر طور یہ بچے کا قتل خود اہل نوائط کے ہاتھوں ہوا۔ اگرچہ انوارالدین کا نام بھی اس سلسلہ میں ملوث کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی نوائط کی نوابی کا بھی خاتمہ ہو گیا کیونکہ اس واقعہ کے بعد نظام الملک نے ارکاٹ کی نوابی انوارالدین کے نام منتقل کر دی۔

جب نوابی ختم ہو گئی۔ تو اہل نوائط کے کچھ خاندانوں نے تو انوارالدین کی ہی ملازمت اختیار کر لی کچھ حیدرآباد گئے۔ اور کچھ میسور آکر نواب حیدر علی کے ملازم ہوئے۔ (اس کتاب میں بدر الزمان خاں، تہنیت علی۔ رضا صاحب، محمد مہدی مہکری وغیرہ کے جو نام آئے ہیں یہ وہی اہل نوائط ہیں۔ جن کے خاندان

ارکاٹ اور ویلور وغیرہ سے آکر یہاں آباد ہوئے)

حکومت حیدری یعنی ٹیپو در آنے کے بعد، چند سال تو خاموشی رہی۔ اور جب ان کے قدم جم گئے۔ تو انہوں نے اپنی نظرت سے مجبور ہو کر یہاں بھی وہی حسب نسب اور رنگ، و خون کا سوال اُٹھایا۔ اور ان کا پہلا وار نفضل اللہ خاں، ہیبت جنگ[1] پر پڑا۔ ولکس اپنی تاریخ میسور کے صفحہ ۲۶۰ پر لکھتا ہے:۔

فضل اللہ خاں، ہیبت جنگ دلی کے ایک قدیم خاندان سے تھے سرا کی نوابی اسی خاندان میں تھی۔ یہ سرا کے آخری نواب دلاور خاں کے داماد تھے۔ مرہٹوں نے جب سرا پر قبضہ کیا، تو دلاور خاں کو ایک چھوٹی سی جاگیر دے کر علیحدہ کر دیا۔ نفضل اللہ خاں اسی جاگیر میں ایک مختصر سی فوج کے ساتھ رہتے تھے۔ انہوں نے حیدر علی کا اُس نازک وقت پر ساتھ دیا، جبکہ وہ اپنی جان بچا کر سرنگاپٹم سے بنگلور بھاگ آئے تھے۔ اور میسور کے راجہ کی فوج اور مرہٹے ان کے تعاقب میں تھے۔ ایسے وقت جبکہ دوست بھی دشمن بن جاتے ہیں نفضل اللہ خاں نے حیدر علی کا ساتھ دیا[2]۔ حیدر علی کی عظمت و شہرت کو بلند کرنے

---

[1] ہیبت جنگ تہکوٹہ فتح کرنے کے لئے جب نواب بسالت جنگ (حیدرآباد) نے حیدر علی کی مدد مانگی اور حیدر علی نے مدد دی تو بسالت جنگ نے بحیثیت صوبیدار دکن، حیدر علی کو سرا کی نوابی اور نواب بہادر کے خطاب کیساتھ ہیبت جنگ کا خطاب بھی دیا، لیکن حیدر علی نے یہ خطاب نفضل اللہ خاں کو دلا دیا۔ (ولکس)

[2] ایک اور شخص جس نے اس وقت حیدر علی کا ساتھ دیا، وہ ونڈی کر رسے لیٹین داں کی ہے جو والا جاہ محمد علی کی ملازمت چھوڑ کر حیدر علی کی ملازمت میں آگیا تھا۔ (ولکس)

میں کسی شخص نے اتنا حصہ نہیں لیا۔ جتنا کہ فضل اللہ خاں نے لیا تھا[۱]
حیدر علی کو بھی ان کا بہت پاس و لحاظ تھا۔ خود اہلِ نوائط، جو فضل اللہ
خاں کے حریف تھے۔ بلکہ اندرونی طور پر اُس سے بڑھ کر خود حیدر علی
کے دشمن تھے، کہتے ہیں۔ کہ ہیبت جنگ، حیدر علی کے افسروں میں
پہلے افسر کا درجہ رکھتے تھے[۲]۔ دربار ہو یا کوئی اور جگہ یہ حیدر علی کے ساتھ
اُسی مسند پر بیٹھتے تھے۔ اور ان کے پیچھے دائیں بائیں مورچھل بردار
مورچھل لیئے کھڑے رہتے تھے۔ جو شاہی کا نشان ہے۔

یہ خدا کا بندہ یعنی فضل اللہ خاں بھی وفاداری اور راسخ الاعتقادی میں ویسا
ہی تھا۔ وہ اس عظمت سے مغرور اور سرکش نہیں ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ کو ہمیشہ
حیدر علی کا ارادت سرشت ہی لکھا۔

بہر طور حیدر علی کے عروج کے ساتھ ساتھ فضل اللہ خاں کے اعزاز و مراتب
بھی ترقی کرتے رہے۔ کہ

"اسی زمانہ میں اہلِ نوائط کا میسور میں ورود ہوتا ہے۔ یہ لوگ پائین گھاٹ
(ویلور۔ ارکاٹ۔ ترپاتور وغیرہ) سے علاقہ میسور میں آتے ہیں۔ اور حیدر علی کے

---

[۱] راجہ کی فوجوں کو شکست دینے میں بعد میں مرہٹوں سے کامیاب لڑائیاں لڑنے میں اور میسور
کی پہلی جنگ میں انگریزوں کی متواتر شکستوں میں فضل اللہ خاں نے نمایاں کام کئے تھے۔ اور
سچ مچ ان کے نام سے ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ (ولکس)

[۲] حیدر علی نے جب بدنور پر چڑھائی کی۔ تو سلطنت کا کاروبار فضل اللہ خاں کے سپرد
کیا تھا۔
(ولکس)

دربار میں داخل ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے حسب و نسب پر بڑا زعم تھا، اس لئے ہیبت جنگ کے اعزاز ان کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ پہلے شکایت ہائے رنگین سے ابتدا ہوئی اور چندا صاحب کے فرزند (رضا صاحب نائطہ جو ملازمت میں داخل تھا) سے حسب و نسب میں ان کا مقابلہ کیا جانے لگا۔ پھر حیدر علی خاں کو مجبور کیا گیا۔ کہ نئے تعلقات (شاہی) کے قائم ہونے کے بعد، دربار کے مراتب پر نظر ثانی ہونی چاہئے۔ جو خود نواب کے بھی شایانِ شان ہو حیدر علی بذاتِ خود اس طبیعت کے آدمی نہیں تھے[1]۔ لیکن سیاسی مصلحتوں کی بناء پر انہیں مجبوراً فضل اللہ خاں کے پاس پیغام بھیجنا پڑا۔ کہ "وہ آئندہ سے اپنے مخصوص امتیاز سے دست بردار ہو جائیں"

اس کے جواب میں ہیبت جنگ نے حیدر علی کو لکھا۔ کہ:۔

مورچھل کی وقعت ایک بے معنی مشت پر سے زیادہ نہیں لیکن یہ ہمیشہ سے میرے سر کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ اس لئے وہ جدا نہیں ہو سکتے۔ جو ان کو جدا کرے

---

[1] حیدر علی کی یہ روا داری صرف فضل اللہ خاں سے نہیں تھی۔ وہ ہر ایک سے اس کی خدمات کے مطابق پیش آتے تھے۔ یہاں تک بھی ثابت ہے۔ کہ میدانِ جنگ یا کوچ کے وقت، جہاں کہیں پڑاؤ ہوتا۔ تو حیدر علی عام سپاہیوں کے ساتھ کھانا کھاتے، مذاق کرتے۔ بلکہ ان کے پاسائیسوں کے ساتھ سو بھی جاتے تھے۔

وہ سر کو بھی جدا کرے۔ جوانی کی ترنگ میں میں نے مسند کے تکیہ و پہلو کی شرط کی تھی[1]۔ اور اس امتیاز کو میں نے کبھی ذلیل نہیں ہونے دیا۔ اس ایک امتیاز سے مجھے محروم کرنے کی بجائے زیادہ قرین قیاس تو یہ تھا کہ میری عمر اور کمزوری کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں ایک اور کا اضافہ کیا جاتا۔ اس حکم کی تعمیل کا آسان ترین طریقہ بس ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں پھر اس دربار میں قدم نہ رکھوں۔"

(ولکس صفحہ ۳۸۶)

اس کے بعد ولکس پھر لکھتا ہے کہ:-

"اہل نوائط نے صرف اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ حیدر علی کو اُبھارا۔ کہ ان رقوم کا مطالبہ کرے۔ جو انہوں نے جمع کر رکھا ہے۔ ان کا پیچھا اس وقت چھوڑا گیا۔ جب خود اہل نوائط کو اطمینان ہو گیا۔ کہ انہوں نے کچھ چھپایا نہیں اور کچھ بچا نہیں رکھا۔" (ولکس صفحہ ۳۸۶)

اس مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوگا۔ کہ اہل نوائط نے نواب حیدر علی جیسے ہوشیار شخص کو بھی اپنے جال میں کس طرح پھانس لیا تھا۔ کچھ عجب نہیں تھا۔ کہ یہ نوزائیدہ سلطنت ان نوائط کے ہاتھوں اسی وقت فنا ہو جاتی۔ اگر فضل اللہ خاں[2]

---

[1] ولکس اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۷۰ پر لکھتا ہے۔ کہ فضل اللہ خاں جب حیدر علی کی ملازمت میں داخل ہوئے تھے۔ تو منجملہ دیگر شرائط کے مورچھل اور مسند پر ساتھ بیٹھنے کی شرطیں بھی کی تھیں۔

ہیبت جنگ صبر و تحمل سے کام نہ لیتے۔ ورنہ فوج میں ان کی ہر دلعزیزی اور اثر و اقتدار کو دیکھتے ہوئے، اگر وہ ذرا بھی حرکت کرتے۔ تو دکن کی مانند یہاں بھی دو فریق ہو جاتے۔ اور سرنگاپٹم کی گلیاں خون میں نہانے لگتیں۔ فضل اللہ خاں نے جس صبر و تحمل سے کام لیا۔ ولکس اس کے متعلق لکھتا ہے:۔

فضل اللہ خاں ہیبت جنگ ہمیشہ قلعہ سے باہر میدان میں ایک خیمہ میں رہا کرتے تھے۔ گو ان کا ایک مکان قلعہ میں بھی تھا۔ لیکن اس حکم کے بعد وہ کبھی اس مکان میں نہیں گئے۔ اور جو کچھ اثاثہ یعنی کیمپ کا سامان ان کے پاس تھا۔ وہ بیچ کر کھاتے رہے۔ اور یہیں ان کو ان کی وصیت کے مطابق دفن بھی کیا گیا۔ ان کے اہل خاندان کے احساس احترام نے ایک چھوٹا سا مقبرہ بھی یہاں تعمیر کروا دیا تھا[1] (صفحہ ۳۵۰)

مذکورہ بالا واقعہ کے تقریباً پانچ سال بعد نواب حیدر علی کا انتقال ہو گیا۔ اور سلطان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ برہان الدین کا نام مکاتیب سلطانی میں نظر سے گزر چکا ہے۔ یہ سلطان کا نسبتی برادر۔ فوج کا سپہ سالار اور بانوئے سلطنت رقیہ بانو کا حقیقی بھائی تھا۔ اور سلطان کو بہت عزیز تھا۔ سلطان نے اپنی تخت نشینی کے قریباً دو سال بعد جب بغاوتوں اور انگریزوں سے جنگ سے فرصت ملی۔ تو برہان الدین کی

---

[1] مقبرہ تو شکست و ریخت کی نذر ہو گیا۔ لیکن ایک بڑے چبوترہ پر اب بھی یہ مزار اس میدان میں کس مپرسی کی حالت میں باقی ہے یہ مزار اس عیدگاہ کے بالکل قریب ہے۔ جو انگریزوں نے سرنگاپٹم پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی فوج کے مسلمانوں کے لئے تعمیر کیا تھا۔ (محمود)

شادی کر دینی چاہی۔ اور اس کے لئے اُس نے بدرالزمان خاں (نائطہ) کی لڑکی کا انتخاب کیا۔ بدرالزمان کو حضوری میں طلب کیا گیا۔ اور جس وقت وہ آیا۔ تو سلطان نے خود بڑھ کر استقبال کیا۔ اور تحفے تحائف نذر گزارے۔ اور بہ آئین شائستہ نسبت کا ذکر کیا۔ سلطان کے رعب و داب اور اخلاق کو دیکھتے ہوئے انکار کی گنجائش نہیں تھی۔[1] بدرالزمان نے اس وقت چار و ناچار قبول کر لیا۔ لیکن اندر ہی اندر اس نے اور تمام اہلِ نوائط نے اس رشتہ کو اپنے حسب و نسب کی توہین گردانا۔ لیکن خیر شادی ہونا تھی۔ ہوئی۔ لیکن اسی شب لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کر لی بلکہ صحیح تر تو یہ ہے۔ کہ اس کو کنوئیں میں گرا کر مار ڈالا گیا۔

اب حسب و نسب کی اس توہین کا انتقام سلطان اور اس کی سلطنت سے لینا ضروری تھا۔ برہان الدین تو خیر سلطان کا نسبتی برادر تھا۔ یہ اہلِ نوائط سلطان اور حیدر علی کو بھی حسب و نسب میں اپنے سے کم تر سمجھتے تھے۔ بہرطور یہ انتقام اس صورت میں ظاہر ہوا کہ میسور کی تیسری جنگ میں محمد مہدی مہکری جو وزیر تھا۔ انگریزوں سے مل گیا۔ اور سرنگا پٹم کے قلعہ کی بیرونی چوکیوں پر انگریزوں کو قبضہ دلا دیا جس کی وجہ سے سلطان نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔[2]

اہلِ نوائط نے چاہا کہ سلطنت کا خاتمہ اسی وقت (۱۷۹۲ء میں) ہو جائے۔ لیکن کارنوالس، نظام اور مرہٹوں کی مجبوریاں اور سیاست کچھ اور تھی۔ یہ صلح کر کے چلے گئے۔ اہلِ نوائط کو اس پر کیسے صبر آتا۔ انہوں نے پھر سازشیں شروع کیں

---

(۱) ٹیپو سلطان، از کرنل مائلس صفحہ ۳۵۔ (۲) ٹیپو سلطان از کرنل مائلس

(۳) نشانِ حیدری از کرمانی۔

اور اس وقت وہ عجمی النسل سید جنہیں "میر" کہا جاتا ہے۔ وہ بھی حسب ونسب کے غرور میں ان کے ساتھ مل گئے۔ اس کی وجہ بھی میر معین الدین کی لڑکی کی شادی ہے ان سازشوں کا نتیجہ میسور کی آخری جنگ میں چند سال بعد ہی نکل آیا۔ اور اس وقت انہوں نے جو کچھ کیا۔ اس کا نتیجہ ان کے حسب "مراد" سلطان کی شہادت اور سلطنت کے خاتمہ پر نکلا۔ جس کا ثبوت حیدرآباد کی تاریخ اس طرح دیتی ہے۔

واقعات اس امر کے شاہد ہیں۔ کہ ٹیپو سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے۔ کہ ٹیپو سلطان سے سلطنت منتزع ہو جائے۔ اور وہ اس جنگ میں کام آجائیں۔ چنانچہ قلعہ سرنگا پٹم پر قبضہ ہونے تک بھی ان کو صحیح خبریں نہیں پہنچائی جاتی رہیں۔ اور مقابلہ سے پہلو تہی کرتے رہے۔"

(نظام علی خاں۔ مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۲۱۶)

اس کو نی اور عجمی خون نے صرف اسی پہ اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انگریزی کمیشن نے جب فیصلہ کیا۔ کہ میسور کی ریاست سلطان کے شہزادوں کو دی جائے۔ اور اس نے اس کے متعلق میر غلام علی خاں سے رائے طلب کی۔ تو اس نے کہا کہ :۔

"افعی کشتن و بچہ افعی را نگاہ داشتن کار خردمنداں نیست"

(ترجمہ :۔ سانپ کو مارنا اور سانپ کے بچے کو پالنا عقلمندوں کا کام نہیں)

انگریز اس کو سمجھ گئے۔ اور شاہزادوں کو ریاست سے محروم کر دیا گیا۔

یہ ہے عجم اور یہ ہے کوفہ جس نے حکومت الٰہیہ سے یہ سلوک کیا[1]

---

[1] یہ ایک تاریخی بحث ہے۔ جو درمیان میں آگئی۔ کہ وہ لوگ جو دکنی سلطنتوں کو تباہ کر کے بعد ارکاٹ کی حکومت کو دفن کر کے سلطنت خداداد میں آئے وہ عجمی تھے یا بنی ہاشم۔ اگر سعادت نامہ کی روایت ہی کو معتبر سمجھتے ہوئے انہیں بنی ہاشم ہی تسلیم کر لیا جائے تو بھی تاریخی واقعات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ علامہ اقبالؒ نے بانگِ درا میں لکھا ہے:۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفےٰ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

تاریخ ہمیشہ اپنے واقعات دہراتی رہتی ہے۔ دکنی سلطنتوں میں جو کچھ ہوا۔ وہی سلطنت خداداد میں ہوا۔ اور پھر اس کے تقریباً ایک سو سولہ سال بعد پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۹۱۹) میں بھی ہوا۔ شریف مکہ اور اس کے خاندان (بنی ہاشم) نے ترکوں کی اسلامی سلطنت سے جو غداریاں کیں، وہ زمانہ حال کی اسلامی تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ہر شخص ان سے واقف ہے

لیکن جب صراحتاً خود اہل نوائط کی تاریخ میں کوفہ کا ذکر آرہا ہے اس کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کوفہ وہ سرزمین ہے جہاں اس سے پہلے بابل و نینوا آباد تھے اور تاریخ دیکھی جائے تو عجم کی یہ سرزمین ہمیشہ سازشوں اور غداریوں کے لئے مشہور رہی ہے۔ لہٰذا کوفیوں کا سازشی اور غدار ہونا کوئی تعجب انگیز نہیں بلکہ تاریخ اسلام میں اس کی بیشمار مثالیں ملتی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انہوں نے غداری کی، حضرت مسلمؓ سے غداری کی اور حضرت امام حسینؓ سے غداری کی۔ بلکہ انہیں شہید بھی کر دیا۔

شہادت اور نتائج

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین
فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسین (اقبالؔ)

تاریخ سلطنت کے آخری صفحہ (۶۵۵) پر مَیں نے لکھا تھا۔ کہ چند مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے:۔

"سلطان اگر انگریزوں کی اطاعت کر لیتا۔ تو جنوبی ہند میں مسلمانوں کی ایک ریاست تو باقی رہتی۔ اور مسلمانوں کی (اقتصادی) حالت اس درجہ خراب نہ ہوتی۔ جیسی آج ہے۔"

مَیں نے اس نظریہ پر چند سطور لکھی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان سطور سے ان مسلمانوں کی، جن کا نظریہ یہ ہے، تشفی نہیں ہوئی۔ مَیں جب چند ماہ پیشتر میسور گیا ہوا تھا۔ تو چند مسلمان بھائی مجھ سے ملنے آئے۔ اور یہی نظریہ پھر میرے آگے پیش کیا گیا۔ اور ان سے بحث بھی ہوئی۔ اس لئے مَیں یہاں تفصیلاً اس کے متعلق لکھنا چاہتا ہوں۔ دورانِ بحث میں انہوں نے کہا:۔

"سلطان نے یہ بالکل نظر انداز کر دیا۔ کہ اگر وہ اطاعت قبول

نہ کرے گا۔ تو اس کا نتیجہ اس کی قوم کے لئے بالکل خراب نکلے گا۔ اس لئے اس کی شہادت ایسی چیز نہیں جس پر ہم فخر کر سکیں۔ بلکہ اس شہادت نے تو ہم کو اقتصادی طور پر تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

یہ خیالات، اسلام اور تعلیم اسلام کے کس قدر خلاف ہیں۔ مجھے کبھی خیال بھی نہ گذرا تھا۔ کہ مسلمانوں کی ذہنیت اس قدر پست ہو جائے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ تاریخ اسلام کے زریں واقعات سے یہ کس قدر لاعلم ہیں۔

مسلمان تو وہ ہے۔ جو زندگی میں آزاد رہنا چاہتا ہے۔ یا رہتا ہے۔ اور مرنے کے لئے وہ موت پسند کرتا ہے۔ جو مردِ مومن کے لئے طرۂ امتیاز ہے

مردِ مومن خواہد از یزدانِ پاک
آں دِگر مرگے کہ برگیرد ز خاک (اقبالؒ)

تاریخ اسلام میں بہت سے ایسے واقعات ملیں گے۔ جبکہ مومنین صالحین نے باطل کے آگے سر جھکانے سے انکار کرتے ہوئے جوانمردی کی موت کو ترجیح دی ہے۔

ان میں سے ایک واقعہ خود ہادیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہے:

"غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی ابو طالب نے نرمی سے سمجھا کر واپس کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے۔ اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس واپس آئی۔ اس میں تمام رؤسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان۔ عاص بن ہشام۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ یا تم بھی میدان میں آؤ۔ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالبؓ نے دیکھا۔ کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے قریش اب تحمل نہیں کر سکتے۔ اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا۔ کہ "جان عم، میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال۔ کہ میں اٹھا نہ سکوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے۔ ابوطالب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ کہ اب اُن کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "خدا کی قسم۔ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں۔ تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا۔ خدا یا تو اس کام کو پورا کرے گا۔ یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤنگا"

سیر الصحابہ صفحہ ۲۱۱
(دار المصنفین اعظم گڑھ)

یعنی آپ نتائج سے بے پروا ہو گئے۔ لیکن اس دعوت سے دست بردار

نہیں ہونا چاہا۔ جس کو آپ لے آئے تھے۔ اس کے ساتھ تاریخ اسلام کا ایک دوسرا واقعہ بھی لیجئے۔ یہ واقعہ حضرت سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ کے آگے ابن زیاد کی شرطیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم شرط یزید کی اطاعت تھی

کیا اس پیکر صدق و صفا کو جو سرزمین نینوا میں، کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں ہر طرف سے گھرا ہوا تھا۔ یہ معلوم نہ تھا۔ کہ انکار کا آخری نتیجہ خود اس کی اور اہل بیت کی ہلاکت اور تکالیف کی صورت میں نکلے گا۔ اگر بیعت کر لی جاتی۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کو جنہیں پہلے سے دو لاکھ طلائی دینار کا بنی اُمیہ کی طرف سے سالانہ وظیفہ ملتا تھا[۱]۔ اس میں نہ صرف اور اضافہ ہو جاتا بلکہ زر و جواہر سے اور مالا مال کر دئے جاتے۔ اور وہ ہوش ربا حالات جو اہل بیت پر گزرے کبھی پیش نہ آتے۔ انتہا یہ کہ آپ کی اور آپ کے اہل بیت کی زندگی خوشی اور فارغ البالی میں بسر ہوتی۔ لیکن امام رضؓ نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی یزید کی اطاعت سے کیوں انکار کیا۔ امامؓ جانتے تھے کہ:۔

بنی اُمیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ انہوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کیا۔ ان کا نظام حکومت شریعت الٰہیہ نہ تھا۔ ایسی حالت میں ضرور تھا۔ کہ ظلم و جبر کا مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی۔ اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

---

[۱] سیر الصحابہ (دار المصنفین) جلد ۶۔ صفحہ ۹۔

حضرت سید الشہدا نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی اُمیہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی۔ اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی۔ اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

(داستانِ کربلا۔ اسوۂ حسینؓ صفحہ ۱۲۹) و

(سیر الصحابہ ۲۳۵)

اگر آج کے مسلمانوں کے نظریہ کو امامؓ پر چسپاں کیا جائے تو معاذ اللہ! امام کی شہادت ایک بے معنی سی بات ہو کر رہ جائیگی۔ اپنی ضد منوانے کے لئے نہ صرف اپنی جان دی۔ بلکہ اپنے بچوں اور عزیزوں تک کو کٹوا دیا۔ اور اس سے بے پروا ہو گئے کہ اہلِ بیت پر کیا گزرے گی۔

یزید سے بیعت کے انکار کے وقت امامؓ ان تمام نتائج اور عواقب سے واقف تھے۔ جیسا کہ آپ کی زندگی کے اخیر لمحہ تک کے حالات سے پتہ چلتا ہے شبِ عاشورہ میں آنے والی مصیبت کے تخیل اور اپنے اکلوتے بھائی کی جان خطرہ میں دیکھی۔ تو حضرت زینبؓ نے رو رو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

"بھیّا۔ اب ہمارا آخری سہارا اگر ہو تو آپ ہو[1]"

اس وقت امام نے جواب دیا:۔

"بہن! خدا سے ڈر۔ خدا کی تعزیت سے تسلی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے

---

[1] سیر الصحابہ (دار المصنفین) جلد ۶۔ صفحہ ۱۹۱

ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بیقراری کیوں ہے۔ دیکھو ہمارے لئے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں کیا سکھلاتا ہے۔ ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں کبھی اس سے منحرف نہ ہوں۔

(الیعقوبی و ابن جریر صفحہ ۶۷)

اس کے بعد عین معرکہ میں جب اکبر سے نوجوان اور اصغر سے ننھے بچے کی شہادت سے آپ کو معلوم ہو چکا تھا۔ کہ دشمنوں کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس پیکر استقامت کو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہ آیا۔ کہ میرے بعد کیا ہونے والا ہے۔ اور کیا ہوگا۔ صرف اللہ ہی کا ایک بھروسہ تھا۔ جس نے اخیر وقت تک امامؑ کو ثابت قدم رکھا۔ ورنہ ایک اکیلی جان، ہزاروں کا کس طرح مقابلہ کرتی

آیئے! ہم ان واقعات کو سلطان کے اخیر حالات پر چسپاں کر کے دیکھیں

کربلا میں حضرت امام حسینؑ نے ابن سعد سے کہا کہ:-

"مجھے یہاں سے کسی اور جگہ چلے جانے دو۔"

(سیر الصحابہ صفحہ ۱۸۵)

ابن سعد نے روک دیا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ امام اگر نکل گئے۔ تو دوسری جگہ کے مسلمان آپ کا ساتھ دیں گے۔ سابق دیکھئے "فرانسیسیوں کے مشورہ پر سلطان سرنگاپٹم سے چتل درگ جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ اور ملک بھر میں سلطانی فوج پھیلی ہوئی تھی۔ اور پوری

وفادار[1] تھی۔ بدرالزمان خاں نے سلطان کو جانے سے روک دیا[2]۔
وہ جانتا تھا۔ کہ سلطان اگر اس محاصرہ سے باہر نکل گیا۔ تو پھر وہ قابو میں نہیں آسکتا۔ اس کی تصدیق حیدر آباد کی تاریخ نظام علی خاں کے صفحہ ۲۱۶ سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں یہ لکھا ہے۔ کہ :۔

"ٹیپو سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے۔ کہ ٹیپو سلطان سے سلطنت منتزع ہو جائے۔ اور وہ اس جنگ میں کام آجائیں۔"

اور اب اس واقعہ کو بھی دیکھئے :۔
دورانِ محاصرہ میں حسین علی خاں سے نوجوان افسر کی لاش انگریزی افسر سلطان کے پاس بھیجتا ہے[3]۔ اور اس پر لکھتا ہے :۔

آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ آپ کی فوج میں مدافعانہ جنگ اور حملہ شکنی کی طاقت باقی نہیں رہی ہے۔ شاذو نادر معدودے چند افسر کٹ مرنے کے سوا اور کچھ نتیجہ نہیں۔ مصالحت کی ترغیب سلطان روم سے آپ کو دی گئی۔ اور گورنر جنرل کی بھی یہی خواہش ہے۔ اور ہم بھی متفق الرائے عرض کرتے ہیں۔ کہ مقررہ شرائط پر آپ

---

[1] ۔ تمام مؤرخین کو اس پر اتفاق ہے کہ سلطان کی فوج اس کی پوری وفادار تھی۔ لیکن ان فوجوں کو سرنگاپٹم آنے اور لڑنے کا موقع نہیں ملا۔

[2] کرمانی۔ [3] ۶ ، اپریل ۱۷۹۹ء

کا مصالحت کر لینا خود آپ کے اور آپ کی سلطنت کے لئے بالکل مفید ہے۔"

(ہفت خوان حیدری)

لیکن یہ دلدادۂ آزادی اس کا جواب نہیں دیتا۔ جنرل ہارس نے جو شرائط[1] بھیجی تھیں۔ ان سے اس کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ انگریز بغیر کامل اطاعت کے دوسری باتوں پر آمادہ نہیں ہیں۔ اس کے متعلق رائز آف دی کرسچین پاوران انڈیا کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۲ پر لکھتا ہے:۔

لارڈ ولزلی کی رائے تھی۔ کہ:۔

اس شہر سرنگاپٹم کے قبضہ میں آجانے سے ہندوستان کی سیاسی حالت میں اس قدر بڑا فرق آجائے گا کہ ہم کو ایک نیا نظام قائم کرنے کے لئے ایک وسیع انتظام کرنا پڑے گا"

اور اس نے جنرل ہارس کو یہ بھی حکم دیا تھا۔ کہ جب تک سرنگاپٹم کا محاصرہ نہ ہو جائے۔ صلح کی بات چیت نہ کرے"

(رائز آف دی کرسچین پاوران انڈیا صفحہ ۲۲۳)

یعنی یہ کہ سلطنت خداداد کو ایک باجگذار ریاست بنا لیا جائے۔

آج کے مسلمان کی منقلب ذہنیت اس کو سمجھ نہیں سکتی۔ کہ آزادی اور اطاعت میں کیا فرق ہے۔ لیکن سلطان جو آزادی میں پلا اور آزادی میں رہا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اطاعت کے معنی کیا ہیں۔ اس کو معلوم تھا۔ کہ اطاعت سے مراد

---

[1] کرنل بٹسن نے یہ گیارہ شرائط اپنی کتاب میں دی ہیں

شریعت الٰہیہ کو شریعت دنیاوی کے تابع کر دینا ہے۔

۴[1] رمئی کی صبح کا واقعہ ہے:...

سلطان نمازِ صبح کے لئے مسجد میں آیا۔ ملا حسن قاری نے نماز پڑھائی بعد نماز میر حبیب[2] اللہ نے خلاف عادت بڑی جرأت سے روبرو آکر کہا کہ آقا! گو صلحنامہ کی شرائط میں ملک کا نقصان ہے۔ ادھر جانہ جنگ سے خزانہ عامرہ پر بار پڑتا ہے۔ اور قوم فرانسیس کے پناہ گزینوں کو انگریزوں کے سپرد کر دینے سے پست ہمتی نظر آتی ہے لیکن مقتضائے وقت کو مدِ نظر رکھ کر جانِ عزیز پر رحم فرمائے شہزادوں اور شہزادیوں کی یتیمی و اسیری پر شفقت فرمائے۔

(ہفت خوان حیدری)

کیا میدانِ کربلا میں عمر ابنِ سعد نے بھی اسی قسم کی نصیحتیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو نہیں کی تھیں۔ کیا اس سے پہلے حُر نے بھی امام سے یہی نہیں کہا تھا۔

---

[1] ۴ رمئی ۱۷۹۹ء۔ شہادت کا دن۔

[2] ارمغان حیدری میں بجائے میر حبیب اللہ کے شاید غلطی سے میر صادق لکھدیا گیا ہے میں نے اس روایت کے متعلق بہت سی قلمی تاریخوں کے علاوہ زبانی تحقیق بھی کی تو معلوم ہوا کہ سلطان کو جس شخص نے اُس صبح بعد نماز مشورہ دیا۔ وہ پرائیویٹ سیکرٹری میر حبیب اللہ تھا۔ کرنل بٹسن نے بھی یہی نام لکھا ہے۔ گو اس نے جواب کا پہلا حصہ چھوڑ دیا ہے۔

میں آپ کو خدا کو یاد دلاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو قتل کر دئے جائیں گے۔ (سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۱۷۷)

کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ اس کے جواب میں حضرت امام رضؓ نے کیا فرمایا سنئے:-

تم مجھے موت سے ڈراتے ہو۔ کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائیگی۔ کہ مجھے قتل کر دو گے۔ میں نہیں سمجھتا۔ کہ تم کو اس کے سوا کیا جواب دوں جو اوسی کے چچازاد بھائی نے اوسی کو دیا تھا یعنی:-

میں عنقریب روانہ ہوتا ہوں۔ اور موت جوانمرد کے لئے عار نہیں ہے جبکہ اس کی نیت نیک ہو۔ اور مسلمان کی طرح جہاد کرے۔

(سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۱۷۷)

اب یہاں دیکھئے۔ بے اطاعتی کے نتیجہ کا کونسا خوفناک پہلو ہے جو میر حبیب اللہ نے پیش نہیں کیا۔ وہ کونسا انسان ہے جس کو عیش وعشرت۔ مال و دولت اور محلوں کی خوشگوار رہائش عزیز نہیں۔ اور وہ کونسا دل ہے جس میں اپنے عزیز تو عزیز اپنے ہی ننھے ننھے بچوں کی محبت نہ ہو۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ اسوۂ حسینؓ پر چلنے والے سلطان نے میر حبیب اللہ کو کیا جواب دیا۔ غور سے سنئے۔

یہ ملک خداداد علی العموم سب رعایا کا ہے۔ اور علی الخصوص مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ ما بدولت نے[1] سات سال تک بہت کچھ اس کی نگہداشت کی تدبیریں کیں۔ لیکن اکابرین سلطنت ہر وقت در پردہ اس کی تباہی

---

[1] یہاں اشارہ ہے سلطان تیسری جنگ کے بعد سے ہے یعنی ۱۷۹۲ء کے صلح سرنگاپٹم کے بعد سے

میں مصروف رہے۔ اب اپنے اپنے اعمال و بینات کے ثمر سے مستفید ہونا لازم ہے۔ رہی ما بدولت کی ذات خاص۔ اولاد اور جان و مال انہیں مَیں دینِ محمدی پر نثار کر چکا ہوں۔"

(ہفت خوانِ حیدری)

کرنل بِلسن نے اپنی کتاب میں سلطان کے پرائیویٹ سکرٹری میر حبیب اللہ کی زبانی یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:۔

سلطان نے کہا تھا کہ:۔

"چونکہ انسان کو صرف ایک ہی دفعہ موت آتی ہے۔ اس سے ڈرنا لاحاصل ہے۔ اور یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ کہ کب اس کو موت آئے گی۔ کیونکہ مرنا تو برحق ہے۔ دو سو سال بکرے کی طرح جینے سے مَیں شیر کی طرح دو دن کی زندگی گزارنا پسند کرتا ہوں"

(صفحہ ۱۵۶)[1]

اسی دن ایک بجے میر معین الدین کی غداری سے فصیلِ قلعہ پر سید غفار توپ کے گولے سے اُڑ جاتا ہے۔ یہ خبر سلطان کو ملتی ہے۔ کہ یہ وفادار افسر بھی کام آگیا۔ وہ پھر بھی مایوس نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ دوسرے افسر کو بھیجتا ہوا جنگ جاری رکھتا ہے اگر اس کی زبان سے اس وقت کچھ نکلا تو یہی کہ

---

[1] بِلسن کی اس تحریر سے صاف ثبوت ملتا ہے کہ سلطان کو جس شخص نے مشورہ دیا وہ میر حبیب اللہ تھا۔

"سید غفار ایک بہادر شخص تھا۔ بہادر موت سے نہیں ڈرتے۔"[۱]
(کرنل بٹسن صفحہ ۱۵۷)

کیا یہی کربلا میں نہیں ہوا تھا:-

"حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو جاتے ہیں۔ پھر خاندانِ نبوت کی باری آتی ہے۔ حضرت علی اکبر اور قاسم بن حسنؑ اور ایک نومولود بچہ علی اصغر آپ کی آنکھوں کے آگے شہید ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر بھی آپ ہمت نہیں ہارتے"
(داستان کربلا صفحہ ۸۶-۸۷)

اسی دن ڈیڑھ بجے سلطان کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریزی فوج قلعہ کی فصیل پر آ گئی ہے۔ آہ کس قدر مایوس کن خوفناک خبر تھی۔ قلعہ کے بچنے کی کیا امید تھی لیکن یہ پیکرِ یقین ہمت نہیں ہارتا۔ تلوار لے کر اٹھتا ہے۔ اور دشمنوں کے دل بادل کے خلاف بھڑ جاتا ہے۔ کیا اس وقت بھی اس کو معلوم نہیں تھا۔ کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کی

۱؎ مورخ کرمانی لکھتا ہے۔ کہ اس وقت سلطان نے یہ کہا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اب ہم بھی پابہ رکاب ہیں
کرنل میلس اپنی تاریخ ٹیپو سلطان کے صفحہ ۱۹۱ پر لکھتا ہے کہ:-
"عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کہ سلطان کو اپنی موت کی پیشین گوئی تھی۔ کرنل بٹسن نے جو لکھا ہے وہ منشی حبیب اللہ کی زبانی ہے جو اس وقت سلطان کے ساتھ دسترخوان پر موجود تھا۔ وہ یہ بھی روایت کرتا ہے۔ کہ سلطان نے اپنے امراء کو مخاطب بنا کر اس وقت یہ بھی کہا تھا۔ اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا کہ جب اسی ملک میں تمہاری آئندہ نسلیں ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک گٹھی کو ترسیں گی۔

موت کے اور کچھ نہ نکلے گا۔ ہاں معلوم تھا۔ مگر اس کی بیباک صداقت اور جذبہ حریت یہ گوارہ نہیں کرتی۔ کہ دشمن کے آگے ہتھیار ڈال کر، اپنا تاج و تخت یا کم از کم اپنی جان بچالے۔

اگر آپ نے اوپر لکھے ہوئے واقعات پر غور نہیں کیا۔ تو آئیے اس کی زندگی کا سب سے آخری واقعہ دیکھئے۔ اور واقعہ کربلا سے تطابق کیجئے اور غور فرمائیے۔

میدان کربلا میں قیس بن الاشعث (کوفی) نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا:۔

"تم اپنے بنی عم کا کہنا کیوں نہیں مان لیتے۔ ان کی رائے تمہارے مخالف نہ ہوگی۔ اور ان کی جانب سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہ ہوگا۔"

آپ نے جواب دیا:۔

"خدا کی قسم میں ذلیل کی طرح اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دونگا۔"

اور غلام کی طرح اقرار نہ کرونگا۔" (سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۱۹۶)

اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد سلطان کے اس واقعہ کو دیکھئے:۔

شام کا وقت ہے۔ آفتاب مغربی پہاڑیوں میں چھپ رہا ہے۔ سلطان تین طرف سے قلعہ کے دروازے کے روبرو گھر چکا تھا۔ اس کو دو گولیاں لگ چکی ہیں۔ گھوڑا بھی زخمی ہو کر بیٹھ گیا ہے۔ سلطان گھوڑے سے اترتا ہے۔ اس وقت اس کا غلام راجہ خاں کہتا ہے:۔

کاش! اس وقت بھی خود بدولت انگریزی سردار کے پاس تشریف لے چلیں۔ تو وہ حضور جناب عالی کے درجہ منصب کا پاس

کرے گا۔[۵]

(ٹیپو سلطان از کرنل میلس صفحہ ۲۴۴ و
محاصرۂ سرنگاپٹم از تھامپس صفحہ ۱۵)

سلطان ان الفاظ سے جلال میں آجاتا ہے۔[۱] راجہ خان کو پلٹ کر غصہ سے دیکھتا ہے ۔ اور وہ جواب دیتا ہے۔ جو اس کے نام کے ساتھ دنیا میں مشہور ہے :۔

"گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے"

(حملات حیدری)

علامہ اقبالؒ نے سلطان کے اسی جذبے سے متاثر ہو کر لکھا ہے :۔

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست
سینہ داری اگر در خورد تیر
در جہاں شاہین بزی ۔ شاہین بمیر
زندگی را چیست رسم و دین و کیش
یک دم شیریں بہ از صد سال بیش

(جاوید نامہ)

ورڈز ورتھ نے بھی اسی جذبہ کو اپنے مرثیہ میں جو شہید سلطانی کے حضور بیٹھ کر لکھا گیا ، اس طرح ظاہر کیا ہے :۔

---

[۱] اسی آخری وقت کی تصویر بن دی گئی ہے ۔ جو اس کے جذبۂ غیرت اسلامی کی آئینہ دار ہے ۔

اللہ، اللہ۔ شہادت کی وہ موت جس کے جلو میں ایسی جاودانی
مسرت ہو۔ اس رسواکن زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جس میں
فاتح دشمن کا جھنڈا سر پہ لہرا رہا ہو"

(ٹیپو سلطان از کرنل میلس صفحہ ۴۹)

لگے ہاتھوں جب کربلا کا ذکر آ چکا ہے۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے
اس واقعہ کو بھی دیکھئے:۔

ٹھیک باون برس بعد اسی رحمتِ عالمؐ اور دوست و دشمن کے
سیراب کرنے والے کا نواسہ ایک قطرہ پانی کے لئے ترستا ہے۔ اور
انہیں ابوسفیان کی ذریات کے حکم سے پانی کی ایک بوند اس کے خشک
حلق تک نہیں پہنچنے پاتی ہے۔ آہ صاحبؐ اِنا اعطینٰک الکوثر'
کا نواسہ اور یوں تشنہ کام رہے۔ ع

"تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو"

آخر جب پیاس کی شدت ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ تو پھر
ایک دفعہ نرغۂ اعدا سے فرات تک بڑھے۔ اور ساحل تک پہنچ
گئے۔ پانی لے کر پینا چاہتے ہیں۔ کہ حصین بن نمیر نے ایسا تیر مارا۔ کہ
دہن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ گیا۔ آپ نے چلو میں خون لے کر
آسمان کی طرف اچھالا۔ کہ" اے بے نیاز۔ یہ لالہ گوں منظر تو بھی دیکھ لے"

(سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۲۱۵)

دیکھئے اس واقعۂ ہائلہ کے ٹھیک ساڑھے گیارہ سو سال بعد تاریخ اسلام

اسی واقعہ کو جو دریائے فرات کے کنارے گزرا تھا۔ ہندوستان میں دریائے کاویری کے کنارے، کس طرح لفظ بہ لفظ دہراتی ہے۔

"سلطان قریباً ایک بجے محل سے باہر نکلا اور شام کے ۶ بجے تک میدانِ جنگ میں دست بدست لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اس تمام عرصہ میں دھوپ کی شدت سے اس کا حال نہایت تباہ رہا۔ ایک طرف تو ماہِ مئی کی چلچلاتی دھوپ اور دوسری طرف دشمنوں سے دست بدست جنگ، اس تشنگی کو لحظہ بہ لحظہ بڑھاتی رہی۔ اس نے بار بار اپنے غلام راجہ خاں سے پانی طلب کیا۔ چھاگل موجود تھی۔ لیکن ایک قطرہ پانی نہیں دیا گیا۔!"

چند منٹ گزرتے ہیں۔ پھر پیاس لگتی ہے۔ سلطان پلٹ کر راجہ خاں سے کہتا ہے "خدا کے لئے ایک قطرہ پانی" لیکن پانی نہیں ملتا۔

(ٹیپو سلطان صفحہ ۴۴۲)

سلطان کا باڈی گارڈ سلطان پر نثار ہو جاتا ہے۔ کوئی باقی نہیں رہتا۔ سلطان یک و تنہا رہ جاتا ہے۔ ایسے وقت راجہ خاں بھی سلطان کو چھوڑ کر خیموں کے انبار میں پناہ لیتا ہے۔ جس کی تھوڑی ہی دیر بعد سلطان کے سینہ میں گولی لگتی ہے۔ سلطان غش کھا کر گرتا ہے۔ اس سے پہلے ہی، ہنگامہ کی شدت میں شاہانہ پگڑی سر سے گر جاتی ہے۔ اس لئے انگریزی فوج کو یہ معلوم تک نہیں ہوتا۔ کہ سب سے اخیر میں گرنے والا کون تھا۔ جب مدافعت کرنے والوں میں کوئی باقی نہیں رہتا

تو انگریزی فوج یہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ ایسے وقت راجہ خاں سلطان کے قریب آکر اس کے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اُتار کر اپنے کپڑوں میں چھپا لیتا ہے۔ (سرنگاپٹم از پارسنز صفحہ ۴۴)

آہ! جس طرح ایک عربی حیدرؓ و فاطمہؓ کا منظورِ نظر دریائے فرات کے کنارے پیاسا تڑپ تڑپ کر حق و صداقت کے لئے جان دیتا ہے۔ اس طرح بارہ سو سال بعد ایک ہندی حیدر و فاطمہؑ کا جگر گوشہ بھی پیاسا ہی تڑپ کر راہِ حق و حفاظتِ وطن میں جان دے دیتا ہے۔ ؎

اے محمدؐ۔ گر قیامت سر بروں آری زخاک
سر بروں آر و قیامت۔ درمیانِ خلق بیں

ان واقعات پر غور کیجئے۔ اور اس مقام بلند کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ ایک راسخ مسلمان۔ ایک سچے محب الوطن اور ایک پرستار آزادی کی زندگی کیا ہوتی ہے۔ اور اس کی موت کا راز کیا ہوتا ہے۔ اگر آپ نہیں جانتے تو خود اس کے دشمن جانتے تھے۔ کہ خونِ شہادت کی تاثیر کیا ہے اسی لئے سوا صدی تک مشہدِ سلطانی کو عوام کی نظروں سے پنہاں رکھا گیا![2]

---

[1] سلطان کے باپ کا نام حیدر علی اور ماں کا نام فاطمہ بی بی تھا۔ ناموں کا تعلق بھی قابلِ غور ہے۔

[2] سلطان نے جس جگہ شہادت پائی تھی۔ اس کو عوام کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لیے سرنگاپٹم میں "واٹر گیٹ" پر کتبہ لگا یا گیا۔ میں نے اس پر تاریخ سلطنت خداداد میں حکومت میسور کو توجہ دلائی تھی۔ اب حال کے چند سال سے اصلی مشہد سلطانی پر کتبہ لگایا گیا ہے۔ اور واٹر گیٹ کا کتبہ ابھی چند ماہ پیشتر نکال دیا گیا۔

اس کی زندگی کے واقعات آپ کے روبرو ہیں۔ میدان جنگ اس کے لئے ایک بازیچۂ اطفال سے زیادہ نہ تھا۔ اس نے اپنی شریعت کو محفوظ کیا۔ اور اپنے وطن کو محفوظ کیا۔ اور اس کو سربلند کرنے کے لئے کونسی بات تھی جو چھوڑی۔ ۱۷۹۲ء میں پہلی دفعہ اس کو شکست ہوتی ہے۔ اس کا آدھا ملک اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ مرہٹے نظام اور انگریز اس سے تین کروڑ تاوان حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اس کے دو عزیز بچوں کو بھی بطور یرغمال لے لیتے ہیں۔

اس شکست اور سخت شکست کے بعد بھی وہ مایوس نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی طاقت و قوت کو اور زیادہ بڑھانے کی سعی میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ وہ اگر ایک مرد مومن اور محب وطن نہ ہوتا۔ تو وہ ان حوصلہ شکن حالات سے مایوس ہو جاتا۔ اور انگریزوں کی دوستی کو اپنا نصب العین بناتا۔ اور اس طرح اپنی مملکت کو بچا لیتا۔ اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا۔ لیکن حالات کہتے ہیں کہ:۔

> اس صلح (صلح سرنگاپٹم ۱۷۹۲ء) کے سات سال بعد تک (جبکہ اس کی شہادت ہوئی) اس نے چارپائی پر سونا چھوڑ دیا تھا۔ اور ایک موٹے کھدر کے کپڑے پر زمین پر سوتا تھا۔

(حیدر علی ٹیپو سلطان از بورنگ صفحہ ۲۲۴ و کتاب بٹسن صفحہ ۱۵)

اس نے یہ سختیاں کس لئے برداشت کیں۔ اگر عیش و راحت اس کی مراد تھی۔ تو اس کو بہت سے مواقع حاصل تھے۔ آخری جنگ میں بھی یہی باتیں اس کو پیش کی گئیں۔ مگر اس نے انہیں کیوں ٹھکرا دیا؟ وہ صرف اس لئے کہ اس کے آگے ایک اسوۂ حسنہ تھا۔ جو مذہب نے پیش کیا تھا۔ اور وہ یہ تھا:۔

"یا ایہا الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون"
(سورۂ آلِ عمران ۲۰)

(ترجمہ:- اے ایمان والو مشکلات میں ثابت قدم رہو۔ اور مقابلہ میں مضبوطی دکھاؤ۔ اور کام میں لگے رہو۔ اور خدا سے ڈرو۔ شاید کہ تم مراد کو پہنچو)

اِن دلائل کے ہوتے ہوئے غور کریں۔ کہ آخر اس محب وطن مسلمان کے پیش نظر کونسی بات تھی۔ ذاتی عیش و آرام اس کا مقصد نہیں تھا۔ تو پھر صرف ایک بات رہ جاتی ہے۔ اور وہ ہے آزادی۔

روح را پابندِ گراں آئین غیر   گرچہ آید ز آسماں آئین غیر

رہا اس راہ میں اُس کا شہادت پانا تو:۔

"دنیا میں جب کوئی فرد یا جماعت کسی مقصد کے لئے جد و جہد کرتی ہے۔ تو اُس کے سامنے اُمید بھی ہوتی ہے۔ مایوسی بھی۔ کامیابی بھی ہوتی ہے ناکامی بھی لیکن مومن وہ ہے جس کی جد وجہد میں جو کچھ ہے اُمید و کامرانی ہی ہے۔ مایوسی و ناکامی کی اُس پر پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتیں۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے، اللہ کے لئے کرتا ہے۔ اور اُس کے لئے یہی بات کامیابی نہیں ہوتی۔ کہ کسی خاص منزل تک پہنچ جائے۔ بلکہ اُس کی راہ میں چلتے رہنا۔ اور جد و جہد میں لگے رہنا بجائے خود بڑی سی کامیابی ہے وہ جب اپنا سفر شروع کرتا ہے۔ تو اس لئے نہیں کرتا۔ کہ کسی خاص منزل تک ضرور ہی پہنچ جائے ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی ہار جیت کا معیار میدانِ جنگ نہیں ہوتا خود اس کی طلب و سعی ہوتی ہے۔

(جہاد فی الاسلام۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی)

اس لحاظ سے سلطان کامیاب ہوگیا ۔ اور اس کی کامیابی کی دلیل یہ ہے :۔

" جہاد بالنفس یعنی اپنے جسم و جان سے جہاد کرنا، جہاد کے ان تمام اقسام پر شامل ہے جنمیں انسان کی کوئی جسمانی محنت صرف ہو ۔ اور اس آخری حد خطرات سے بے پرواہو کر اپنی زندگی کو بھی خدا کی راہ میں نثار کر دینا ہے ۔ نیز دین کے دشمنوں سے اگر مقابلہ آپڑے اور وہ حق کی مخالفت پر تل جائیں ۔ تو ان کو راستہ سے ہٹانا اور اس صورت میں ان کی جان لینا یا اپنی جان دینا، جہاد بالنفس کا انتہائی جذبۂ کمال ہے ۔ ایسے جان نثار اور جاں باز بندے کا انعام یہ ہے ۔ کہ اس نے اپنی جس عزیز ترین متاع کو خدا کی راہ میں قربان کیا ۔ وہ ہمیشہ کے لئے اس کو بخش دی جائے ۔ یعنی فانی حیات کے بدلے اس کو ابدی حیات عطا کر دی جائے ۔ اس لئے ارشاد ہوا :۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ط بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون

(سورہ بقر ۔ ۱۹)

(ترجمہ :۔ جو خدا کی راہ میں مارے گئے ۔ ان کو مردہ نہ کہو ۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو اس کا احساس نہیں ۔)

" ان جان نثاروں کا نام شریعت کی اصطلاح میں شہید ہے ۔ عشق و محبت کی راہ کے شہید زندۂ جاوید ہیں "

(سیرۃ النبی از مولانا سید سلیمان ندوی صفحہ ۴۰۸)

یہ وہ رتبہ ہے جس کی تمنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کی اور فرمایا کہ :۔

مجھے آرزو ہے۔ کہ میں خدا کی راہ میں مارا جاؤں اور دوبارہ مجھے زندگی ملے اور میں اس کو بھی قربان کر دوں۔ اور پھر تیسری زندگی ملے۔ اور اس کو بھی خدا کی راہ میں نثار کر دوں۔"

(سیرۃ النبی صفحہ ۱۰۳)

سلام ہو اے مردِ مومن۔ سلام ہو اے مجاہد اسلام۔ سلام ہو اے فدائے وطن۔ کاش ہندستان کا ہر مسلمان اور ہر باشندہ تیرے بلند مقام کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

وہ مقصد جلیل جس کے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی جان دی یعنی حق و صداقت کو دنیا میں زندہ رکھا۔ اور جس طرح ایک مسلمان بلکہ ہر شخص کے لئے یہ شہادت ایک چراغِ ہدایت ہے۔ ٹھیک اسی طرح ٹیپو سلطان کی شہادت نے بھی اپنے وطن کو آزادی کا پیغام دیا ہے۔ اور دے رہی ہے۔ مگر سننے والے کان اور سمجھنے والے ذہن چاہئیں۔

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد!
(اقبالؒ)

اب رہا مسلمانوں کا میسور میں اقتصادی زوال۔ اس کا سبب سلطان کی شہادت نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے خود اپنے اعمال و افعال ہیں۔ سلطان نے تو انہیں دنیا میں سربلند کرنا چاہا۔ لیکن جب انہوں نے اس عطیۂ الٰہی سے جس کو آزادی اور حکومت کہا جاتا ہے۔ روگردانی کی تو اس کا خمیازہ انہیں بھگتنا تھا۔ اور بھگت رہے ہیں۔ ٹیپو اس عطیہ الٰہی کا ایک ذریعہ تھا۔ یا ایک مہلت تھی۔ جو نہ صرف مسلمانانِ میسور بلکہ تمام مسلمانانِ ہندوستان بلکہ پورے ملک کے لئے قدرت نے دی تھی۔

لیکن جب اس عطیۂ الٰہی کو ٹھکرا دیا گیا۔ تو اس کے نتائج و عواقب کو بھگتنا ضروری ہے
ہندوستان کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ کہ کس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کو
سنبھلنے کی بار بار مہلت دی گئی۔ عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے بعد مسلمانوں
نے جس طرزِ زندگی کو اختیار کر لیا تھا۔ اور ان کا شیرازہ جس طرح بکھر رہا تھا۔ اس وقت
قدرت کا قانونِ امہال، انہیں مہلت دینے کے لئے نادر کو ہندوستان لے آیا۔

نادر آں دانائے رمزِ اتحاد

با مسلماں داد پیغامِ وداد (اقبالؒ)

لیکن مسلمانوں نے اس پیغامِ وداد سے جس طرح کا سلوک کیا، اُس کا تقاضا تھا
کہ دلی کے مسلمان اس کا خمیازہ بھگتیں۔ اور خود اپنی زبان سے اقرار کریں کہ:-

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

کیا اس میں ہمارے لئے کوئی سبق نہیں ہے۔ کہ نادر نے دلی پر قبضہ کے بعد
مسلمانوں کو اتحاد کی نصیحت کر کے، ان کی سلطنت انہیں کو سونپ کر، ایران واپس
ہو گیا۔ کیا مسلمانوں نے اس سے فائدہ اٹھایا؟۔ ان کا بس چلتا تو وہ نادر کو قتل کر دیتے۔
نادر کی واپسی کے بعد، مسلمانوں نے قدرت کے اس قانونِ امہال سے فائدہ نہیں
اُٹھایا۔ ان میں پھر وہی برائیاں۔ اور وہی غداریاں عود کر آئیں۔ جو نادر کے آنے سے
پہلے موجود تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مرہٹے ملک پر قابض ہو گئے۔ مسلمانوں کی سلطنت
مرہٹوں کے ہاتھ آ گئی۔ قدرت نے اس وقت احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ دوسری
مہلت یا پیغامِ آزادی دی۔ ابدالی بھی اگر چاہتا۔ تو اپنی سلطنت قائم کر سکتا تھا لیکن
اس نے مسلمانوں کا اقتدار قائم کر کے پھر ان کی سلطنت انہیں دے دی۔ اور

واپس چلا گیا۔ اس دوسری مہلت سے بھی مسلمانوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ تو رحم دل قدرت نے ایک تیسری مہلت سلطنت خداداد کے ذریعہ دی۔ قانون فطرت یہی ہے:۔

کلا نمد ھؤلاء و ھؤلاء من عطاء ربك وما کان عطاء ربك محظوراً ہ (۱۷-۲۱)

(ترجمہ:۔ ان لوگوں کو بھی اور ان لوگوں کو بھی (یعنی اچھوں کو بھی اور بروں کو بھی) سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش میں سے حصہ مل رہا ہے۔ اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں۔)

بیعت

اگر قوانین فطرت کی ان مہلت بخشیوں سے فائدہ اٹھا کر نقصان و فساد کی اصلاح کر لی جائے۔ مثلاً تم نے بدپرہیزی کی تھی۔ اسے ترک کر دو گیہوں کھانے کی جگہ مٹی پھانکنے لگے تھے۔ اس سے باز آجاؤ۔ تو پھر اسی فطرت کا یہ قانون ہے۔ کہ اصلاح و تلافی کی ہر کوشش قبول کر لیتی ہے۔ اور نقصان و فساد کے جو نتائج نشوونما پانے لگے تھے۔ ان کا مزید نشوونما فوراً رک جاتا ہے۔ بلکہ اصلاح بروقت اور ٹھیک ٹھیک کی گئی۔ تو پچھلے مضر اثرات بھی اس طرح محو ہو جائیں گے۔ گویا کوئی خرابی پیش ہی نہیں آئی تھی۔ اگر فطرت کی تمام مہلت بخشیاں رائگاں گئیں۔ اس کا بار بار اور درجہ بدرجہ انداز بھی کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکا۔ تو پھر بلاشبہ وہ آخری حد نمودار ہو جاتی ہے۔ جہاں پہنچکر فطرت کا آخری فیصلہ صادر ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اس کا فیصلہ صادر ہو جائے۔ تو نہ تو اس میں

چشم زدن کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ نہ کسی حال میں بھی تنزل اور تبدیلی

" فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃً ولا یستقدمون "

(ترجمہ :- پھر جب ان کا مقررہ وقت آگیا۔ تو اُس سے نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں (یعنی نہ تو اُس کے نفاذ میں تاخیر ہو سکتی ہے نہ تقدیم۔ ٹھیک ٹھیک اپنے وقت میں اُسے ہو جاتا ہے (ترجمان القرآن " از مولانا ابوالکلام آزاد)

"قانونِ فطرت کے اس آئینہ میں اپنی تصویر کو دیکھ کر غور کریں۔ تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ نہ صرف مسلمانانِ میسور بلکہ مسلمانانِ ہند کے زوال کا سبب کیا ہے۔

خاتمۃ الکتاب

تاریخ سلطنت خداداد کے ابعد سلطان کے متعلق جس قدر معلومات حاصل ہو سکیں، اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اس کتاب کے دوران تصنیف میں کئی لوگوں نے دریافت کیا کہ آیا یہ خطوط صحیح یعنی اصلی بھی ہیں یا نہیں یا کرک پیٹرک نے انہیں تصنیف کر کے سلطان کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ خطوط پڑھنے کے بعد یہ بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس قسم کے خطوط کو کرک پیٹرک خود تصنیف کر کے سلطان کے نام کبھی منسوب نہ کرتا۔ اس لئے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خطوط بالکل اصلی ہیں کیونکہ ان خطوط کی اشاعت سے اس کا مقصد انگلستان والوں کو سلطان کا اصلی کیرکٹر۔ اس کی روشن خیالی۔ اور انگریز دشمنی کو بتانا تھا البتہ جہاں کہیں اس نے مصلحت کے خلاف سمجھا۔ وہاں یا تو مضمون کو حذف کر دیا ہے۔ یا اپنے تبصروں میں سلطان کے خلاف جو کچھ اپنے دل میں آیا لکھا ہے

کرک پیٹرک نے جو تبصرے کئے ہیں۔ وہ بھی مکاتیب کے نیچے دئے گئے ہیں ان کی تردید میں یا مزید وضاحت کے لئے میں نے بھی اپنی طرف سے تبصرہ کیا ہے اور اس کام میں مورخ کے جو فرائض ہوتے ہیں۔ حتی الامکان میں نے انہیں

نہایت دیانت داری سے ادا کئے ہیں۔ اور اس ادائیگی فرض میں کسی مصلحت یا رو رعایت سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ممکن ہے۔ کہ میری تحریر بعض لوگوں کو ناگوار گزرے۔ لیکن جب تاریخ اسی قسم کے واقعات سے بنتی ہے۔ اور قوموں کی قسمت ان واقعات ہی سے وابستہ ہوتی ہے۔ تو ان واقعات پر پردہ ڈالنا، تاریخ کے اصلی مقصد کو گم کر دینا ہے۔ تاریخ لکھی جاتی ہی اس لئے ہے۔ کہ بعد میں آنے والی نسلیں اس سے سبق اور عبرت حاصل کریں۔ میں نے اپنی پہلی کتابیں یعنی "تاریخ سلطنت خداداد" "تاریخ جنوبی ہند" اور "ہندوستان کی فیصلہ کن جنگیں" میں بھی اسی اصول کو مد نظر رکھا تھا۔ اور اب بھی یہی مقصد میرے پیش نظر ہے۔

میرے خیال میں اگر تاریخ پر حالات موجودہ کا لحاظ کرتے ہوئے مصلحتوں کا پردہ ڈال دیا جائے (جس کا رجحان آجکل ملک میں پایا جاتا ہے) تو یہ ایک ناقابل معافی جرم ہوگا۔ جس کی وجہ سے تاریخ مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ اور آئندہ یہ پتہ بھی نہ ملے گا۔ کہ صحیح واقعات کیا تھے۔ اور ان سے کون سے نتائج مرتب ہوئے۔ ایک قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کی تاریخ کا صحیح پس منظر اس کے سامنے رہے۔ اور وہ اس پس منظر کی روشنی میں قدم آگے اٹھا سکتی ہے۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ اور خصوصاً اس وقت جبکہ ہم ایک انقلابی دور سے گزر رہے ہیں۔ اور اس سے متاثر ہو کر آزادی دینے کی تجاویز پیش ہو رہی ہیں (جو میرے خیال میں صرف ایک غریب سیاست ہے) اس کے ذریعہ ملکی اختلافات کو بڑھا کر نئے طریق سے تسلط قائم کرنا ہے) تو اس کتاب کا مطالعہ ممکن ہے

کہ کچھ رہنمائی کرسکے۔

اس کتاب سے اس نظریہ کی تردید بھی ضروری ہے۔ جو ہر انگریزی تاریخ میں دہرایا جاتا ہے۔ کہ "یہ انگریزی حکومت ہی ہے۔ جو ہندوستان کے لئے باعث رحمت و ترقی ہے۔" حالانکہ ہندوستان کی ایک ملکی حکومت نے صرف سترہ سال کے عرصہ میں وہ سب کچھ کیا جو ڈیڑھ سو سال میں بھی ہندوستان کو نصیب نہیں۔ رہے ریل۔ تار اور دوسری ترقیاں یہ کچھ تو فوجی ضروریات اور کچھ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ وجود میں آئیں۔

کتاب ختم کرتے ہوئے میں پھر ایک بار کرک پیٹرک کے اس جملے کو دہرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ "یہ مکاتیب ایک آئینہ ہے جس میں سلطان اپنے اصلی خد و خال میں نظر آتا ہے۔" اور حقیقت بھی یہی ہے۔

بنگلور مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۴۶ء

محمود

اعتذار

نہایت افسوس ہے کہ مسودہ میں خط نمبر ۱۳ اور ۱۴ غلطی سے درج ہونے سے رہ گئے جس کی وجہ سے خط نمبر ۱۵ کو نمبر ۱۳ بنا دیا گیا ہے۔ اور اخیر تک سلسلہ اسی طرح چلا گیا ہے۔ میں یہاں خط نمبر ۱۳ اور ۱۴ دے رہا ہوں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ مکاتیب میں خط نمبر ۱۳ کو ۱۵ بناتے ہوئے آخری خط یعنی نمبر ۴۳۳ کو ۴۳۵ بنا لیں۔ تاکہ کرک پیٹرک کے مجموعہ سے مطابقت ہو جائے۔

محمود

خط نمبر ۱۳

بنام محمد غیاث، سفیر سلطنت خداداد بہ دربار پونا (۱۸ راحمدی = ۴ راپریل ۱۷۸۵ء)

آپ نے لکھا ہے۔ کہ راؤ راستا نے یہ تجویز پیش کی ہے۔ کہ اگر ہم نرگند کا محاصرہ اٹھالیں۔ تو وہاں کے زمیندار کو اپنی غلطیوں کے معاوضہ کے طور پر جرمانے کی رقم دینے پر آمادہ کیا جائے گا۔ اور اس طرح ہم فائدہ میں رہیں گے۔ اور دنیا پر بھی یہی ظاہر ہوگا۔ کہ اس معاملہ میں ہم غالب رہے۔

راؤ راستا کو آپ اطلاع دیں۔ کہ ہم صرف جرمانہ پر اکتفا نہیں کرسکتے۔ نرگند کے زمیندار نے ہمارے علاقہ میں جو تباہی پھیلائی ہے۔ اس کا ہرجانہ بھی ہمیں ملنا چاہیئے۔ اگر زمیندار اس پر راضی ہو تو محاصرہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

نیز آپ نے لکھا ہے کہ "راؤ راستا نے کہا ہے۔ کہ دربار پونہ (مرہٹے) ہنڈوی قبول کرنا نہیں چاہتا" ممکن ہے۔ کہ وہاں کے مہاجن اس کو قبول نہ کریں۔ اس لئے رقم کے عوض غلہ بھیج دیا جائے۔

آپ نور محمد خاں کو یہاں بھیجدیں۔ جو وہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ ان سے حالات معلوم ہونے پر مناسب کارروائی کی جائے گی۔

خط نمبر ۱۴۱

بنام میر قمر الدین (۱۶/ احمدی = ۱۵/ اپریل ۱۷۸۵ء)

تمہارے دونوں مکتوب مورخہ ۱۴ و ۱۵ ملے۔ اور یہ معلوم ہوا۔ کہ سپہ دار محمد علی، اپنی قشون کے ساتھ، تم سے آکر مل گئے ہیں۔ تم نے سرہٹی کے زمیندار کی بے باکی اور سرکشی کے متعلق لکھا ہے۔ اور یہ بھی اطلاع دی ہے۔ کہ غلام حسین اور غلام محی الدین قلعہ داران نکمیر سے تم کو خط موصول ہوا ہے۔ کہ اس زمیندار کی سرزنش کی جائے۔

اگرچہ یہ مقام (سرہٹی) تمہارے راستے میں واقع ہے۔ لیکن تمہارے پاس قلعہ سر کرنے کے لئے ضروری توپ خانہ نہیں ہے۔ اس حالت میں اگر اس پر حملہ کیا جائے۔ تو عرصہ لگ جائے گا۔ اور تم آگے نہ بڑھ سکو گے۔ اس لئے آں اقبال نشاں سے ہماری خواہش ہے۔ کہ تم صرف قلعہ کے آگے پڑاؤ ڈال کر قلعہ نشین فوج کو مرعوب کرنے کی کوشش کرو۔ تاکہ قلعہ تم کو حاصل ہو جائے۔ اگر تم کو یہ معلوم ہو۔ کہ اس طرح کام نہ چل سکے گا۔ تو بغیر کسی التوا کے تم آگے بڑھ جاؤ۔

سرنگاپٹم میں آثارِ سلطانی

چونکہ ملک کے اکثر حصوں سے بذریعہ خطوط راقم الحروف سے آثارِ سلطانی کے متعلق حالات دریافت کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس کتاب میں یہ مضمون دیا جاتا ہے۔

محمود

سرنگاپٹم میں آثارِ سلطانی

یوں تو سرنگاپٹم کا ایک ایک ذرہ دلدادگانِ آزادی کے لئے اپنے اندر ایک خاص اثر رکھتا ہے لیکن جو آثارِ سلطانی اس وقت باقی ہیں۔ اور جن کے تحفظ کا انتظام ریاست کی جانب سے ہوتا ہے۔ وہ تین ہیں۔

(۱) دریا دولت باغ۔ (۲) مسجد اعلیٰ۔ (۳) گنبدِ سلطانی و مسجد اقصیٰ۔

۱۷۹۹ء میں زوال سلطنتِ خداداد کے بعد ۱۸۰۹ء تک سرنگاپٹم انگریزی قبضہ میں اور ان کی فوجوں کا مستقر رہا۔ اس سال انہوں نے چھاؤنی کے لئے بنگلور کا انتخاب کیا۔ اور سرنگاپٹم کا جزیرہ پچاس ہزار روپیہ سالانہ[۱] پر ریاست کے حوالے کر دیا گیا[۲]

۱۸۳۱ء میں راجہ کو معزول کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو پھر اس جزیرہ کا انتظام بھی انگریز

---

[۱] سنا گیا ہے۔ یہ پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی رقم آثارِ سلطانی کے تحفظ کیلئے منظور کی گئی تھی۔ ممکن ہے۔ کہ اس میں انگریزی قبروں کے تحفظ کا خرچ بھی شامل ہو۔

[۲]۔ امپیریل گزیٹر آف انڈیا میسور و کورگ صفحہ ۲۰۰؎

کرنے لگے[1] لیکن اس کے پچاس سال بعد یعنی ۱۸۸۱ء میں جب ریاست پھر راجہ کے خاندان کو واپس دی گئی۔ تو اس وقت جو چار بڑی شرطیں طے ہوئیں ان میں ایک شرط آثار سلطانی کے تحفظ کی بھی ہے[2]۔ اور اس وقت سے ریاست ان کی نگرانی اور انتظام کر رہی ہے۔ یہ آثار سلطانی، آثار قدیمہ میں شامل اور مزرعی محکمہ کے ماتحت ہیں۔ اور اس کی جانب سے ڈپٹی کمشنر ضلع اور سب ڈویژن افسران کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور اس وقت جب یہ سطور لکھے جا رہے ہیں۔ تو یہاں کی عنان نظامت نواب جعفر محی الدین خاں کے ہاتھ میں ہے انتظام کے لئے میسور اور سرنگاپٹم کے مسلمانوں پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی بھی ہے۔

بہر طور ریاست میسور کی جانب سے جو رقم اس وقت آثار سلطانی کے اخراجات کے لئے دی جاتی ہے۔ اور جس طرح خرچ کی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل ذیل کے اعداد و شمار سے معلوم ہوگی۔ واضح رہے کہ اس میں دریا دولت باغ کے اخراجات شامل نہیں ہیں۔ جس کا انتظام براہ راست حکومت کے محکمہ باغات کے ہاتھ میں ہے۔

---

[1] قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ زمانہ بعد آثار سلطانی کا انتظام برابر نہیں رہا۔ لارڈ ڈلہوزی جب گورنر جنرل ہو کر آیا۔ تو اس نے خاص سرنگاپٹم آکر یہاں ان کے تحفظ کے لئے ایک فرمان جاری کیا۔ جو دریا دولت محل میں آگاہی عوام کے لئے آویزاں ہے۔

[2] میسور پارلیمنٹری بلو بکس حصہ ایک تا چہار۔ صفحہ ۲۲۳۔

آمدنیات

نقد گرانٹ حکومت میسور کی جانب سے سالانہ		۱۲۹۱۰ - ۱۱ - ۹ روپے	
گنبد کے ملحقہ باغ سے آمدنی	"	۲۵۰ - - - ۰	یہ آمدنیاں ہر سال کم و بیش
گولک سے آمدنی	"	۲۲۵ - - - ۰	ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے
عرسوں کے موقع پر دکانوں پر ٹیکس	"	۷۰ - - - ۰	حکومت انہیں حاصل
امرائی سے		۸ - - - ۰	کرکے متعینہ رقم دیتی
بیس ہزار روپوں پر سالانہ سود		۶۹۸ - - - ۰	ہے۔ گورنمنٹ آف
میزان		۱۴۱۶۱ - ۱۵ - ۹	انڈیا کے تمسکات پہ

اخراجات

(۱) عملہ گنبد پر سالانہ	۴۱۴۶ - - ۰	تفصیل ضمیمہ	میں دیکھیں	
(۲) مسجد اعلیٰ کے عملہ پر سالانہ	۲۳۰۴ - - ۰	"	نمبر ۲	"
(۳) روزانہ فاتحہ و دیگر اخراجات سالانہ	۲۸۷۱ - - ۰	"	نمبر ۳	"
(۴) اعراس و عیدین پر سالانہ	۱۱۵۰ - ۱۱ - ۰	"	نمبر ۴	"
(۵) چھوٹی مسجدوں پر سالانہ	۲۱۶ - - ۰	"	نمبر ۵	"
(۶) متفرق سالانہ	۱۰۲۲ - - ۰	"	نمبر ۶	"
(۷) گنبد کے متعلقہ باغ کے مالیوں کی تنخواہ سالانہ	۱۲۱۵ - - ۰			
(۸) ریزرو فنڈ کے لئے سالانہ	۴۳۰ - ۴ - ۹			
میزان	۱۴۱۶۱ - ۱۵ - ۹			

ضمیمہ نمبر ۱

اخراجات گنبد سلطانی . . . ۔ ۔ ۔ ۶۴۱۴ روپے

گنبد کے انتظام کے لیئے جملہ اکیس آدمی ہیں۔ ان میں ناظم کو پچاس روپیہ منشی کو تیس روپیہ۔ داروغہ کو بیس روپیہ اور خطیب کو پندرہ روپیہ ماہانہ ملتے ہیں۔ باقی خدام کو جن میں پانچ قرآن خواں بھی شامل ہیں۔ سات سے دس روپیہ تک ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس کے علاوہ نوبت خانہ کے لیئے دس خدام ہیں۔ جنہیں چھ روپیہ ماہانہ سے دس روپیہ ماہانہ تنخواہیں ملتی ہیں۔ اور ایک بھنگی ہے۔ جس کو چھ روپیہ ماہانہ دیئے جاتے ہیں[1]

ضمیمہ نمبر ۲

مسجد اعلیٰ کے اخراجات سالانہ . . ۔ ۔ ۔ ۲۳۰۴ روپے

یہاں جملہ ۱۸ آدمی ہیں۔ ان میں قاضی کو تیس روپیہ۔ متولی کو بیس۔ خطیب کو سترہ روپیہ۔ موذن کو بارہ روپیہ ماہانہ دیئے جاتے ہیں۔ باقی خدام کو جن میں پانچ قرآن خواں بھی شامل ہیں۔ پانچ سے دس روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے[2]

---

[1] ،[2] معلوم ہوا ہے۔ کہ اس عالمگیر قحط اور گرانی کے زمانہ میں بھی ان خدام کو یہی تنخواہیں مل رہی ہیں جس کی وجہ سے بہت سے خدام سرنگاپٹم چھوڑ کر باہر ملازمتوں کے لیئے چلے گئے ہیں۔

ضمیمہ نمبر ۳

روزانہ فاتحہ و دیگر اخراجات سالانہ ۰ — ۰ — ۲۸۷۱ روپے

گنبد میں۔ اگربتیوں وغیرہ کے لئے ماہانہ دس روپیہ۔ سالانہ ۰ — ۰ — ۱۲۰

مسجد ملی میں۔ ″ ″ ″ آٹھ ″ ″ ۰ — ۰ — ۹۶

غریب مسافروں کو روزانہ خیرات سلطانی۔ دس آنے

آٹھ پائی کے حساب سے ماہانہ بیس روپیہ سالانہ ۰ — ۰ — ۲۴۰

لنگرخانہ - ماہانہ دو سو روپیہ۔ یہ رقم ہندو اور مسلمان خاندانوں کو

ابتدا سے بطور خیرات ہر ماہ دی جاتی ہے۔ سالانہ ۰ — ۰ — ۲۴۰۰

صادر وارد عربی مدرسہ ماہانہ سوا روپیہ سالانہ ۰ — ۰ — ۱۵

میزان ۰ — ۰ — ۲۸۷۱

ضمیمہ نمبر ۴

اعراس و عیدین پر اخراجات ۰ — ۱۱ — ۱۱۵۷ روپے سالانہ

ماہ ربیع الاول میں بارہ دن کے لئے ۰ — ۰ — ۱۲۰ خدام گنبد و مسجد کو کھانا کھلانے کیلئے

ماہ ربیع الثانی میں گیارہ دن کے لئے ۰ — ۰ — ۹۵ ″ ″ ″ ″

ماہ رجب المرجب میں ۰ — ۱۱ — ۲۲ ″ ″ ″ ″

ماہ محرم الحرام میں دس دن کیلئے	۱۰۰ ـ ۰ ـ ۰	خدام گنبد و مسجد کو کھانا کھلانے کیلئے
ماہ رمضان المبارک میں تیس دن کیلئے	۴۳ ـ ۰ ـ ۰	سحری و افطاری "
عرس سلطان شہید	۱۵۱ ـ ۰ ـ ۰	پہلے دو سو اکیاسی روپیہ سالانہ تھے۔ یہ رقم عرس میں خدام اور غریب مسافروں کو کھانا کھلانے کے لئے ہے۔
عرس نواب حیدر علی	۹۰ ـ ۰ ـ ۰	پہلے ۱۴۵ ـ ۰ ـ ۰ کی رقم تھی
فاتحہ برہان الدین شہید	۵ ـ ۰ ـ ۰	
فاتحہ فاطمہ بیگم صاحبہ	۱۵ ـ ۰ ـ ۰	
فاتحہ شہزادہ نظام الدین	۱۵ ـ ۰ ـ ۰	
فاتحہ بانو بیگم بنت قمر بانو	۱۵ ـ ۰ ـ ۰	
فاتحہ مدینہ بیگم	۱۰ ـ ۰ ـ ۰	
فاتحہ سلطان بیگم	۳ ـ ۰ ـ ۰	
مالیدہ کے لئے	۷۵ ـ ۰ ـ ۰	یہ رقم سال میں ایک دفعہ مالیدہ بنانے پر خرچ کیجاتی ہے اور یہ مالیدہ علاوہ سرنگاپٹم میں تقسیم ہونے کے باہر بھی بھیجا جاتا ہے

میزان ۔ ۔ ۱۱۵۷ ـ ۱ ـ ۰

نوٹ:۔ واضح ہو کہ گذشتہ یہ رقمیں جو اوپر بتائی گئی ہیں کسی زمانہ میں جب ہر چیز سستی تھی کافی ہوتی تھیں۔ لیکن اس زمانہ میں یہ بالکل ناکافی ہیں۔

ضمیمہ نمبر ۵

چھوٹی مسجدوں پر خرچ سالانہ ۲۱۶ ـ ۰ ـ ۰ روپے

احمدی مسجد کی نگرانی کیلئے ایک متولی ماہانہ پندرہ روپے سالانہ	۱۸۰ ـ ۰ ـ ۰	یہ چاروں چھوٹی مسجدیں قلعہ کے اندر ہیں
حسینی مسجد کو چراغ کیلئے ماہانہ ایک روپیہ سے سالانہ	۱۲ ـ ۰ ـ ۰	
صفدری " " " "	۱۲ ـ ۰ ـ ۰	
نزی مسجد " " " "	۱۲ ـ ۰ ـ ۰	
میزان	۲۱۶ ـ ۰ ـ ۰	

ضمیمہ نمبر ۶

متفرق اخراجات سالانہ ۲۱۹۲ ـ ۴ ـ ۹ روپے

مزروعی محکمہ کے فنڈ کے لئے سالانہ	۸۰۰ ـ ۰ ـ ۰
مکانات کی مرمت وغیرہ کے لئے سالانہ	۱۲۰۰ ـ ۰ ـ ۰
زائرین کے استقبال کے لئے سالانہ	۵۰ ـ ۰ ـ ۰
سرقاضی میسور کو سالانہ	۱۰۸ ـ ۰ ـ ۰
لشکر محلہ میسور کے مانشور خانہ کو سالانہ	۳۴ ـ ۰ ـ ۰

رمضان شریف میں مسجد اعلیٰ میں حافظ قرآن کے لئے سالانہ	۷۰ - - - -	معلوم ہوا ہے کہ اس رقم کے ناکافی ہونیکی وجہ سے حافظ قرآن نہیں ملتے مسجد اقصیٰ میں حافظ قرآن کا انتظام نہیں ہے
روشنی و بلب وغیرہ سالانہ	۵۵۰ - - ۰	اس رقم میں تیس روپیہ ماہانہ یعنی ۳۶۰ روپیہ سالانہ کی رقم بھی شامل ہے جو منی بم کے طور پر چارج کی جاتی ہے۔
ریزرو فنڈ کے لئے سالانہ	۳۷۰ - ۴ - ۹	
میزان	۲۱۹۲ - ۴ - ۹	

اوپر جو حسابات دیئے گئے ہیں۔ وہ گورنمنٹ آرڈر نمبر ۷۷-۵-۹۴-مزرعی ۲-۴۵-۸۵ بنگلور مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۴۷ء کے مطابق ہیں۔ اور اسی پر عمل جاری ہے

دیگر حالات

گنبد سلطانی سرنگا پٹم میں جہاں کبھی لاکھوں کی آبادی تھی۔ وہاں اب صرف چار پانچ ہزار کی آبادی ہے۔ اور اس میں بھی مسلمان بالکل کم ہیں۔ لیکن مسجد اعلیٰ اور گنبد میں زیارت کے لئے ہر روز لوگ باہر سے آتے رہتے ہیں۔ یہاں دیکھا

جارہا ہے۔کہ جب بڑے بڑے افسر وغیرہ آتے ہیں۔تو جس طرح احترام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے گنبد کی سیڑھیوں کے پاس جوتے نکال دیئے جاتے تھے۔اب اس پر برابر عمل نہیں ہو رہا ہے۔اس مقصد کیلئے یہاں ایک حکمنامہ لگا ہوا تھا۔یہ تختہ اب ہٹا دیا گیا ہے۔خدام ڈر کر کچھ نہیں کہتے۔چبوترے پر جو مزارات ہیں۔ان کے سرہانے کھُردرے پتھروں پر نام وغیرہ جو نہایت بدخطی سے کسی زمانہ میں لکھے گئے تھے۔امتدادِ زمانہ سے اب صاف پڑھے نہیں جاتے۔

متوفی مہاراجہ سر کرشنا راج وڈیر کے عہد میں جب امین الملک سر میرزا اسمٰعیل دیوان تھے۔تو انہوں نے دریا دولت محل کے ملحقہ باغ کی آراستگی کی تھی۔نئی سڑکیں اور روشیں وغیرہ بنا کر سرو کے درخت لگائے گئے۔اور نوبت خانہ منہدم ہونے کے قریب تھا۔اس کو ڈھا کر ایک نئی خوشنما نشست گاہ بنائی گئی تھی۔اسی طرح گنبد کے شمالی رخ بھی روشیں اور راستے بنا کر سرو کے درخت لگائے گئے اور باغ کی بھی آراستگی ہوئی۔اور گنبد پر برقی روشنی بھی[۱] (جو اب صرف عرس کے دنوں میں کیجاتی ہے) معلوم ہوا ہے۔کہ جنوبی رُخ بھی اسی طرح روشیں۔راستے اور سرو کے درخت لگائے جانے اور اس کو دریائے کاویری کی جنوبی شاخ کے کنارے تک بڑھا کر وہاں نشست گاہ بنانے کا خیال تھا۔یہ کام ابھی تک معرضِ التوا میں ہے۔اور جو فنڈ اس کے لئے منظور ہوا تھا۔وہ ابھی محکمہ میں بطور امانت رکھا ہوا ہے۔

یوں تو زائرین میں ہر مذہب و ملت کے لوگ اس شہیدِ آزادی کی بارگاہِ عالی میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے آتے ہیں۔لیکن کثرت ان مسلمانوں کی ہے۔جو

۱ے گنبد میں باہر بالکل اندھیرا رہتا ہے۔اندر رات کو ایک چراغ جلتا ہے۔

پارٹیاں بنا کر تفریح کے لیئے اس گوشۂ تنہائی میں آتے ہیں اور نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے۔ کہ ان میں سے اکثر یہاں جوئے بازی کے لیئے آتے ہیں۔ عرس کے موقع پر بھی یہی ہوتا ہے۔ ضرورت ہے۔ کہ اس کے مستقل انسداد کا انتظام کیا جائے۔

مسجد اعلیٰ

مسجد اعلیٰ کے میناروں پر جو گچ کاری کے بیل بوٹے اور اوپر خوبصورتی کے لیئے جو صراحیاں وغیرہ بنی ہوئی تھیں۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے ان میں سے اکثر گر چکی ہیں۔ اور عرصہ سے یہی حالت چلی آتی ہے۔ امتداد زمانہ کا ہاتھ نہایت تیزی سے کام کرتا نظر آرہا ہے۔ اس لیئے کہ اس مسجد کو تعمیر ہوئے اب ڈیڑھ صدی سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی موثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مسجد کا شمالی مینار عرصہ سے شکستہ حالت میں کھڑا ہے اور اسی لیئے اس پر لوگوں کو چڑھنے نہیں دیا جاتا۔ (واللہ اعلم)

تعلیمی پریس لاہور میں ملک مبارک علی پبلشر نے چھپوا کر گوشۂ ادب لاہور
سے شائع کیا